رکن کونسل آف جرائد اہلسنت

اہلسنت و جماعت کا ترجمان
فکر رضا کا امین

ماہنامہ
کنز الایمان
لاہور
اردو ۔ انگریزی

چیف ایڈیٹر: محمد نعیم طاہر رضوی

جنوری ۲۰۰۱ء

پارسا بدرِ صراطِ مستقیم
۱۴۲۰ھ

ویژہ نامہ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

نوٹس داخلہ
فون 6662739
شاہین ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اینڈ ہاسپٹل
منظور شدہ حکومت پاکستان
زیر سرپرستی: ہومیوپیتھک ڈاکٹر پروفیسر احمد حسین
داخلہ برائے سال اول ڈی۔ایچ۔ایم۔ایس سیشن 2000-2001 جاری ہے۔
میٹرک پاس طلبہ/طالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔
ایف اے، ایف ایس سی، بی اے، بی ایس سی، ایم اے، ایم ایس سی تعلیمیافتہ خواہشمندوں کو ترجیح دی جائے گی۔
سیٹیں محدود ہیں ○ داخلہ میرٹ پر ہوگا۔
کہنہ مشق اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیمی و عملی تربیت۔
جدید لیبارٹری اور لائبریری کی سہولت سے آراستہ۔
چار سالہ کورس کی تکمیل پر کسی ہسپتال یا ڈسپنسری میں ۶ ماہ کی عملی تربیت۔
طلباء و طالبات کے لیے علیحدہ کلاسز کا انتظام۔
ہر قسم کے سیاسی ماحول سے پاک تعلیمی ادارہ۔
کالج ہذا کی درج انفرادی حیثیت ہے
پرنسپل شاہین ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اینڈ ہاسپٹل ۱۲۲/۵ دھلی روڈ صدر بازار لاہور کینٹ
ہیڈ آفس: ۶ عزیز گارڈن پارک سرور سٹریٹ علامہ اقبال روڈ لاہور

بفیضان نظر مجدد دین ملت شاہ احمد رضا خان حنفی بریلوی علیہ الرحمۃ

حکومت پنجاب کے سرکلر نمبر 4-5-96 (A-IV) s-o کے تحت سکولوں، ٹیکنیکل اداروں اور پبلک لائبریریوں کے لیے منظور شدہ۔

اہلسنت وجماعت کا ترجمان، فکر رضا کا امین

ماہنامہ لاہور پاکستان

کنز الایمان

اردو۔ انگریزی

بیاد حکیم اہلسنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

رکن کونسل آف جرائد اہلسنت

چیف ایڈیٹر

محمد نعیم طاہر رضوی

شوال المکرم	جلد	شمارہ	جنوری
1420ھ	10	12	2001

قیمت فی شمارہ: 10روپے — موجودہ شمارہ 75روپے — سالانہ 110روپے

ڈرافٹ ماہنامہ کنز الایمان اکاؤنٹ نمبر 71-5685 حبیب بینک، لاہور کینٹ پاکستان

زر تعاون بیرون ملک

امریکہ 25ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز
یورپ 23ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز
عرب ممالک 20 ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز
عراق 9ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز
ایران 9ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز
ترکی 9ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ کنز الایمان دہلی روڈ، صدر بازار، لاہور چھاؤنی، پاکستان۔

پوسٹ کوڈ نمبر 54810 فون نمبرز: 6685454-6681927

E.mail:kanz_ul_iman@hotmail.com

تجلّیاتِ شمسُ العُلوم ۸۶ء

۱۴۲۱ ہجری

حکیمِ اہلسنّت نمبر

ماہنامہ کنزالایمان لاہور کی اشاعتِ خاص کی طباعت کے سلسلے میں مُدیرِ رسالہ عزیزی نعیم طاہر کی مساعیِ جمیلہ کے اعتراف کے طور پر حسبِ ذیل چند اشعار ارتجالاً کہے گئے۔

(فداؔ)

بندۂ احمد رضا کی ناگہاں رحلت پہ آہ!
مضمحل کیوں کر نہ ہوں سب بندگانِ حق پرست

گُل ہوئی ہے دین و ملّت کی شمع اِک اور بھی
اُس کا ہمسر ہے کہاں اب بندۂ رحماں پرست

ماسوا اللہ کے حاصل ہے یاں کس کو دوام؟
کوئی سمجھا ہی نہیں اب تک کیا اسرارِ اہلسنّت

وجہِ تکمیل اِس شیوعِ خاص کا عزمِ نعیم
کیوں نہ پھر سمجھیں اُسے ہم اہلِ دل بیدار بخت

غیب سے آئی ندا "تذکارِ اہلِ دیں" معاً
۱۴۲۱ ھ

بہرِ سالِ طبعِ جس دم تھا فداؔ خامہ بدست

رقیمۂ ابوالطاہر فدا حسین فداؔ
مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور

آئندہ شمارہ سنی ڈائریکٹری نمبر ہوگا

اس شمارے میں

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

امام احمد رضا بریلویؒ

پُل سے اُتارو ، راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پَر بچھائیں تو پَر کو خبر نہ ہو

ایسا گُما دے اُن کی وِلا میں خُدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے ، پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے!
یُوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

اُن کے سوا رضا کوئی حامی نہیں، جہاں
گزرا کرے پسر پہ ، پدر کو خبر نہ ہو

کنزالایمان سوسائٹی لاہور چھاؤنی کے زیر اہتمام 10۔اگست 92 بروز پیر 2 بجے دوپہر جناح ہال لاہور میں چھٹی سالانہ امام احمد رضا کانفرنس سے مولانا کوثر نیازی کا خطاب۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو

سابق وفاقی وزیر برائے مذہبی امور

مولانا کوثر نیازی کا خراج تحسین

جب میں لاہور میں تھا سالوں قبل تو میں بھی کئی بار حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، ان سے واقف تھا، ان کے عشق رسول ﷺ سے بھی آگاہ تھا۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی اس لیے کہ لاہور جن شخصیات سے عبارت تھا وہ آہستہ آہستہ کر کے اٹھ گئیں یا اٹھتی جا رہی ہیں اور بہت باقی گئے اور با آ گئے۔

باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔ حکیم صاحب ان باقیات میں سے ہیں کہ جن کی وجہ سے لاہور کی عزت اور عظمت متشخص ہوتی ہے۔ مگر اس زمانے میں جب میں حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ حکیم صاحب کے سینے میں موجزن عشق رسول ﷺ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کا پرتو ہے۔

مختصر تعارف
کنزالایمان سوسائٹی

پتہ مرکزی دفتر ۶/۱۴۲۲۔ دہلی روڈ صدر بازار، لاہور چھاؤنی
پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۸۱۰ فون نمبرز: 6685454-6681927

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ دنیائے اسلام اس عظیم شخصیت کے کارناموں سے بخوبی واقف ہے۔ خصوصاً تصنیف و تالیف میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ مقام حاصل ہے جہاں انہوں نے مختلف علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ کتب تصنیف کیں وہاں انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ بنام ''کنزالایمان'' بھی کیا یہ ترجمہ ان کی دوسری تصانیف کی طرح ان کے عشق رسول ﷺ کا آئینہ دار ہے۔ کنزالایمان سوسائٹی کا قیام اس ترجمہ قرآن حکیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں مارچ ۱۹۸۳ء میں عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد

۱۔ اردو ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' کی اشاعت و مفت تقسیم۔

۲۔ اختر رضا لائبریری کا قیام۔

۳۔ اعلیٰ حضرت فری ڈسپنسری کا قیام۔

۴۔ گنج بخش سائنس کالج کا قیام۔

5۔ اسلام کے صحیح عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے غیر مطبوعہ و نایاب کتب و رسائل کی معیاری اشاعت و تقسیم۔

۶۔ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ''قومی امام احمد رضا کانفرنس'' کا انعقاد۔

۷۔ اسلامی، قومی تہواروں پر خصوصی اجتماعات کا اہتمام۔

۸۔ درس قرآن و حدیث کا خصوصی اہتمام کرنا۔

۹۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہنا۔

خدمات کا مختصر جائزہ

۱۔ اختر رضا لائبریری

۱۹۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو دہلی روڈ صدر بازار لاہور چھاونی میں ''اختر رضا لائبریری'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ لائبریری نبیرہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد اختر رضا خان الازہری قادری بریلوی مدظلہ العالی صدر سنی جمعیت العلماء ہند کے نام نامی سے منسوب ہے۔

لائبریری میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہزاروں مفید ترین کتب اور ۱۰۰ سے زائد رسائل و جرائد کے علاوہ اخبارات اور علمائے کرام کی تقاریر، نعت خوانی اور درس قرآن کے آڈیو و ویڈیو کیسٹ عوام کے استفادہ کے لیے بلا معاوضہ موجود ہیں۔

قرب و جوار کے تشنگان علم شام کے اوقات میں لائبریری آکر سیر ہوتے ہیں۔ لائبریری کے قیام سے لے کر اب تک کے اخبارات رسائل و جرائد کے فائل بھی محفوظ ہیں۔

۲۔ قاری کلاس

سوسائٹی کی جانب سے چالیس روزہ قاری کلاس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سولہ سال سے پینسٹھ سال کی عمر تک کے احباب ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں طلباء اس کلاس کے ذریعے ناظرہ قرآن پاک پڑھ چکے ہیں۔ قاری کلاس کے طلباء کو کورس کی کتابیں اور کاپیاں، پن وغیرہ بھی سوسائٹی کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی ہیں اور کلاس کے اختتام پر اسناد و دیگر کتب کے علاوہ مترجم قرآن پاک کنز الایمان کے نسخے بھی تمام طلبہ میں مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔

۳۔ مقدس اوراق کو بے حرمتی سے بچانا

سوسائٹی کی جانب سے قرآن حکیم و حدیث شریف کے مقدس اوراق کو دفتر میں جمع کر کے انہیں اسلامی طریقہ سے تلف کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ معاشرہ میں غیر شرعی حرکات روکنا

کنز الایمان سوسائٹی کی طرف سے اصلاح معاشرہ کے لیے مختلف مواقع پر علمی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں علمائے کرام اپنی بصیرت افروز تقاریر کے ذریعے معاشرہ میں موجودہ برائیوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوسائٹی کی طرف سے اصلاحی پوسٹر بھی شائع کیے جاتے ہیں جن میں عوام کو غیر شرعی رسومات کو ترک کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اب تک درج ذیل عنوانات کے تحت ہزاروں کی تعداد میں پوسٹر شائع کیے جا چکے ہیں۔

- ☆ محکمہ اوقاف سے اپیل (درگاہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں)
- ☆ کیا حضرت داتا گنج بخش ” نے کہا تھا یا کیا تھا کہ؟
- ☆ اپیل بنام اسسٹنٹ کمشنر صاحب (جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ڈسکو ڈانس وغیرہ کے بارے میں)
- ☆ آخری چہار شنبہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

۵۔ کتب و رسائل کی اشاعت

سوسائٹی کی طرف سے اب تک درج ذیل عنوانات کے تحت کتب و رسائل ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کیے جا چکے ہیں۔

(۱) لمحہ فکریہ (۲) چالیس احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) وصایا قمریہ
(۴) شاہ فہد کے نام مکتوب گرامی (۵) رہبر و راہنما

کئی ایک مسودے سرمایہ کی کمی کے پیش نظر اشاعت کے منتظر ہیں۔

۶۔ قومی امام احمد رضا رحؒ کانفرنس کا انعقاد

سوسائٹی کے زیر اہتمام ۱۹۸۷ء سے الحمرا ہال لاہور میں امام اہلسنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ہر سال ملکی سطح پر ” قومی امام احمد رضا کانفرنس“ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوتی ہے جس میں ملک بھر سے علماء مشائخ دانشور، شاعر، ادیب، قانون دان، اور صحافی وغیرہ امام اہل سنت کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

۷۔ ماہنامہ "کنزالایمان" لاہور کا اجراء

سوسائٹی کے زیر اہتمام مارچ ۱۹۹۱ء سے انگریزی اور اردو میں ماہنامہ "کنزالایمان" کا اجرا کیا جاچکا ہے جس کے ذریعے دین اسلام کے صحیح وعقائد ونظریات کی اشاعت وترویج کا کام کیا جارہا ہے۔

۸۔ خصوصی اجتماعات

سوسائٹی کے زیر اہتمام ہر سال رمضان المبارک کے دوران جامع مسجد قاسم خان لاہور چھاؤنی میں چھٹی کے دن بعد نماز فجر درس قرآن کے اجتماعات ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں لاہور کی مختلف مساجد میں

۳۔ رمضان المبارک کو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے یوم وصال پر۔

۱۰۔ رمضان المبارک کو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے یوم وصال اور فتح مکہ کے موقع پر

۱۷۔ رمضان المبارک کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یوم وصال اور جنگ بدر کے موقع پر

۲۱۔ رمضان المبارک کو خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت پر اور ۲۶ رمضان المبارک کو جشن نزول قرآن کے موقع پر روحانی محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ روحانی محفل بعد نماز عصر ہوتی ہیں۔ اور افطاری کا بھی انتظام ہوتا ہے اس کے علاوہ ۱۲۔ ربیع الاول کو ہر سال بعد نماز عصر اختر رضا لائبریری میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۹۔ محفل نعت

امام احمد رضا کے یوم وصال کے موقع پر ۲۰۰۰ء سے اکتوبر کے آخری ہفتہ کو بعد نماز عشاء اختر رضا لائبریری میں سالانہ محفل نعت کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ جسمیں ملک کے نامور نعت خواں حضرات کلام اعلحضرت پیش کرتے ہیں۔

آئندہ عزائم

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فری سائنس کالج

مخدوم الاولیاء سند الواصلین حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ کی یاد میں ''گنج بخش کالج'' کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر مستحق ونادار طلباء کی سرپرستی کی جائیگی اور انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلیے مفت تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ وہ معاشرہ میں اپنا مقام بنا سکیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فری ڈسپنسری

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلویؒ کی یاد میں ''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ڈسپنسری'' کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر غریب و متوسط طبقہ کے افراد کو علاج معالجہ کی مفت سہولتیں دستیاب ہوں گی۔

قرآن پاک کی اشاعت و مفت تقسیم

دنیا کے دیگر مذہب کی مقدس کتب کی تقسیم مفت ہوتی ہے ان کا کوئی ہدیہ نہیں لیا جاتا لیکن قرآن حکیم جو کہ دنیا کے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کی الہامی کتاب ہے کو حاصل کرنے کے لیے ہدیہ دینا پڑتا ہے۔ ''کنز الایمان سوسائٹی'' کا سب سے اہم اور بڑا منصوبہ یہی ہے کہ قرآن پاک کو وسیع پیمانے پر شائع کر کے اس کو مفت تقسیم کیا جائے، اس منصوبہ پر لاکھوں روپے کی لاگت آئیگی اس لیے اس کی اشاعت کے لیے ایک علیحدہ فنڈ قائم کر دیا گیا ہے جس میں صرف اشاعت قرآن پاک کے لیے فنڈ جمع ہوگا اس کا نام ''کنز الایمان فنڈ'' ہے قرآن پاک اردو ترجمہ کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں میں علیحدہ علیحدہ شائع کیا جائیگا۔

کنز الایمان سوسائٹی اپنے ان عظیم مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشاں ہے لیکن اس گراں دور میں علوم وفنون اور قرآن کی خدمت کچھ آسان کام نہیں ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ صاحب ثروت حضرات سوسائٹی کی سرپرستی فرماتے ہوئے مقدور بھر تعاون

فرمائیں تاکہ یہ منصوبہ جات پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

ترسیل زر کا پتہ

محمد نعیم طاہر رضوی۔ بانی وصدر

کنزالایمان سوسائٹی دہلی روڈ لاہور کینٹ پاکستان

پوسٹ کوڈ نمبر 54810

فون نمبرز: 6681927-6685454

بذریعہ چیک ڈرافٹ بنام ''کنزالایمان'' کا بنوا کر بھیجیں۔

حبیب بینک لمیٹڈ لاہور کینٹ برانچ اکاؤنٹ نمبر 71-5685

پیغامات

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا فضل الرحمٰن بن حضرت قطب مدینہ ضیاء الدین مدنی

خلیفہ اعلحضرت علیہ الرحمت (مدینہ منورہ سعودی عرب)

مکرمی ومحترمی جناب نعیم طاہر رضوی صاحب

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، آپ کے خط سے محترم حکیم موسیٰ امرتسریؒ کے انتقال پُرملال کی خبر ملی۔

موصوف مرحوم بلاشبہ ایک متحرک اور فعال، بااخلاق انسان تھے۔ مجلس رضا لاہور کے صدر کی حیثیت سے جوانہوں نے کام انجام دیا ہے اسے اہلسنت کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ان کے زمانہ صدارت میں بہت سی مفید کتابیں چھپیں اور تقسیم ہوئیں اور عامہ اہلسنت کو ان کتابوں سے بڑا فائدہ پہنچا۔

موصوف علیہ الرحمت جب تک اس دنیا میں رہے امکان بھر خدمات انجام دیتے رہے اب وہ باذن ربنا جوار رحمت میں ہیں رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب علیہ ﷺ کے صدقہ وطفیل میں ان کو اپنے کرم سے نوازے ان کی قبر پر رحمت ونور کی بارش فرمائے اور جنات النعیم میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے

آمین

دعاجو

فضل الرحمٰن

عفی اللہ عنہ

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی (کوئٹہ)

محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری ایسے عالم، فاضل اور محقق تھے جنہوں نے اپنے آپ کو عمر دینی، علمی، ادبی اور تحقیقی دنیا میں مصروف کار رکھا۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے عالمانہ اور محققانہ راہنمائی سے تحقیق علمی میدان کے شاہسواروں کو دل کھول کر فیض پہنچایا۔

آپ ایک طرف گرانقدر مشوروں سے نوازتے اور دوسری جانب نادر کتب فراہم کرتے اور اشاعت میں معاونت فرماتے ان تحقیق کاروں میں محترم جناب محمد صادق قصوری خاص مقام کے حامل ہیں جن

کارہائے نمایاں تحقیق، دینی اور علمی دنیا میں نئے پن کے علاوہ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔
پنجاب یونیورسٹی لائبریری قائداعظم کیمپس لاہور میں آپ کی عطا کردہ کتب پر مشتمل گوشہ نہایت اہم اور وقیع ہے جسے محققین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپ تحریک پاکستان سے گہرا لگاؤ رکھنے کے علاوہ مرکزی مجلس رضا کے بانی تھے اور انہوں نے حضرت امام رضا کی تعلیمات کو عام کرنے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ انہیں نظریہ پاکستان کا پرچارک اور نقیب بھی کہا جاتا ہے ان کی شخصیت کا احاطہ کچھ یوں ہوسکتا ہے۔

رک جائے خود ہی آدمی تو اور بات ہے
اس کی بلندیوں کی کوئی انتہا نہیں

☆ خضر نوشاہی۔ صدر ادارہ معارف نوشاہیہ ساہن پال شریف (منڈی بہاء الدین)

محترم جناب محمد نعیم طاہر رضوی صاحب

سلام مسنون:

آپ کا مکتوب گرامی مرقومہ ۲۵ جنوری ۲۰۰۰ء کئی روز سے مل چکا ہے۔ لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث فی الفور جواب نہ لکھ سکا۔ تاخیر کی معذرت چاہتا ہوں۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی رحلت ایک ایسا سانحہ ہے جس پر زبان قلم گنگ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کس سے اظہار تعزیت کیا جائے۔ ان کی ذات مستودہ صفات ہمارے رسمی الفاظ سے بلند و برتر ہے۔ وہ ایک ایسا سدا بہار پھول تھے جس کی خوشبو نہ صرف شام جاں کو معطر کرتی بلکہ ایمان و ایقان بھی اس سے تازگی پاتے۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ تا ابد پورا نہیں ہو سکے گا۔۔۔ آہ اب ان کی وفات حسرت آیات سے "موت العالم موت العالم" کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ وہ بجا طور پر ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے، قول و فعل، گفتار و کردار اور عادات و اطوار کے اعتبار سے وہ دور حاضر کی بے مثل شخصیت تھے۔۔۔ اگر معاصر علماء کرام اور دانشوران عظام احقر کی رائے سے اتفاق کریں تو میں انہیں اس صدی کا "مجدد" قرار دیتا ہوں۔ اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

جہاں علم و دانش آج افسردہ و غمگیں ہے
حکیم اہل سنت آہ! رحلت کر گئے آخر

ہزاروں تشنگان شوق کو آب بقا بخشا

جہان رنگ و بو چھوڑا خدا کے گھر گئے آخر

(خضر نوشاہی)

تاریخ وصال کے ضمن میں یہ شعر بطور خاص "ماہنامہ کنزالایمان" کی نذر کرتا ہوں "پارسا بدر صراط مستقیم" ۱۴۲۰ھ

نور عالم حضرت موسیٰ حکیم

۱۹۹۹ء　　(خضر نوشاہی)

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ سے سال ہجری اور مصرعہ ثانیہ سے عیسوی سال برآمد ہوتا ہے یاد آوری کا شکریہ جملہ حاشیہ

ستیان محفل کو سلام و آداب و احترام والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاۃ،　　دعا کا طالب

(خضر نوشاہی)

جی اے حق محمد صاحب ریسرچ سکالر ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

محترمی محمد نعیم طاہر رضوی صاحب

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا خط موصول ہوا۔ ماہنامہ کنزالایمان' علمی میدان میں مسلک اہلسنت کی گرانقدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ نے حکیم اہلسنت نمبر شائع کرنے کا سوچا ہے جو لائق صد تحسین ہے۔ محترم قبلہ حکیم صاحب کے ساتھ میری کوئی قابل ذکر ملاقات نہ تھی مگر بارہا اچھے لوگوں سے انکی تعریف سنی کہ انکی شخصیت علمی دینی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

اللہ تعالیٰ بطفیل نبی حبیب ﷺ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی علمی کاوشوں کو قبول فرما کر آپ کو دارین کی سعادتیں مرحمت فرمائے۔

والسلام

فقط

عبدالحق

(جی اے حق۔ محمد)

جناب راجہ محمد طاہر رضوی صاحب ایڈووکیٹ جہلم

جناب مدیر اعلیٰ

ماہنامہ کنز الایمان لاہور

اسلام علیکم:۔ مزاج گرامی: آپ کے رسالہ کی جانب سے یہ اعلان پڑھ کر مسرت ہوئی کہ ماہنامہ کنز الایمان حکیم اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نمبر شائع کر رہا ہے۔ ماہنامہ کنز الایمان کو یہ سعادت حاصل ہے کہ کچھ عرصہ ہی میں مختلف خوبصورت نمبرز شائع کئے مثلاً ترک موالات نمبر، قائداعظم نمبر، ڈاکٹر آفتاب نقوی نمبر، شہید کشمیر حمایت علی چودھری نمبر اور بالخصوص اہلسنت کے درمیان رابطہ کے لئے سنی ڈائریکٹری نمبر محدود وسائل میں یہ خوبصورت نمبر شائع کرنے کا اعزاز ماہنامہ کنز الایمان کو حاصل ہوا۔ ماہنامہ کنز الایمان کے مدیر اعلیٰ اور کنز الایمان سوسائٹی کے بانی وصدر محمد نعیم طاہر رضوی بھی حکیم اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ ہیں جو اپنی نوکری کی مصروفیات کے باوجود اہلسنت کے لئے تحریری میدان میں کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ جسکا نتیجہ خوبصورت نمبرز کی اشاعت ہے۔ اب ادارہ حکیم اہلسنت نمبر رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔

حکیم اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ایک درویش منش انسان تھے جو شہرت سے دور بھاگتے تھے اور درد دل بیچتے تھے۔ وہ محسن اہلسنت تھے محسن رضویت تھے۔ جنہوں نے اہلسنت کو لٹریچر کا ذوق بخشا۔ آج اہلسنت کے ذخیرہ لٹریچر کی جو بہاریں ہیں یہ ان کی مرہون منت ہیں۔ آج ان کا فیض اہلسنت کی صفوں میں لکھنے والوں، سنی اشاعتی تنظیموں (جو لٹریچر چھاپ کر فری تقسیم کر رہی ہے)۔ سنی مکتبوں جو عصری تقاضوں کے مطابق لٹریچر شائع کر رہے ہیں کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکیم اہلسنت کا پیغام پھیلاتے رہیں۔ لٹریچر کے میدان میں وہ موجودہ تقاضوں کے مطابق سنی لٹریچر کی اشاعت کرتے رہیں اور جو اشاعتی تنظیمیں لٹریچر کی موجودہ تقاضوں کے مطابق اشاعت کر رہی ہیں وہ باہمی رابطہ رکھیں اور لٹریچر کے سلسلہ میں مشاورت کر کے لٹریچر شائع کریں تا کہ ایک ہی موضع پر لٹریچر شائع نہ ہوتا رہے مجھے حکیم اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے ۲/۳ ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ کیا عرض کروں وہ کیا تھے کیا دل رکھتے تھے کیا جذبہ تھا ان کی بات بات میں اثر کی طاقت تھی۔

چھوٹوں کو بڑا بنانے کا حوصلہ تھا۔ حوصلہ افزائی کرنا خوب جانتے تھے۔ آج جب ان کی جدائی کا سوچتا ہوں تو دل بھر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر مطالعہ کا شوق حکیم اہلسنت نے مجھے بخشا۔

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے پیغام کو پڑھے لکھے طبقے تک پہنچانے کی سعادت صیح معنوں میں صرف حکیم اہلسنت علیہ الرحمۃ کو حاصل ہوئی۔ وہ بالخصوص رضویوں کے بہت بڑے محسن تھے اور اہلسنت کے بالعموم محسن تھے۔ انہوں نے لکھنے والے احباب (دانشوروں) کی توجہ بارگاہ رضوی کی خدمات کی طرف دلائی۔

اللہ ان کی قبر پر رحمت فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے

محمد نعیم طاہر رضوی اور دیگر عہدیدران ماہنامہ کنزالایمان کو حکیم اہلسنت نمبر کی اشاعت پر مبارکباد پیش ہو

مجھے امید ہے کہ حکیم اہلسنت نمبر یادگار رہوگا

والسلام

محمد طاہر رضوی

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ !!

حکیم محمد موسیٰ لقمان سیرت
جاری رہا جن سے عین راشد وہدایت
کی عمر بسر اپنی با زہد و قناعت
یارانؓ نبیﷺ کی رہی تبلیغی نیابت
تحریص وہوائے ممنوعہ سے تھے صافی
مرحوم سے ملت کو رہی دینی ہدایت
اخلاص و صداقت کا مرقع تھے سراسر
اللہ کی جانب تھی سدا ان کی انابت
بیچین مکرم مرحوم کو دو سلامی !!
باصحن جناں جن کو ہے اعزازی اقامت !!

(بیچین راجپوری (بدایونی)

مکتوبات حکیم اہلسنت

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد فضل الرحمٰن بن حضرت ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمت کے نام

۷۸۶

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

سیدی ومولائی حضرت صاحب زادہ صاحب زید مجدکم

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ...... مزاج شریف

خیریت جانشین نیک نصیب باد بعد ادب التماس ہے کہ حامل رقعہ ہذا محترم محمد نعیم طاہر صاحب ایڈیٹر کنزالایمان اور بانی کنزالایمان سوسائٹی لاہور حاضر خدمت ہیں یہ نوجوان اہل سنت کے مسلک کے زبردست مؤید وخادم ہیں انکے لیے خصوصی دعا فرمائیں ان کو باادب اور مقبول حاضری بارگاہ سرکار ابد قرار ﷺ نصیب ہو۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

والسلام مع الاحترام

محمد موسیٰ عفی عنہ

دور افتادہ

۸ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

بقیۃ السلف حضرت سید امیر شاہ صاحب گیلانی مدیر اعلیٰ ماہنامہ الحسن پشاور کے نام

حضرت قبلہ سید صاحب زید مجدکم

سلام مسنون!

حامل رقعہ ہذا محمد نعیم طاہر صاحب اہل سنت کے سپاہی ہیں۔ ان کی سرپرستی کیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

وسلام مع احترام

محمد موسیٰ عفی عنہ

لاہور

08-09-96

محمد نعیم طاہر رضوی۔ چیف ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان لاہور کے نام

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

۵۵ ریلوے روڈ لاہور

سلام مسنون

کنز الایمان کا شمارہ تازہ کے بیس نسخے میرے پاس پہنچادیں اور رقم وصول کریں

محمد موسیٰ عفی عنہ

11-5-98

ماہنامہ کنز الایمان لاہور کے تحریک پاکستان نمبر کی تقریب رونمائی کے موقع پر

محمد نعیم طاہر رضوی صاحب بانی وصدر کنز الایمان سوسائٹی لاہور کے نام

محترم جناب نعیم طاہر صاحب زید لطف

سلام مسنون:۔

احقر کی طبیعت ناساز ہے۔ ہر دس منٹ کے بعد پیشاب کی حاجت ہو جاتی ہے لہذا معذرت خواہ ہوں۔ پانچ سو روپے بھیج رہا ہوں۔ جو مشائخ کرام کی ارواح کی نذر ہیں قبول ہو۔

والسلام محمد موسیٰ عفی عنہ

15/1/96

اداریہ

منافقت کا دشمن .... حکیم محمد موسیٰ امرتسری

ایک شخص جس کی انگلیوں کی پوریں، لوگوں کی نبض میں چھپے امراض کو بھی تلاش کر لیتی تھیں اور تسبیح کے دانوں پر اپنے رب کریم کی رحمتوں کو بھی ٹٹولتی رہتی تھیں۔ جس کے علم اور تجربے نے صحت کے ضرورت مندوں کو تندرستی کی نعمت سے بھی فیض یاب کیا اور علم و دانش کے متلاشیوں کی رہنمائی کے ذریعے منزل مقصود تک رسائی کو ان کے لیے آسان کر دیا۔

جس کی زبان سے تو شاید محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بھی نہ نکلی ہو، مگر اس کے ہر موئے بدن سے یہ جذبہ یوں مترشح ہوتا رہا کہ ہر دیکھنے والے نے دیکھا' قوت سامعہ سے بہرہ ور اشخاص نے سنا، قوت شامہ رکھنے والوں نے اسے سونگھا اور دل والوں نے پوری شدت سے محسوس کیا۔

اس کے پاس علم و دانش کے پہاڑ بھی چل کر آتے تھے اور کچھ حاصل ہی کر کے جاتے تھے۔ ضرورت مند اس کی معاونت اور سخاوت سے متمتع ہوتے تھے۔ علالتوں سے آشنا لوگوں نے اس کے حد درجہ سستے علاج کے ذریعے صحت و تندرستی سے تعلق پیدا بھی کیا اور مضبوط بھی رکھا۔

حاجت مندوں سے اس کا تعلق خفیہ تھا۔ بیماروں کی صحت مندی کے بعد اس کا ذکر، اس کی پبلسٹی اس کے مذہب میں حرام تھی مگر تحقیق و تفحص کے راہ نوردوں کی مدد وہ کھلے عام کرتا تھا، کرتا رہا۔

اس نے پڑھے لکھوں کے ہاتھ میں قلم تھمائے، لکھنے پڑھنے والوں کی سمت راست کی، محققین کو راہیں سجھائیں۔ متلاشیانِ کتب کی مدد کے لیے وہ وہ کچھ کیا، جو کوئی نہیں کرتا۔

کتب بینی اس کا معمول تھا، تحقیق اس کی گزرگاہ تھی، تاریخ

اس کا موضوع تھا، علم اس کا اوڑھنا بچھونا تھا اور ژرف نگاہی اس کا تخصص تھا۔ وہ تصوف کی تنگنائیوں اور گھاٹیوں کا آشنا تھا۔ اسرار دانائی اور رموز حکمت اس پر وا تھے طبابت سے اس کا شغف موروثی تھا۔ تاریخ گوئی میں اسے یدطولیٰ حاصل تھا۔ صحافت کی تاریخ اسے ازبر تھی۔ بے اصولی کی سیاست اور بے پیندے کے لوٹوں کی اصلیت اس پر روشن تھی اور وہ اپنے ملنے والوں کو سیاست و حکومت کے رازہائے سربستہ سے قبل از وقت آگاہ کرتا رہتا تھا۔ مذہبیات پر اس کی گہری نظر تھی۔ وقت نے اس پر جبہ و دستار کی حقیقت کھول دی تھی۔ علمی بے بضاعتی کے حامل " علامے " اور گفتار و کردار کی دو عملی کے شکار "مولوی" اس کی تیغ زبان سے کبھی نہ بچے۔

وہ منافقت کا دشمن تھا۔ صداقت اور حق گوئی اس کا شعار رہا۔ اصلاحِ قوم، تنظیم ملت اور استحکام ملک اس کی سوچوں اور کاوشوں کا محور رہا۔

اس نے علم و تحقیق کے طالب علموں کو کسی ملک، مذہب، مسلک، گروہ یا تنظیم کے حوالے سے نہیں دیکھا۔ ہر ایک کی ہر طرح مدد کی لوگوں کے لیے اس تناظر میں تشویق و تحریک کے سامان کیے۔ کتابیں، مقالات، مضامین، رسالے، کتابچے فراہم کیے، خرید خرید کر دیے۔ ان کی یوں رہنمائی کی کیا کوئی اچھے سے اچھا استاد کر سکتا ہے۔ ان کی یوں سرپرستی کی کہ شاید ان کے والدین بھی نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی یوں مدد کی کہ وہ خود اپنی مدد اس طرح نہ کر سکتے تھے۔

اس نے اہل سنت و جماعت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجلد کرنے اور مختلف حوالوں سے آگے بڑھانے کے راستے ڈھونڈے، کاوشیں کیں، پاپڑ بیلے، مصائب جھیلے، انجمن طلباء اسلام کو اشیر باد دی۔ انجمن اساتذہ پاکستان کے اجرا میں مدد دی، پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کو بنایا، اٹھایا، متحرک کیا، چلایا۔

مرکزی مجلس رضا کا قیام اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نابغہ ہستی اور عبقری شخصیت کو اس شخص نے دنیا بھر میں متعارف کروایا اور یہ تعارف علم و دانش کے حوالے سے تھا ، ان تمام علوم کی بنیاد پر تھا جن میں اعلیٰ حضرت منتہیانہ شان رکھتے تھے۔

مرکزی مجلس رضا کے لیے اس نے اپنا سب کچھ لگا دیا۔ اپنا سارا وقت، اپنی سب صلاحیتیں، فکر کے تمام زاویے، کارکردگی کی ساری صورتیں ، تشویق کی سبھی جہتیں، اپنی ساری کمائی اس نے برصغیر کی عظیم ترین ہستی کی شناخت متعین کرنے میں صرف کر دی۔

اور پھر مرکزی مجلس رضا کو کسی کی نظر کھا گئی۔ اس فلک بوس عمارت کو نقب زنوں نے تاڑ لیا۔ ڈاکوؤں کی بن آئی۔ کچھ " علما" کی نگرانی میں ایک " جاہل اور بے ایمان مولوی" مرکزی مجلس رضا کی رقم ڈکار گیا۔ مجلس کے صدر نے منہ میں گھنگھنیاں ڈال لیں۔ مجلس کے بانی اور سرپرست نے اپنا سب کچھ گنوا کر جس پودے کو تناور درخت کی صورت میں روشنی کا منبع بنا دیا تھا، ظلمت کے پرستاروں نے اس کو زمیں بوس کردیا۔ تو حکیم محمد موسیٰ امرتسری ڈھے گیا۔

پھر کچھ لوگوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ السامی کے نامِ نامی کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی راہ اختیار کر لی، اور کچھ دانش مندوں نے حکیم صاحب کے نام ہی کو کیش کروانے کی فکر کا پلا تھام لیا۔ ان کا کوئی مرید نہ تھا ، کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے ہیں۔ علم سے بے بہرہ لوگ اس صاحب علم شخصیت کی جانشینی کے زعم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ جن کا طبابت سے برائے نام بھی تعلق نہ تھا، وہ " حکیم" ہو گئے ہیں۔

جو لوگ مختلف اداروں کی مفت تقسیم کی جانے والی کتابیں حاصل کر کے، اپنے مکتبے پر فروخت کرنے میں نامور رہے (ماہنامہ " القول السدید" لاہور ستمبر ۱۹۹۰/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ) اور ۱۹۷۳

مرکزی مجلس رضا کی شائع کردہ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد کی کتاب بھی مفت تقسیم کرنے کے بجائے دس دس روپے میں فروخت کرنے میں مشہور ہوئے، وہ اب مرکزی مجلس رضا پر قابض ہیں۔ درود پاک کے موضوع پر انڈیا کی چھپی ہوئی کتاب کو پاکستان میں چھاپنے اور مفت تقسیم کرنے کے لیے کسی مخیر نے رقم فراہم کی تو یہ ''لوگ'' تیس تیس روپے میں، کھلے بندوں یہ کتاب بیچتے رہے۔

مرکزی مجلس رضا کے ''مرحوم'' ہونے کے بعد یہی لوگ مجلس کے کرتا دھرتا بن بیٹھے ہیں۔ سرپرست، نگران، صدر، ناظم، خزانچی سب کچھ ایک ہی فرد۔ اور اب مجلس کو تجارتی بنیادوں پر، کاروباری طریقے سے، دنیوی منافع سے چلایا جا رہا ہے۔

جب سے مجلس پر یہ قبضہ، غاصبانہ ہوا ہے، کبھی ''یوم رضا'' نہیں منایا گیا۔ حالانکہ یہ سالانہ جلسہ مجلس کا تشخص تھا۔ امسال کسی صاحب نے یہ تقریب منعقد کرنے کے لیے رقم بھیجی تو مارچ اپریل ۲۰۰۰ کے شمارے میں یہ اعلان تو شائع کیا گیا کہ ''یوم رضا منانے والوں کے لیے مرکزی مجلس رضا ان اداروں کو مالی امداد دینے کا پروگرام مرتب کر رہی ہے۔ جو ادارے اس سال ''یوم رضا'' منانا چاہیں، رابطہ کریں'' لیکن جن تنظیموں نے رابطہ کیا، انہیں کورا جواب دے دیا گیا۔

آج کی ''مرکزی مجلس رضا'' نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر ایک خصوصی نمبر بھی شائع کیا ہے، جس کے لیے بہت کچھ کیا گیا۔ ''نوائے وقت'' میں خبر چھپوا دی گئی کہ نمبر چھپ گیا ہے اور مفت تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس خبر کی اشاعت، کے ایک عرصے بعد نمبر چھپا جس پر لکھا گیا ''اہل ذوق حضرات ۱۵ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں'' ہزاروں روپوں کے ٹکٹ وصول کر لینے کے بعد بھی، رمضان المبارک کے اختتام تک تو کسی کو نہیں بھیجا گیا تھا۔ اس خصوصی نمبر میں مرکزی مجلس رضا کی نئی تاریخ بنانے کی بھونڈی کوشش بھی کی گئی جو لوگ مجلس کے قیام کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے، انہیں ہیرو بنانے اور

جنھوں نے مجلس کے لیے خون پسینہ ایک کیا تھا۔ ان کے کردار کو چھپانے کی سعی تاریخ کے ساتھ مذاق کی حیثیت رکھتی ہے۔

دس سال کے عرصہ میں ماہنامہ کنزا لایمان کویہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے درج ذیل خصوصی شمارے شائع ہوئے۔

۱. تحریک خلافت و ترک موالات نمبر ۲. تحریک پاکستان نمبر
۳. پروفیسر ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید نمبر ٤. ختم نبوت نمبر ٥. قائد اعظم نمبر
٦. حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نمبر ۷. چوہدری حمایت علی شہید نمبر

اعلان تو یہ تھا کہ دسمبر میں انٹرنیشنل سنی ڈائریکٹری نمبر شائع ہوگا، لیکن حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی برسی کی مناسبت سے نومبر دسمبر ۲۰۰۰ کا مشترکہ شمارہ'' حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر''پیش خدمت ہے۔

ایک بار پھر قارئین کو انتظار کی زحمت ہو رہی ہے ان شاء اللہ جنوری اور فروری کا مشترکہ شمارہ مارچ ۲۰۰۱ میں'' انٹرنیشنل سنی ڈائریکٹری نمبر'' ہوگا۔

ہم ابو الطاہر فدا حسین فدا کے اخلاص کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنھوں نے حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم کے موقع پر ماہنامہ'' مہرو ماہ'' لاہور کا ایک فقیدالمثال شیوع'' یادگار موسیٰ'' شائع کیا۔ ان شاء اللہ العزیز ہماری زیر نظر کاوش اس سلسلے کی دوسری مخلصانہ کوشش ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اخلاص عمل کی توفیق عطا فرمائے

عہد حاضر کے عظیم محقق، نامور سکالر اور بے مثال طبیب

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

مختار جاوید منہاس

مدیر ماہنامہ "حسن عمل" لاہور

کوئی ربع صدی پیشتر کی بات ہوگی کہ مجی جناب ظہور الدین خان نے "مجلس رضا" لاہور کے نام اور کام سے متعارف کرایا۔ انہی کی زبانی مجلس کے بانی و سرپرست جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا غائبانہ تعارف ہوا۔ مجلس کی گرانقدر مطبوعات کے مطالعہ اور ظہور الدین خان صاحب کی باتوں نے حکیم صاحب کی زیارت کا اشتیاق دو چند کر دیا۔ تا آنکہ سردیوں کی ایک سہ پہر ان کے مطب واقع ریلوے روڈ، لاہور حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

میرے ذہن میں ایک عام مورخ، محقق اور طبیب کی جو شکل و صورت، طمطراق اور رعب و دبدبہ کی تصویر سی بن رہی تھی وہ حکیم صاحب مرحوم و مغفور کو اپنے سامنے پا کر بالکل چکنا چور ہو گئی۔ انتہائی سادہ لباس...... شلوار قمیض معمولی سا سویٹر سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی اور پاؤں میں ہوائی چپل...... معمولی قد و قامت گھٹا ہوا جسم سانولی رنگت اور مسکراتا ہوا بے ریا چہرہ۔ میں بہت دیر تک تصویر حیرت بنا اس درویش منش شخص کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ جو اپنی ذات میں ایک انجمن اور تحریک تھا اور جس نے بہت سے خفتہ نصیبوں کو بیدار کر کے انہیں تحریک عشق مصطفیٰ ﷺ کا فعال کارکن بنا دیا تھا۔

تعارف ہوا تو حکیم صاحب نے اٹھ کر گلے لگا لیا۔ بہت سے لوگ مطب پر موجود تھے۔ جن میں جسمانی مریض شاید کم ہی تھے۔ کچھ بزرگ صورت حضرات بھی تھے۔ مجھے اب صرف میاں جمیل احمد شرقپوری کا نام ہی یاد رہ گیا ہے۔ حکیم صاحب نے اپنے دست مبارک سے چائے کا کپ عنایت کیا۔ جتنی دیر وہاں بیٹھنے کا موقع ملا علم و عرفان کا سمندر طلاطم خیز رہا اور میں کیا سبھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق سیر ہوتے رہے۔

یہ تو تھی پہلی ملاقات کی روداد اس کے بعد گو کم کم ہی مواقع میسر آئے لیکن جب بھی حاضری نصیب ہوئی، حکیم صاحب کی محبت و شفقت کو فزوں تر پایا۔ مجلس رضا کے زیر اہتمام علمی و تحقیقی کام کے فروغ کیلئے ان کی مساعی کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

اہل قلم کو اس کار خیر کیلئے آمادہ کرنا۔ حوالوں اور راہنمائی کیلئے مواد کی فراہمی، تکمیل کار تک مسلسل رابطہ مالی وسائل مہیا کرنے کیلئے تگ و دو، کتب و مقالہ جات کی بہترین طباعت کو یقینی بنانا اور پھر انہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا، ایک منظم، مربوط اور باوسائل ادارے کا کام، کیا کوئی تنہا شخص انجام دے سکتا ہے؟...... اس سوال کا مجسم جواب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم و مغفور کی ذات تھی۔

قحط الرجال کے اس دور میں کہ کسی ایک شعبہ میں مہارت تامہ کے حامل لوگ ڈھونڈے نہیں ملتے۔ یہ الگ بات کہ درس نظامی کی چند ابتدائی کتب پڑھ لینے والے بعض نام نہاد علمائے کرام کی انا کی تسکین اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ ان کے نام کے ساتھ علامہ کا لاحقہ استعمال نہ کیا جائے۔ ایسے میں ایک شخص جو بیک وقت طبیب حاذق، عالم دین، مؤرخ، محقق، نقاد، مبصر، مقرر، دانشور اور بہترین سکالر ہو مگر قلندرانہ شان کیساتھ اپنی دھن میں مگن خدا اور اس کے رسول برحق ﷺ کی خوشنودی کیلئے شب و روز مصروف ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ اس پر اپنے رب اور رسول رحمت ﷺ کا لطف خاص ہے۔

ایں　سعادت　بزور　بازو　نیست
تانہ　بخشد　خدائے　بخشندہ

حکیم صاحب کی ہمہ پہلو شخصیت کا احاطہ کسی ایک نشست میں کرنا ممکن نہیں ھے۔ اور مجھ جیسا ناکارہ شخص تو اس کام کا اہل بھی نہیں ھے۔ اگر ان کی قد آور شخصیت کے باقی تمام پہلو سامنے نہ بھی آئیں تو تنہا مرکزی مجلس رضا لاہور کا قیام اور اس کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کا بے مثال کام ہی ایسا ہے جو ان کو اپنے عہد کے علماء مشاہیر سے ممتاز کر دیتا ہے اور یقیناً ان کی بلندی درجات کا بھی سامان بنتا ھے۔

حکیم صاحب نے صرف لوگوں میں لکھنے کی تحریک ہی پیدا نہیں کی یا محض دوسروں کی راھنمائی اور دستگیری تک ہی محفوظ نہیں رہے۔ وہ اپنے منبع فیض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کے صحیح روحانی جانشین ھونے کا حق ادا کرتے ہوئے مقام مصطفےٰ علیٰ تحیۃ والثناء کے تحفظ کیلئے بدخواہوں اور بدزبانوں کے خلاف جو مکھی لڑتے رھے۔ تحقیق و جستجو ان کی طبیعت کا لازمہ تھی۔ علم و آگہی کے بکھرے موتیوں کو جمع کرنا تو گویا ان کے خون میں شامل تھا۔ آپ کے والد گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری (متوفی ۱۹۵۲ء) نے طب اور تصوف کے موضوعات پر کوئی چار ہزار سے زائد کتب امرتسر میں جمع کر رکھی تھیں۔ آپ کے برادر بزرگوار حکیم غلام قادر (متوفی ۱۹۷۵ء) نے مختلف موضوعات پر لگ بھگ بیس ہزار کتب سے اپنے ذاتی کتب خانے کو مزین کر رکھا تھا۔ یہ قیمتی اور نایاب کتب ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ضائع ہو گئیں۔

ہجرت کے بعد حکیم صاحب نے نادر و نایاب کتب کے جمع کرنے کا سلسلہ لاہور میں شروع کیا اور ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو ۵۳۷۵ کتب پر مشتمل یہ قیمتی ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کر دیا۔ جہاں یہ متاع بے بہا ذخیرہ "حکیم محمد موسیٰ" کے نام سے محفوظ ہے اور تشنگان علم کی پیاس بجھانے کے کام رہا ہے۔ حکیم صاحب نے زندگی کے آخری ایام تک اس ذخیرہ میں اضافے اور وسعت کیلئے اپنی مساعی جمیلہ جاری رکھیں اور جہاں سے بھی کوئی نسخہ میسر آتا یونیورسٹی کی لائبریری کو ہدیہ کر دیتے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۴ کے ایک خط میں سید جمیل احمد رضوی

ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور حکیم صاحب کو لکھتے ہیں "اب تک اس ذخیرے میں کل کتب کی تعداد اے ہزار پانچ سو ساٹھ کے قریب ھے...... ہم تہ دل سے ممنون ہیں کہ آپ اپنے ذخیرہ کتب کیلئے کتابیں بھجواتے رہتے ہیں۔ اس طرح اس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آپ کو جان کر خوشی ہوگی کہ تحقیق کرنے والے اساتذہ اور طلبہ اس ذخیرے سے استفادہ کرتے ہیں۔ دیگر محققین بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ذخیرہ کتب علم کا نور پھیلانے میں ممد ومعاون ثابت ہو رہا ہے۔ کتاب کی خوشبو پھیل رہی ھے اور پڑھنے والوں کے اذہان روشن ومعطر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

اس عظیم ذخیرہ کتب کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے ہی متفرع موضوعات بتاتے ہیں کہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر یکجا کرنے والے کی جستجو اور لگن کتنی ہمہ جہت اور بھرپور تھی۔ ایک سو سے زاید تحقیقی مقالات ان کے قلم سے نکلے اور ملک کے صف اول کے علمی وادبی رسائل میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کی۔ اس میں طبی، تاریخی، دینی، ادبی اور سیاسی ہر طرح کے موضاعات شامل ہیں۔ آپ کی تالیف کردہ پانچ کتابیں افکار جمیل، مولانا غلام محمد ترنم، ذکر مغفور، سوانح مولانا نور احمد پسروری اور تذکرہ مشاہیر امرتسر، آپ کے عمیق اور وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ منفرد اسلوب نگارش کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح لگ بھگ سو کے قریب ایسی مایہ ناز کتب ہیں جن کے مصنفین ومولفین نے حکیم صاحب سے پیش لفظ، تقاریظ، تعارف مولف، تعارف کتب یا مقدمات تحریر کرائے۔ یہ کتابیں بھی موضوعات کے اعتبار سے گوناگوں رنگ وآہنگ لئے ھوئے ہیں۔ جو ایک مرتبہ پھر حکیم صاحب کے علمی مقام ومرتبے کی شہادت دیتی نظر آتی ہیں۔

جن لوگوں کو کبھی حکیم صاحب ؒ کی مجلس میسر آئی وہ گواہی دیں گے کہ علم تاریخ اور تحقیق کا کوئی بھی موضوع ہو جب آپ اس پر گفتگو کرتے تو معلومات کا دریا امڈ پڑتا اور حسب ضرورت دلائل براہین کی چاشنی بھی شامل ہوتی مگر اس طرح کہ سامعین کو بوجھل نہ لگے اور معاملہ بھی نکھر کر سامنے آجائے اپنے آبائی شہر امرتسر کے متعلق معلومات کا ایسا خزانہ ان کو ازبر تھا کہ اس شہر پر علمی ' ادبی ' تاریخی اور سیاسی حوالوں سے تحقیقی کام کرنے والوں کیلئے ان کی ذات ایک کامل راھنما کی طرح تھی۔

ایک خاص خوبی حکیم صاحب ؒ کو اللہ تعالیٰ نے فن تاریخ گوئی کی عطا کی تھی۔ آج کہ فن کے جاننے والے عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ حکیم صاحب ؒ اس میدان میں ید طولیٰ رکھنے والوں میں شمار ھوتے تھے۔ وہ اس فن کی باریکیوں سے کماحقہ آشنا تھے۔

دینی علوم میں تصرف ایک ایسا موضوع ہے جس میں بہت ہی مشکل مقامات آتے ہیں۔ ان پر کچھ کہنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ھے۔ حکیم صاحب ؒ بفضل تعالیٰ اس کی حدود وقیود سے بخوبی آگاہ اور اس بحر کے ایک اچھے شناور تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس راہ میں بہت سے ملکی اور غیر ملکی سکالرز کی بھرپور راھنمائی

فرمائی۔

معروف امریکی سکالر آرتھو فرینک بوہلرن نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے پیش لفظ میں حکیم محمد موسیٰ کے شجر علمی اوران کی عالمانہ راھنمائی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ھے وہ لکھتے ہیں۔

"تصوف سے متعلق کون کون سی کتب لکھی گئی ہیں۔اور کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔اس مشکل کا حل پاکستان میں صرف ایک شخصیت حکیم صاحب (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) نے فرمایا جو کہ واقعی اس موضوع سے متعلق زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں۔حکیم صاحب نے ہی میرے اس تحقیقی کام میں سب سے زیادہ راھنمائی فرمائی۔زیادہ لوگوں کیلئے حکیم صاحب ایک صوفی ہیں جو کہ یونانی طریقہ سے علاج کرتے ہیں۔میں ھفتے میں ایک مرتبہ ان کے مطب پر ملنے کیلئے جاتا۔جہاں وہ فاضل سکالرز، مصنفین اور مطب کے اندر اور باہر بھرے ہوئے مسلسل مریضوں کے ہجوم میں بطور صدر موجود ہوتے۔

ان تینوں طرز کے افراد سے گفتگو کے دوران وہ نسخے بھی لکھتے جاتے اور مجھے لاہور شہر کے گردونواح میں حصول کتب کیلئے تقریباً دس مقامات بتا دیتے میں جب یہ کام مکمل کرلیتا تو انہیں رپورٹ دینے واپس جاتا اور وہ مجھے ایسا ہی ایک اور کام سونپ دیتے۔اگرچہ میں نے پہلے اپنی کم علمی کی وجہ سے اس طریقہ کار کو پسند نہ کیا (کیونکہ میں صرف حصول کتب ہی کے بارے میں سوچتا تھا) لیکن اس تلاش وجستجو میں ایسے مقامات پر بھی گیا۔

جہاں بصورت دیگر نہ جاتا۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مجھے وہ کتابیں تو نہ ملیں جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہاں ہوں گی، لیکن اس طرح میں نے پاکستانی تہذیب اور مذھب کے متعلق بہت کچھ جان لیا،" وہ اکثر پنجابی زبان میں علمی اور ادبی مسائل پر گفتگو کرتے۔زبان ولہجہ شاید زیادہ اھم نہیں۔سچی بات یہ ھے کہ جس استدلال، جذبے اور خلوص سے الجھی ہوئی گتھی کو وہ سلجھاتے، وہ بس انہی کا حصہ تھا۔ان کا انداز بیان سادہ، پرمغز، مدلل اور مختصر ہوتا۔ان سے بات کرنے والا ان کی سادہ طبعی، صاف گوئی بے باکی اور کھرے پن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ان کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ ان کے دل اور ضمیر کی آواز ہوتا اور حکیمانہ بصیرت کی کان سے برآمد ہونے والے یہ جواہر بے بہا سامعین کو مالا مال کر دیتے

طب یونانی ان کا آبائی پیشہ تھا جس میں اللہ کے فضل سے وہ ایک خاص مقام رکھتے تھے۔چاھتے تو اس راہ سے زروسیم جمع کرنے کے بہت سے مواقع تھے۔لیکن دل کے غنی اور قناعت کی دولت سے مالا مال حکیم محمد موسیٰ نے طبابت کو بھی خدمت خلق اور نجات اخروی کا ہی ذریعہ بنایا اور اکثر وبیشتر ضرورت مند مریضوں سے دوا کی لاگت بھی وصول نہ کی۔بلکہ کئی لوگوں کی مالی امداد بھی کی مگر کامل خاموشی کے ساتھ۔

ھمارے ایک دوست محمد اسلم قریشی کے والد گرامی کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ایلوپیتھی

علاج چل رہا تھا۔ کسی نے راہنمائی کی کہ اسلام پورہ (کرشن نگر) میں ایک بزرگ ماہر نباض جناب حکیم محمد حنیف سے مشورہ کیا جائے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دوا کی تیاری کیلئے اصلی صندل کی لکڑی کا برادہ فراہم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی کہ اصلی صندل کی لکڑی کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف ھے۔ بازار میں نری جعل سازی کا دھندہ ہے اور یوں دوا صحیح تیار نہ ہو سکے گی۔ لاہور سے جو لکڑی بھی صندل کے نام پر لا کر دکھائی وہ انہوں نے ٹھکرا دی۔ قریشی صاحب نے خدا جانے کس طرح میسور (بھارت) سے صندل کی لکڑی منگوائی جس پر باقاعدہ ریاست میسور کی سرکاری مہر ثبت تھی۔ مگر حکیم صاحب نے اسے بھی اصلی ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کے سلگانے سے جو مہک اور خوشبو اٹھتی ھے، اس کی زندگی بہت طویل ہوتی ھے۔ جبکہ ہماری منگوائی ہوئی لکڑی اس معیار پر پوری نہیں اتر رہی تھی۔

ہم نے یہ معاملہ حکیم محمد موسیٰ صاحب کے سامنے رکھا۔ آپ نے کہا حکیم محمد حنیف صاحب ہمارے بڑے ہیں۔ ہم ان کی بات کو رد کرنے کی ھمت نہیں رکھتے۔ لیکن ایک بات آپ لوگوں کی اطلاع کیلئے کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ طب یونانی کی قدیم کتابوں میں چیزوں کے جو خواص درج ہیں انہیں اتنا زمانہ بیت جانے کے بعد من و عن پیمانے پر پرکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آب وہوا فضا، حتیٰ کہ زمین کی تاثیر تک وقت کے ہاتھوں تبدیل ہو چکی ہے۔ قدرتی طور پر پودوں، درختوں اور جڑی بوٹیوں پر بھی اس کا کچھ اثر تو ہوگا۔ پھر آپ نے پھلوں، پھولوں اور سبزیوں وغیرہ کی کچھ مثالیں بھی دیں۔ گویا حکیم صاحبؒ طب یونانی میں جدید ترین تحقیق کے زبردست حامی تھے اور لکیر کے فقیر بنے رہنے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

تحقیق اور جستجو کا یہ پیکر مجسم بدلتی حقیقتوں اور ان کے تقاضوں کو خوب سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ خانقاہی نظام کے وارث بھی علوم جدید سے مستفید ہوں اور ان کی روشنی سے اپنے طلبہ کو بھی منور کریں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دین کے بنیادی فلسفہ توحید خالص اور اتباع ومحبت رسول ﷺ کو ذرہ برابر ٹھیس نہ پہنچے۔ اس کیلئے ان کے سامنے نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین، اولیائے کرام، اور عصر حاضر کے مجدد مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات تھی۔ جن کے چشم فیض سے لوگوں کو سیراب کرنے کیلئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی اور تادم واپسیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اگست 1927ء کو چشتی گھرانے میں آنکھ کھولنے والے اس امرتسری بچے نے عنوان شباب میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان کو بنتے دیکھا یہ نوجوان تحریک پاکستان میں پیش پیش رہا اور پھر زندگی بھر پاکستان کے ساتھ عشق کرتا رہا۔ ذرائع ابلاغ پر قبضہ کی بدولت تاریخ کو مسخ کرنیکی ہر کوشش پر اس کا خون کھول اٹھتا۔ وہ بھلا کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ جن لوگوں کو اس نے بچشم خود کانگریس کی گود میں ھمکتے دیکھا ہے' انہیں پاکستان بنانے والوں میں شامل کر کے ھیرو بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے تاریخ میں ملاوٹ اور بددیانتی کی ایسی ہر کوشش سے بھڑ جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا اپنا قلم ہی نہیں اٹھا بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی جعل سازی کا یہ

پردہ چاک کرنے پر آمادہ کیا۔ اور یوں تاریخ کا حلیہ بگاڑنے کی وارداتوں کا مناسب توڑ کیا گیا۔ ورنہ شاہد لوگوں کے سامنے تصویر کا وہی غلط رخ ہی رہتا جو ذرائع ابلاغ پر قابض لوگ دکھانا چاہتے تھے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری 72 سال کی عمر میں بھی بھرپور جدوجہد کی زندگی گزار رہے تھے۔ باوسائل مخالفین اور بعض عاقبت نااندیش اپنوں کی ریشہ دوانیوں سے بے نیاز اپنی درویشی کا بھرم قائم رکھتے ہوئے مقصد سے سچی لگن کو کبھی آنچ نہ آنے دی۔ حتیٰ کہ زندگی کے آخری روز 17 نومبر 1999 کو بھی اپنے معمولات اسی طرح انجام دیئے۔ مطب تشریف لائے، مریضوں کیلئے نسخے تجویز کئے۔ دوائیں دیں، ملاقاتیوں کو قیمتی مشوروں سے نوازا اور دوپہر کے قریب رکشا میں گھر روانہ ہوگئے۔ گھر پہنچ کر تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر یہ آرام ابدی آرام میں تبدیل ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک بہت بڑا آدمی، سچا مسلمان، پکا پاکستانی، رسول ﷺ کا عاشق صادق، خاندان چشت کا گل سرسبد اور بستان رضا کا بلبل ہزار داستان ہمیشہ کے لیے خاموش ہو کر حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر آسودہ خاک ہو گیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

قطعہ

تاریخ میں نہیں ہے ہرگز نظیر اُس کی
اک نعمتِ خدا تھا کہ موسیٰ کہیں جسے
اپنی مثال آپ تھا مہجور وہ جہاں میں
"ایسا کہاں سے لائیں کہ اُس سا کہیں جسے"

نتیجہ فکر سید عارف محمود مہجور رضوی گجرات

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

قدیم خوابوں کی زندہ تعبیر

از خواجہ رضی حیدر ڈپٹی ڈائریکٹر قائد اعظم اکیڈمی کراچی

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو میں نے پہلی مرتبہ 'نقوش' کے آپ بیتی نمبر میں 'داتا' کے حوالے سے پڑھا تھا۔ مگر اس وقت دل و دماغ کی زنگ آلود فضا میں 'داتا' کا مقدس وجود کوئی خاص معنی نہیں رکھتا تھا۔ دنیاوی وسیلوں کی تلاش نے روحانی وسیلوں کی سچائی کو کسی حد تک نگل لیا تھا۔ ایسے میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے لئے میرے اعتقادات میں کیا گنجائش ہوتی...... سو روحانی زوال کی نمائش گاہ میں 'داتا' اور 'اُن داتا' دونوں پس منظر میں چلے گئے۔

میرا سفر طویل بھی تھا اور عجلت طلب بھی...... چنانچہ زادِ سفر کی کمیابی میرا مقدر قرار پائی۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ مگر ایک نادیدہ زنجیر ہمسائیگی ہر قدم ساتھ تھی۔ چنانچہ ایک مدت بعد جب میں نے اداس اور سنسان ساعتوں کے موڑ سے پلٹ کر دیکھا تو دور و نزدیک نقشِ کفِ پا بکھرے ہوئے تھے...... واپسی کے تمام راستے محدود اور مسدود دکھائی دیئے ہر نقشِ کفِ پا خواہشوں کا بے گور و کفن لاشہ نظر آئے لگا۔ دل و نگاہ کی بے بصیرتی عام ہوئی۔ نا آشنا منزلوں کی سمت جانے والے کارواں کے ناقوس خاموش ہوئے۔ تو پھر خیال آیا کہ ابھی ایک راستہ گھر کا باقی ہے جس کے آنگن میں ایک بوڑھا شجر اپنی گدلائی ہوئی آنکھوں میں چراغ انتظار لئے کھڑا ہے...... مگر اچانک یہ خیال کیسے آ گیا۔ سرکش نفس نے پوچھا...... نہاں خانہ دل میں کون ہے...... مہیب خاموشی میں نفس جواب سے محروم رہا لیکن مکان کے اندر قدموں کی تیز چاپ بڑھتی ہی چلی گئی۔

قدموں کی ایسی تیز چاپ کی ہمراہی میں پھر...... ایک دن میرے قدم ۵۵ ریلوے روڈ لاہور پر واقع ایک کشادہ مگر قدرے تاریک مطب کے سامنے رک گئے۔ مولانا عبدالحکیم مشرف قادری نے متین لب ولہجہ میں سہارا دیا: اندر چلئے خواجہ صاحب' اور میں چشم زدن میں ایک بزرگ اور معرفتِ مصطفویﷺ سے لبریز سینے سے لگ گیا۔ روح نے تمام تر طمانیت کے ساتھ درود پڑھنا شروع کیا اور دیدہ گریاں نے ماحول کو دھندلا کر دیا۔ ایک پُر شفقت ہاتھ کی انگلیاں میرے بالوں میں رقص کرنے لگیں۔ پھر اس کے بعد نہ میں تھا اور نہ میرا سایہ تھا...... میں دیر تک اس عالم کن فیکون میں کھڑا رہا...... اس انتہائے قرب نے میرے رگ و پے میں ٹھنڈے، میٹھے اور مطہر احساس کی لہروں کے در کھول دیئے۔ ایک عجیب سی سرمستی پورے وجود میں سرائیت کر گئی۔ ایمان کی حرارت نے قلب حزیں کو ڈھارس دی۔ پھر بوڑھے ہاتھوں نے ایک لحہ کو مجھے اپنے سینے سے جدا کیا۔ غلافی پلکوں

کے بیچ ٹھ...ہری ہوئی کنول جیسی آنکھوں نے میرے چہرے کی سمت دیکھا----- جیسے کہ رہی ہو کچھ دور ہو کہ دیکھ سکوں ...تیرا بانکپن ......مگر میں خاموش کھڑا رہا...... البتہ میں نے آنکھوں کے گرم بوسے اپنے غم آلود عارضوں پر محسوس کئے اور پھر میں نے بجلی کی پھرتی سے بوڑھے بازوں کی آغوش میں پناہ لے لی۔

حکیم محمد موسیٰ سے یہ میری پہلی جسمانی ملاقات تھی۔ ان سے روحانی ملاقات کب ہوئی...... یہ سوال چھ سال گذرنے کے باوجود آج بھی تشنہ ہے۔ کیونکہ اس عرصہ قحط الرجال مین ہر خواب کی تعبیر ایک قدیم خواب کا پس منظر لئے جلوہ گر ہوتی ہے۔ میں فطری طور پر خواب پرست واقع ہوا ہوں۔ ہر چہرے کے خدوخال میں اپنے خواب کی تعبیر تلاش کرنا اور پھر اس تعبیر سے ایک نیا خواب بن لینا میری فطرت ثانیہ بن گئی ہے چنانچہ زندگی خواب درخواب تعبیر کی بھیک مانگتی دکھائی دیتی ہے...... حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی میرے لئے ایک تازہ خواب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک ایسا خواب جس کی پنہائیوں میں میرے کئی قدیم خواب آسودہ خواب ہیں۔ روز و شب شجرۂ نسب کا وظیفہ پڑھنے والوں کا المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے حصار سے بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ ان کے پندار کی بنیادیں اتنی مستحکم ہوتی ہیں کہ اگر اس پندار کو کبھی توڑنا چاہیں بھی تو ان کی ہمت لہو ہو جاتی ہے۔ میں دراصل اس المیہ کا شکار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پندار سے ذرا کم ہی باہر کی طرف جھانک کر دیکھتا ہوں۔ اور کبھی آنکھیں کسی سے دوچار ہو جاتی ہیں تو پھر وہی خواب اور تعبیر کا ایک لامتناہی سلسلہ جزو بصارت ہو جاتا ہے...... میں نے اس دن حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو بھی اپنے حصار اور پندار سے باہر نکل کر دیکھا تھا اور آج تک آنکھوں میں خواہشِ تعبیر لئے کنارِ راوی سے غلغلہ فتح وظفر کا منتظر ہوں۔

کنارِ راوی اولیائے کرام محوِ آرام ہیں...... داتا گنج بخش ہجویری۔ حضرت میاں میر۔ شاہ محمد غوث مولانا نبی بخش حلوائی۔ مولانا غلام دستگیر قصوری اور حضرت دیدار علی شاہ محدث الوری تک ،سب کا فیض اس سر زمین پر جاری ہے۔ میں نے پہلی بار جب اس سرزمین پر قدم رکھا تو پاپوش کی ضرورت قلب کی ندامت میں تبدیل ہوگئی۔ حیات بعد الممات اور سماع موتی کو جزو ایمان تصور کرنے والا میرے نطق کی صداقت پر گواہی دے گا اور کہے گا کہ...... یہ زمین مرقد رہی ہوگی یہاں آہستہ چل۔ وادی گل کے مسافر اس حقیقت سے تمام تر نا آشنا رہتے ہیں اور جسم کو مٹی کا رزق تصور کر کے سنیہ کائنات پر قدم جمانے کی کوشش میں اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں لیکن ان کے قول وفعل میں ایک ایسی کمی واقع ہو جاتی ہے جو ان کے ایمان میں بھی خلل پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا خلل جس پر دماغ کے خلل کا گمان ہوتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس مٹی (لاہور) پر توازن کے نقیب اور تعلق کے امین ہیں۔ نہ صرف اس مٹی پر بلکہ ان کے کشش ثقل کی زد میں پورا برصغیر ہے۔ توازن وہ جو توحید و رسالت کے مابین نص قرآنی سے ثابت ہے اور تعلق وہ جو ایک محب کو محبوب سے ہوتا ہے...... میں عقائد کی سخت گیری کو روح کی حلاوت

کے لئے موت تصور کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود "باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار کا قائل ہوں...... میری طبیعت میں موجود اسی توازن نے مجھے حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے قربت کی سعادت فراہم کی...... حکیم محمد موسیٰ اپنے قول و فعل کی صداقت کے ساتھ غالی حنفی اور فی زمانہ شاید مسلک اہل سنت کے سب سے بڑے داعی اور ہمدرد ہیں۔ انہوں نے اغیار کی ریشہ دوانیوں اور رقیبانہ روش کی یلغار میں حق کو عام کرنے کی سنت اسلاف کا اعادہ کیا ہے۔ اور اعادہ بھی اس طرح کہ لذت دنیاوی میں گرفتار اور مصلحت بین حلیفوں سے بھی دامن کو بچایا اور حریفوں کی جانب سے راہ میں بچھائے جانے والے کانٹے بھی صاف کیئے...... ان کی جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء اہلسنت کے موقف کو عام کیا جائے۔ تاریخ کے چہرے پر سے گرد و غبار کو صاف کر کے اسے حقائق کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ وہ افراد جنہوں نے خلوص نیت سے اور بغیر کسی وقتی مصلحت کے حق، کا ساتھ دیا تاریخ کا حصہ بن سکیں۔ اصل ماخذات کی روشنی میں مسخ شدہ تاریخ کو از سر نو مرتب کیا جائے...... نہ صرف یہ بلکہ حکیم محمد موسیٰ نے دین میں پیوندکاری کی رسم کا قلع قمع کرنے کی جانب بھی بھرپور توجہ دی...... وہ سنت اسلاف کی روشنی میں مقام مصطفےٰ ﷺ کے تحفظ کو ہمیشہ مقدم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے، جن افراد سے علماء اہل سنت خصوصاً فاضل بریلوی کی صلح نہیں ہوئی ان سے حکیم محمد موسیٰ بھی کسی قسم کی صلح پر آمادہ نہیں...... وہ اصولوں پر سودا کرنا کفر کے مترادف سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا اگر کسی سے اختلاف ہے تو وہ صرف اللہ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے لئے ہے...... پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو گروہ اپنے اعمال اور تحریروں کی روشنی میں شاتم رسول قرار پاچکا ہو اس سے حکیم محمد موسیٰ کی مصالحت ہو جائے۔

حکیم محمد موسیٰ نے اپنی موجودہ جدوجہد کا آغاز آج سے پچیس سال قبل ایسے حالات میں کیا تھا جب صحیح العقیدہ مسلمان روش زمانہ سے تنگ آ کر یہ سوچنے لگے تھے کہ اب ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہا اور ان کو تمام زندگی اغیار کے رحم و کرم پر گزارنا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلک اہلسنت کے کچھ موقع پرست علمبرداروں نے بھی ذاتی مفادات اور وقتی مصلحتوں کا شکار ہو کر اندرخانہ اغیار سے ساز باز شروع کر دی تھی اور عوامی سطح پر یہ تاثر دیا جانے لگا تھا کہ چند ضدی علماء نے معمولی نوعیت کے فروعی اختلافات کو وجہ نزاع بنا کر سوادِ اعظم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، جس سے من حیث المجموع اسلام کے 'کاز' کو نقصان پہنچ رہا ہے...... حکیم محمد موسیٰ نے اس دام ہمرنگ زمین کی حقیقت کو بہت جلد پالیا اور واضح طور پر اعلان کیا کہ سوادِ اعظم صرف وہی طبقہ ہے جو مقام مصطفےٰ ﷺ کی پاسداری میں چودہ سو سال سے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہے۔ جو عشق رسول ﷺ میں سرشار ہے...... جو حیات النبیؐ کا قائل ہے۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو افضل الانبیاء اور افضل البشر تسلیم کرتا ہے اور دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ شانِ رسول ﷺ میں اگر کہیں گستاخی کا سایہ بھی موجود ہے تو وہاں کفر لازم آتا ہے......

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا یہ اعلان جہاں اغیار کے لئے تازیانہ ثابت ہوا، وہاں اس نے صحیح العقیدہ سنی حنفی مسلمانوں میں سرمدی روح پھونک دی۔ انہوں نے تمام تر نتائج سے بے پرواہ ہوکر حکیم محمد موسیٰ کے اعلان پر لبیک کیا اور 'مجلسِ رضا' کے پرچم تلے جمع ہو گئے...... پھر وہ رن پڑا کے اغبار کے جبہ و دستار کی قلعی کھل گئی۔ اور آج بحمد اللہ حکیم محمد موسیٰ کی بوڑھی آنکھیں نہ صرف کنارِ راوی بلکہ پورے برصغیر میں پرچم مسلک اہلسنت کا پھریرا دیکھ رہی ہیں۔ ان کی سماعت میں "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کا وجد" آفریں اور روح پرور اسلام تحلیل ہو رہا ہے...... ہر طرف قلمکاران اہلسنت کے برّشِ قلم کا چرچا ہے اور اغبار دفاعی حصار میں کھڑے حسرت بھری نگاہوں سے ثناخوانِ محمد کو دیکھ رہے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے پہلی ملاقات میں جو خواب میری آنکھوں نے دیکھا تھا، اس کی نیم خفتہ تعبیر آج میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ پشاور کا قصہ خوانی بازار ہو یا لاہور کی داتا دربار والی سڑک، سکھر کا چوک گھنٹہ گھر ہو یا کراچی کا ایم اے جناح روڈ...... ہر کتب فروش مسلک اہلسنت کی کتابیں اپنے شیلف میں نمایاں طور پر سجا نادکانداری کا اصول تصور کرنے لگا ہے...... طلائی حروف سے مزین مجلہ کتابیں چشم کو دعوت نظارہ اور دل کو ذوق مطالعہ فراہم کر رہی ہیں۔ سنی ناشروں کی ایک فوج ظفر موج پورے ملک میں پھیل گئی ہے۔ مسابقت کے باہمی رجحان نے صنعتِ کتب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ 'انوار رضا' سے 'جہان رضا' تک ہر کتاب اپنی مثل آپ ہے......اور یہ سب کچھ حکیم محمد موسیٰ کے ذات بابرکت، ان کے لوثی او بے غرض للّٰہیت اور شبانہ روز جدو جہد کا فیض ہے اور اس سے شاید ان کا بدترین سے بدترین دشمن اور مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا...... لیکن ابھی رودِ نیل میں کارموسیٰ تمام نہیں ہوا ہے۔ ابھی اطمینان کا سانس لینے کا وقت نہیں آیا...... ابھی بہت سے کام تشنہ تکمیل ہیں...... ابھی حکیم محمد موسیٰ کے ارادے حوصلہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔

میں جب بھی لاہور گیا میں نے حکیم محمد موسیٰ کو بے حد مصروف پایا۔ بیک وقت جسمانی اور روحانی علاج میں مصروف...... ایک طرف مریضوں کا حال دریافت کر رہے ہیں اور دوسری طرف کتابوں کے پارسلوں پر پتے لکھ رہے ہیں...... ایک طرف علماء کرام اور قلمکاروں سے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں تو دوسری طرف نسخہ لکھتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف کتاب طباعت کے لئے پریس بھیج رہے ہیں تو دوسری طرف کسی کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کر رہے ہیں۔ ایک طرف مجلس رضا کے حسابات کی جانچ پڑتال کر رہے ہیں تو دوسری طرف مطب کی آمدنی سے ادھورے کاموں کی تکمیل ہو رہی ہے...... ایک طرف 'حجت دونست' مولویان کرام کو اپنے مشن کے فوائد سے آگاہ کر رہے ہیں تو دوسری طرف نوواردانِ کوچہ عشق کی تربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں...... ان کو دیکھ کر مجھے اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے تمام کام اسی ایک شخص کے سپرد کر دیئے ہیں اور پھر اس میں

حوصلہ کا فولاد پگھلا کر بھر دیا ہے...... کہ وہ ساٹھ سال سے تجاوز کر جانے کے باوجود نوعمروں کو دعوت عمل دے رہا ہے...... میں نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطب کے ایک کونے میں بیٹھ کر گھنٹوں ان کے معمولات کا بغور جائزہ لیا اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جس سے چاہتے ہیں کام لے لیتے ہیں اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔

ایک مرتبہ شاہ حسین گردیزی کے حجرے میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مشن پر گفتگو ہو رہی تھی۔ نور احمد شاہتاز اور اشرف الحامدی کی یہ عادت ہے کہ وہ برائی کے کھوج سے اوصاف تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ شاہ حسین گردیزی اپنے پوٹھوہاری لب ولہجہ میں حکیم محمد موسیٰ کی شان میں رطب اللسان تھے۔ وہ اکثر حکیم محمد موسیٰ کے مشن کی کامیابی کو ان کی کرامت اور حکیم محمد موسیٰ کو زوال آمادہ لاہور کا مفتی صدر الدین آرزدہ کہتے ہیں ...... اس روز بھی انہوں نے حکیم محمد موسیٰ کی کاوشوں کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ نور احمد شہتاز اور اشرف الحامدی نے برائی کے کھوج کے بغیر ہی اوصاف تک رسائی حاصل کر لی...... میں احتراماً خاموش بیٹھا ہوا تھا...... ایک طرف شاہ حسین گردیزی جیسا عالم باعمل گفتگو کر رہا تھا اور دوسری طرف نور احمد شہتاز اور اشرف الحامدی موجود تھے جو ہر چند ابھی تحصیل علم کی منزل میں ہیں لیکن پھر بھی مدارس کے طلبہ سے مجھے خوف آتا ہے کہ نجانے کس وقت کون مفتی اہلسنت اور شیخ الحدیث کا روپ دھار لے...... مگر میری خاموشی زیادہ دیر ان کو نہ بھائی اور انہوں نے ماحول کی سنجیدگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھ سے کہا...... خواجہ صاحب کچھ بولیں۔ ورنہ شاہ صاحب پر اس وقت ایسی کیفیت طاری ہے کہ یہ حکیم محمد موسیٰ کو 'زندہ داتا' ثابت کر دینگے...... شاہ صاحب ان کے اس طالب علمانہ تفنن پر مسکرا دیئے لیکن میرے اندر خواب سے خواب بن لینے کی جبلت نے سرگوشی کی...... تصور کے پردہ سیمیں پر دلاویزی اور اثر پزیری کردار سے ہمارے حکیم محمد موسیٰ کا عکسِ جمیل لہرا گیا...... میں نے ان کے سفید ریش منور چہرے کی سمت دیکھا اور شجرہ نسب میں سجے ہوئے تمام چہرے قمقموں کی طرح جل اٹھے۔ 'دریدہ نسب' افراد انساب کی گواہی پر منہ سکیڑ لیتے ہیں اور اس مرحلہ پر 'فریدہ نسب' افراد کے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں۔ میں نے بھی اس لمحہ اپنے سر کو جھکا لیا...... ندامت سے یا تعظیم سے...... مجھے بنانے والے نے یہ کبھی نہیں بتایا...... وہ کہتا ہے کہ اگر یہ رمز آشکار ہو گئی تو خبث نفس بیدار ہو جائے گا...... کب ندامت سے سر جھک جاتا ہے اور کب تعظیم سے...... یہ عقدہ نجابت کے استحکام کے لئے لاینحل ہی رہنا چاہیے...... خاک سے پیشانی کو اعزاز ملنا رمز پیغمبری ہے۔ تم خواب سے خواب بنتے رہو...... تعبیر کو زنجیر کرنے کی سعی جستجو کے قدم کاٹ دیتی ہے...... سو میں نے اپنے قدیم خوابوں کو آواز دی اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا چہرہ نمائش کہ اسلاف قرار پایا۔

سخنانِ حکمت

تحریر:۔ڈاکٹر محمد سلطان شاہ
ایم۔اے،پی ایچ ڈی

عصر حاضر میں جب قول و فعل کا تضاد زندگی کا جزو لاینفک بن چکا ہے، قوتِ فکر و عمل کے انحطاط نے انسانی کردار میں ایسا تغیر پیدا کر دیا ہے کہ مسلمان فقط "مردِ گفتار" بن کر رہ گیا۔ متدین طبقہ نے اسلام کے نام پر چندہ اور نذرانہ تو خوب سمیٹا اور موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنی اشتعال انگیز تقاریر کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کے خون سے، اگر دکانداری چمک سکتی تھی، تو اس سے گریز نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام الناس کا اپنے مذہبی لیڈروں سے اعتبار اٹھ گیا۔ ادھر باطل قوتوں نے مسلمانوں کے عقائد پر خود ساختہ عقائد کی یلغار کر دی ۔ایک طرف جہلاء نے توحید باری تعالیٰ کا صحیح اسلامی تصور اذہان سے نکالنے کے مذموم کوشش کی تو دوسری طرف ان باطل فرقوں نے عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مسلمانوں کے سینوں سے نکالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بزرگان دین کا احترام قصہ پارینہ بن گیا اور مسلمانان پاکستان نے اپنے اسلاف کے کارناموں سے صرف نظر کر لیا۔ اپنے بزرگوں کی قیمتی میراث کی اشاعت تو درکنار، اسے پڑھنا یا محفوظ رکھنا بھی ضروری نہ سمجھا گیا۔ ان حالات میں پاکستان میں چند ہستیوں نے دین حق کے تحفظ اور ترویج و اشاعت کے لئے گراں قدر قربانیاں سر انجام دیں جنہیں یقیناً مورخ سنہری حروف سے رقم کرے گا۔ انہی پارسا بزرگوں میں ایک نام حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کا ہے، جنہوں نے اپنی تمام تر توانائی، پیسہ اور وقت مسلک اہلسنت کے تحفظ کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے اتنے ہم مسلک اہل قلم پیدا کیے کہ انہیں "مصنف گر" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس وقت ان کے فیض یافتہ مصنفین و محققین کی ایک قابل ذکر تعداد طاغوتی طاقتوں سے برسرِ پیکار ہے، باطل عقائد کا رد کیا جا رہا ہے، حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا پرچار کیا جا رہا ہے اور ان کی محبت کے اظہار کے لیے زمزمہ پیرائی ہو رہی ہے۔

محسن ملت، محقق عصر، نباض اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے راقم کا تعارف "ماہنامہ نعت" لاہور کے ذریعے ہوا ۔ جب میرا مقالہ بعنوان "یوم ولادت رسول خدا ﷺ" اس ماہنامہ کے اکتوبر ۱۹۸۸ء کے شمارے میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا، تو انہوں نے مجھے مدیر اعلیٰ ماہنامہ "نعت" لاہور کے ذریعے کتب و رسائل ارسال کرنا شروع کر دیے۔ اس سے قبل میں نے ان کا اسم گرامی نہ صرف سن رکھا تھا بلکہ "مرکزی مجلس رضا" کے طبع کردہ

لٹریچر پر بانی مجلس کی طور پر ان کا نام نامی پڑھا تھا۔ پھر کچھ کتب رسائل کے آغاز میں ان کے شحات قلم بطور تقریظ بھی دیکھ چکا تھا۔ میرے مذکورہ مقالے پر مجھے جن اہل علم و فضل کے مکتوبات آئے اس میں بھی سارا کیا دھرا حکیم صاحب کا ہی تھا۔ ان احباب نے مجھ سے اس ۲۳ صفحات پر محیط مقالے کو پھیلا کر کتابی شکل دینے کے لئے بھرپور تعاون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ دراصل اس جوہر شناس ہستی نے میرے اندر مضمر اس محقق کو پہچان لیا تھا جسے میں بھی ابھی تک پہچان نہیں پایا تھا۔ حکیم صاحب نے اس مقصد کے لئے محترم سید نور محمد قادری علیہ الرحمۃ اور انجینیر محبوب الٰہی صاحب کا انتخاب کیا تھا۔ اس دوران حکیم صاحب کی مجھ پر عنایات کا سلسلہ جاری رہا۔ میں نے کئی دفعہ ان سے ملاقات کیلئے ہمت باندھی لیکن ان کی تبحر علمی اور فقر و غنا کے رعب سے ارادہ منسوخ کرتا رہا۔ آخر ایک دن بوقت عصر ان کے مطب پر حاضر ہوا۔ وہ اس وقت مریضوں کے لئے دوا کی پڑیاں بند کر کے دے رہے تھے۔ میں نے فقط نام بتایا انہوں نے مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ میری اتنی تکریم کی کہ مجھے اپنے کم عمر، کج عمل اور ہیچ مدان ہونے کے باعث شرم آنے لگی۔ میری خوب تواضع کی اور آتے وقت چند کتب عنایت کیں جن میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ قرآن "کنزالایمان" بھی تھا۔ اس کے بعد ان سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا اور روز بروز میرے دل میں ان کے احترام اور محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مجھے حکیم صاحب اور انجینیر محبوب الٰہی نے کافی مواد کی نقول فراہم کیں اور اس طرح میری پہلی تصنیف یوم ولادت مصطفیٰ ﷺ منصۂ شہود پر آئی جس پر حکیم صاحب نے میری فرمائش پر مقدمہ بھی رقم فرمایا۔

اس عرصے میں راقم نے کافی محنت سے کئی مقالات لکھے جو ماہنامہ "نعت" اور "ضیائے حرم" لاہور میں طبع ہوئے۔ آخر الذکر ماہنامہ کا "میلاد النبی ﷺ نمبر" میرے قلمی تعاون سے شائع ہوا۔ اور اس خاص نمبر کی تیاری کے دوران اس وقت کے "ضیائے حرم" کے مدیر محترم گل محمد فیضی اور راقم الحروف متعدد بار حکیم صاحب کے مطب پر گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ جب کسی قلمکار کی تحریریں طبع ہونے لگیں تو اس کا اپنی ذات پر اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹریٹ کے لئے رجسٹریشن کروالینی چاہیے لیکن یہاں تو پی۔ ایچ۔ ڈی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ جامعہ پنجاب میں غیر مسلموں کی سیرت نگاری کے حوالے سے تحقیق کرنا چاہی تو میرے پیش کردہ خطۃ البحث (synopsis) کو دو برس بعد واپس کر دیا گیا۔ میں نے بھی ہمت نہ ہاری اور قرآن پاک اور حیاتیات کے تقابلی مطالعہ سے متعلق ایک نیا خاکہ برائے تحقیق محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کو تھما دیا لیکن ان کے تعاون کے باوجود اس موضوع کے بجائے مطالب الفرقان پر کام کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں نے اس کا ذکر حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ قبلہ ضیاء الامت نے حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر ممکن معاونت کا یقین دلایا۔ حکیم صاحب سے جب اس کے متعلق گفتگو ہوئی تو فرمانے لگے۔ "آپ پی ایچ ڈی ضرور کریں۔ اہلسنت میں اس اعلیٰ ڈگری کے حاملین کا فقدان ہے۔ اس سے آپ کا لکھا ہوا مستند مانا جائے گا

۔عنوان خواہ کوئی بھی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ابوجہل پر کہتے ہیں تو اس پر پی ایچ ڈی کر لیں۔ ثابت تو آپ اسے دشمن اسلام ہی کریں گے"۔ مجھے ان دو بزرگوں کی حوصلہ افزائی نے اس کٹھن منزل کی طرف روانہ ہونے پر کمربستہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کامرانی سے ہمکنار فرمایا۔

حکیم صاحب علیہ الرحمتہ عصری تقاضوں اور اپنے عہد کے مسلمانانِ عالم کے مسائل کا گہرا ادراک رکھتے تھے۔ وہ ایسے منفرد نباض تھے جو عمر بھر ہر بیماری کی بروقت تشخیص کرتے رہے اور اس کا علاج بھی تجویز کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے دو عشرے ہی گزرے تھے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ مسلکِ اہلسنت روبہ تنزل ہے اور ہر روز باطل فرقوں کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو کم خواندہ طبقے کو دھڑا دھڑ اپنے مسالک کا لٹریچر فراہم کر رہے ہیں۔ اس سے عوام الناس میں محبوب کبریا علیہ التحیتہ والثناء کے ادب و احترام میں کمی واقع ہو رہی ہے اور صحابہ کرام، اہل سنت اطہار، ائمہ عظام اور صوفیہ کرام سے عقیدت عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا قائم کی اور سب سے پہلے گذشتہ صدی کے عبقری سکالر حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف کو ایک مشن کے تحت شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کی تحریریں مفت گھر گھر پہنچیں جس سے لوگوں کے دلوں میں عشق مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ٹمٹماتی ہوئی شمعوں کو ایک نئی زندگی مل گئی اور ان کا نور ملک کے طول و عرض تک پھیلتا گیا۔ حکیم صاحب نے بعض اہل علم سے اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ اور کتب پر مقالات بھی لکھوائے اور یوم امام احمد رضا منانے کا بھی اہتمام کیا۔ اس طرح اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمتہ کی شخصیت اور کارناموں پر تحقیق کا سلسلہ حکیم صاحب ہی کی کوششوں سے شروع ہوا اور ان کے متعلق پاکستان، بھارت، بلاد عرب یا دنیائے غرب کی دانشگاہوں میں کام کرنے والے محققین کو بالواسطہ یا بلاواسطہ حکیم صاحب کی معاونت اور راہنمائی حاصل رہی۔ معروف سکالر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد اس درویش لاہور کے فیض سے ہی اعلیٰ حضرت کی شخصیت و افکار، مسلک و مشرب اور اسلوب نگارش پر اتھارٹی بنے ہیں۔

حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ عطا کیا تھا۔ وہ کسی بھی موضوع پر ریسرچ کرنے والے اہل قلم کو اس سے متعلقہ مطبوعہ مواد کی تفصیلات سے آگاہ کر دیتے اور پھر کتب و رسائل کے حصول میں ہر ممکن مدد کرتے۔ انہیں یہاں تک یاد ہوتا تھا کہ فلاں صاحب کا اس موضوع پر مضمون فلاں اخبار یا رسالے میں شائع ہوا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سنِ اشاعت تک بتا دیتے تھے۔ جب راقم "بھٹو اور قادیانی مسئلہ" لکھ رہا تھا، تو ایک شاعر کی نظم کے بارے میں مجھے اخبار کا نام اور تاریخ تک فقط اپنے حافظے کی بنیاد پر بتا دی۔ جب میں نے اُس اخبار کی فائل دیکھی تو حکیم صاحب کے بتائے ہوئے اخبار میں وہ نظم پا کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ مجھے ان کے حافظے پر رشک آتا تھا۔ وہ اپنے چشم دید واقعات بتاتے وقت کبھی نسیان کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ ان کے ہاں تحقیق میں اعانت کی غرض سے پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے بھی ریسرچرز حاضر ہوتے اور ان کی معلومات، علم اور

ذخیرہ کتب سے استفادہ کرتے۔

یہ بات انتہائی باعثِ حیرت ہے کہ ایک شخص کا کسی یونیورسٹی سے کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو اور مشرق و مغرب کی جامعات کے فاضلین و محققین اس کے پاس راہنمائی کے لیے حاضر ہوں۔ حکیم صاحب کا یہ تخصص ہے کہ وہ یونیورسٹی تو درکنار کبھی کسی کالج کے متعلم و معلم نہیں رہے لیکن ان کے مطب پر بھارت سے پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی، ایران سے ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز میکسگل یونیورسٹی (کینیڈا) کی ڈاکٹر ساجدہ ایس عالم، امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی سے "بریلوی تحریک" پر ڈاکٹریٹ کرنے والی ہندو ریسرچ اوشا سانیال، سان ڈی آگو اسٹیٹ یونیورسٹی کی ریلیجس سٹڈیز کی پروفیسر ماریا کے ہرمینسن اور کیلیفورنیا یونیورسٹی سے نقشبندی مشائخ پر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیق کرنے والے سالم عبداللہ (سابق Arthur F.Buchler) حاضر ہوتے ہیں۔ آخر الذکر دونوں محققین سے راقم کی ملاقاتیں حکیم صاحب کے مطب پر ہوئیں۔ ڈاکٹر ماریا نے حضرت شاہ ولی اللہ پر پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ ایک دفعہ میں حکیم صاحب کے مطب پر گیا تو وہاں موجود تھیں۔ حکیم صاحب نے کھانا منگوایا، کھانے کے بعد وہ مریضوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ راقم سے گفتگو کے دوران موصوفہ نے کہا حکیم صاحب تو ہمارے پیر و مرشد ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حکیم صاحب نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر ماریا مشائخ چشت پر کام کر رہی ہیں آپ ان کی مدد کریں اور انہیں ماہنامہ ضیائے حرم کے دفتر لے جائیں۔ میں موصوفہ کے ساتھ گنج بخش روڈ پر واقع ضیائے حرم کے دفتر پہنچا اور محترم گل محمد فیضی کے پاس انہیں لے گیا۔ موصوف کو محترمہ کا تعارف کرایا، حکیم صاحب کا بھی حوالہ دیا انہوں نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور موصوفہ کو متعدد کتب اور رسالے پیش کئے لیکن وہاں موجود ایک صاحب کی لچر گفتگو میری طبع پر انتہائی ناگوار گزری۔ ڈاکٹر سالم عبداللہ سے حکیم صاحب کے مطب پر دو تین ملاقاتوں کے بعد میں نے انہیں لنچ پر مدعو کیا، انہوں نے میری دعوت قبول کر لی۔ ایک مقامی ہوٹل میں لنچ کے بعد ان سے طویل نشست ہوئی۔ وہ حکیم صاحب کے بڑے مداح تھے۔ ان سے ان کی ابتدائی زندگی، کیمیکل انجینئرنگ کی تعلیم، یمن اور مصر کے امریکن سینٹر میں ملازمت، قبول اسلام اور مطالعہ اسلام کیلئے چالیس برس کی عمر میں یونیورسٹی میں داخلہ، پی ایچ ڈی کی تحقیق اور اس میں حکیم صاحب کی معاونت کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی جو ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے۔ ۱۹۸۸ء میں جب محترمہ بے نظیر بھٹو برسرِ اقتدار آئیں اور دنیا بھر میں پہلی بار وہ ایک مسلم ملک میں وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئیں تو کچھ مولویوں نے ان کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی کیونکہ اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواز شریف کی انہیں پشت پناہی حاصل تھی۔ کسی بھی پیش آمدہ مسئلے پر علمی بحث و تمحیص، اس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرنا انتہائی مستحسن قدم ہے لیکن محض ذاتی مصلحت کی بنا پر دین کو آلہ کار بنانا عصر حاضر میں اتنا عام ہو گیا ہے کہ اسے برا جاننے کی حس ہی ختم ہو گئی ہے۔ ایوب خان کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کو منصب صدارت کی امیدوار نامزد کرنے والوں نے بے نظیر کی "وزارت عظمیٰ" کو غیر اسلامی قرار

دے دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ "عورت" کو مطعون کرنے کے لئے مذہب کا استعمال شروع کر دیا۔ "عورت کے ناقص العقل اور ناقص الدین ہونے کی ضعیف روایات مشتہر کرنا شروع کیں تو حکیم محمد موسیٰ امرتسری بڑے متفکر ہوئے اور انھوں نے جہاد باللسان شروع کر دیا۔ جو بھی ان کے پاس آتا' ابن الوقت نام نہاد علما کا رونا روتے ۔وہ کہا کرتے کہ عورت نہ ناقص العقل ہے نہ ناقص الدین آج طالبات لڑکوں سے زیادہ نمبر حاصل کر رہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت ناقص العقل نہیں ہے اور جہاں تک عورت کے ناقص الدین ہونے کا پرچار کرنے والوں کا تعلق ہے تو انہیں شاید اتنا بھی نہیں معلوم کہ بچہ سب سے پہلے اپنے مذہب کی معلومات عورت یعنی اپنی ماں سے حاصل کرتا ہے۔ ہم نے تو دین اپنی ماؤں سے سیکھا ہے۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ بے شک بے نظیر بھٹو کی خامیاں سامنے لاؤ لیکن خدارا اسے صرف اس لئے مطعون نہ کرو کہ وہ ایک "عورت" ہے۔ انہوں نے سری نگر یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر کا ایک مضمون جو جدید عورت کی سربراہی کے حق میں تھا' فوٹو کاپی کرا کر پڑھے لکھوں میں تقسیم کیا' جس میں مسلم ریاست کی سربراہی کے لیے مسلمان عورت کی تقرر کے جواز میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا فتویٰ بھی نقل کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی ایک نقل انہوں نے راقم کو بھی دی تھی۔

حکیم صاحب کو بعض قدیم روایات کے دم توڑنے کا بہت افسوس تھا۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ آج کل نماز کے فوراً بعد مساجد کو مقفل کر دیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ مساجد چوبیس گھنٹے کھلی رہتی تھیں۔ کوئی مسافر گھڑی دو گھڑی آرام کر لیتا تھا۔ مسجدوں سے ملحقہ طہارت خانے استعمال کر لیتا تھا۔ اگر مساجد بند نہ کی جائیں تو بازاروں میں بیٹھ کر پیشاب کرنے والے ان کے ساتھ موجود غسل خانے استعمال کریں اور برہنگی کا ارتکاب نہ ہو۔ لیکن اس دور میں مذہب کے نام پر قائم ہونے والی دہشت گرد تنظیموں کے حملوں کے خوف اور مساجد کی حد سے زیادہ تزئین و آرائش کی باعث چوروں کے شر سے بچنے کے لیے مساجد کو کھلا رکھنا ممکن نہیں رہا۔

حکیم صاحب عہد رفتہ اور جدید فکر کا حسین امتزاج تھے۔ وہ اپنے مسلک کی ترویج کے لیے ایک ریفارمر کی طرح مختلف جدید طریقے اپناتے رہے۔ اہلسنت میں مفت لٹریچر کی فراہمی کے آغاز کا سہرا حکیم صاحب کے سر ہے۔ مرکزی مجلس رضا کے تتبع میں آج متعدد ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ حکیم صاحب بڑے دور اندیش اور صاحب بصیرت تھے۔ مختلف کتب و رسائل کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ فرماتے اور کسی قلمکار کی معمولی لغزش کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک جملے پر صاحب تحریر کو اسے تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ بڑے بڑے فضلا کو بھی کسی لفظ کے غلط تلفظ پر اس کی اصلاح کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ تاریخ و تصوف پر وہ علم کے ایک بحر بیکراں کی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور میں دینی کاموں میں اخلاص کا فقدان ہے۔ متدین طبقہ دین کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہے۔ جب حکیم صاحب پر "حقیقت مولویان عصر آشکار ہو گئی" تو انہوں نے اپنا ذخیرہ کتب یونیورسٹی کو دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک اگر کہیں سے کوئی انقلابی تحریک اٹھ سکتی ہے تو وہ

کسی دینی درسگاہ سے نہیں بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے کوئی " کمال اتاترک " اصلاح قوم کا بیڑا اٹھا سکتا ہے
حکیم صاحب ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے کہ آج کل انتہائی کم سن بچے جدید طرز کے انگلش میڈیم اداروں میں داخل کرا دیے جاتے ہیں (حکیم صاحب کا اشارہ مونٹیسوری اور کنڈر گارٹن سکول سسٹم کی طرف تھا) جہاں کا تدریسی عملہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ جدید تعلیمی نفسیات کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ وہاں بچوں کو عزت دی جاتی ہے، ڈنڈوں سے پیٹا نہیں جاتا اور بچے بڑی رغبت اور ذوق وشوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے دینی مدارس میں کلام اللہ کرنے والوں پر جو بنتی ہے وہ ان مدارس میں وقت گزارنے والے یا مشاہدہ کرنے والے ہی جانتے ہیں۔ یہاں طالب علموں کو زنجیروں سے باندھا جاتا ہے، انہیں ڈنڈوں سے بڑی بے دردی کے ساتھ زدوکوب کیا جاتا ہے، نہ جانے ان پر اور کس کس قسم کا تشدد کیا جاتا ہے اور ان کی عزت نفس مجروح کرنے میں کوئی کمی روا نہیں رکھی جاتی۔ حکیم صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ اس پر مضمون لکھیں۔ اس کے خلاف تحریک چلانے کی ضرورت ہے کہ فقط دینی مدارس کے اساتذہ کے ناروا سلوک اور جدید علوم اور طریقہ ہائے تدریس سے عدم واقفیت کے باعث بچے مدارس سے بھاگ جاتے ہیں، ان کے دلوں میں اساتذہ کے احترام کے بجائے نفرت فروغ پاتی ہے اور ان کے اذہان میں قرآن پاک کی وہ محبت اور احترام نہیں پیدا ہوتا جو قرآنی تعلیم دلانے کا بنیادی تقاضا ہے۔

حکیم صاحب ایک مرد درویش، عالم باعمل، بیباک محقق اور صوفی کامل تھے۔ انہیں مختلف سلاسل کے صوفیہ سے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ وہ اپنے والد ماجد کی طرح، بنیادی طور پر چشتی نظامی تھے۔ وہ ۱۹۳۸ء میں عمدۃ الکاملین، زبدۃ العارفین حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری علیہ الرحمۃ (بسی شریف) سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں سلسلہ قادریہ میں حضرت ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ خلیفہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ قدس سرہ سے بیعت ہوئے جنہوں نے انہوں خلافت سے بھی نوازا۔ انہوں نے حضرت حاجی علم الدین نقشبندی سے بھی کسب فیض کیا جنہوں نے انہیں سلسلے کی اجازت سے سرفراز کیا۔ قیام مدینہ طیبہ کے دوران انہیں متعدد شیوخ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا جن میں شیخ محمد حسین رمزی الیمنی مجددی (چار باغ۔ افغانستان)، شیخ الدلائل حضرت شیخ محمد ہاشم شقرون، حضرت بابا جی غلام رسول جالندھری، حضرت حافظ خیر محمد سندھی، حضرت شیخ سید محمد علی حلبی اور حضرت شیخ نبہی آنندی شاذلی شامل ہیں۔ اگر حکیم محمد موسیٰ کی جگہ کوئی دنیادار شخص ہوتا تو پیری مریدی کا سلسلہ چلاتا۔ پڑھے لکھوں اور تقریریں کرنے والوں میں خلافتیں بانٹتا لیکن حکیم صاحب نے کسی کو مرید بنانا بھی پسند نہیں کیا۔ چند احباب انہیں "پیر موسیٰ" کہتے بھی تھے اور بلاشبہ وہ پیر طریقت اور مرشد کامل کہلانے کے اہل تھے لیکن انہوں نے "حکیم موسیٰ" ہی رہنا پسند کیا کسی کو مرید نہ کیا اور خاموشی سے اپنے مشن میں مصروف رہے۔

راقم جب بھی ان کے مطب پر گیا انہوں نے انتہائی شفقت فرمائی۔ ہمیشہ چائے یا کھانا منگوایا اور

آتے وقت کتابوں یا رسائل کا ایک پیکٹ عنایت کیا جو انہوں نے پہلے سے میرے لئے رکھا ہوا تھا۔ کچھ کتب راجا رشید محمود صاحب مدیر ماہنامہ "نعت" لاہور کے ہاتھ بھی بھیجیں۔ حکیم صاحب اپنے ہاں آنے والے کسی بھی محقق کو کھلائے پلائے بغیر نہ آنے دیتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے نفلی روزہ رکھا تھا اور ان کے ہاں گیا۔ وہ چند لوگوں کے ساتھ چائے پی رہے تھے مجھے انہوں نے چائے پینے کے لیے نہیں کہا اور خلاف معمول خمیرہ بھی پیش نہیں کیا۔ کافی وقت گزرنے کے بعد جب اجازت چاہی تو مجھے کتب و رسائل کا بنڈل تھما دیا۔ میں واپسی پر اس واقعہ پر کافی سوچتا رہا۔ اگلی بار جب مطب گیا تو حسب معمول تواضع کی گئی۔ ایک دفعہ میری ایک تحریر ایک صاحب نے اپنے نام سے چھاپ لی۔ میں حکیم صاحب سے ملنے گیا تو مجھے انہوں نے اس کے نام سے مخاطب کیا۔ اس وقت تک وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی تھی بلکہ آج تک نہیں دیکھی۔ مطب پر بہت لوگ تھے، میں نے خاموشی اختیار کی۔ کافی عرصہ بعد کسی صاحب نے بتایا کہ فلاں صاحب کے نام سے آپ کے ایک مضمون کا کچھ حصہ چھپا ہے۔ تب مجھے پتا چلا کہ دراصل حکیم صاحب مجھے اس سرقہ سے باخبر کرنا چاہتے تھے۔

آج حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ان کے چند عقیدت مند اور دوست موجود ہیں اور مصروف عمل ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکیم صاحب کی طرح ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقط اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشنودی کی خاطر دین حق کی ترویج کے لیے سعی جاری رکھی جائے۔

حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

مبارک حسین مصباحی ایم اے چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، انڈیا

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو بعد نماز عصر ہم لوگ ماہنامہ ''کنز الایمان دہلی'' کے دفتر میں داخل ہوئے، حسن اتفاق مولانا یسٰسین اختر مصباحی، حافظ قمر الدین، کچھ دیگر علماء اور کارکنان ادارہ موجود تھے۔ جماعتی مسائل پر نرم گرم گفتگو چل رہی تھی، ہمیں دیکھ کر اہل محفل کی باچھیں کھل اٹھیں، ہم بھی بڑے چاؤ سے آگے بڑھے پر جوش ماحول میں سلام و مصافحہ ہوا اور کسی تکلف کے بغیر ملت کے غم میں ہم بھی برابر کے شریک ہو گئے۔ اور بات نکل آئی ''رضویات'' کی کہ ہندوستان میں امام احمد رضا کی فکر و شخصیت کے حوالے سے جو کام ہوا ہے اس کا نوے فیصد حصہ اشرفیہ نے انجام دیا ہے۔ یہ بھی ایک موضوع ہے جس پر کام ہونا چاہیے۔

اچانک حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی نے انتہائی سنجیدگی سے ارشاد فرمایا، لاہور کی کچھ خبر ہے؟ ہم نے نفی میں سر ہلا دیا: موصوف نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں فرمایا: حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ سب نے بیک آواز کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پورے ماحول پر غم واندوہ کا سناٹا چھا گیا۔ مگر کبھی کبھی سچی باتوں پر بھی دل مطمئن نہیں ہوتا اور جی کہتا ہے۔ اے کاش یہ خبر غلط ہو، اسی بے اطمینانی کی کیفیت میں میں نے عرض کیا۔ حکیم اہل سنت کا نہیں بلکہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کا لاہور میں انتقال ہوا ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کوئی جواب دیئے بغیر ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کے تازہ شمارے کا آخر صفحہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ خبر نامہ کی غم انگیز عبارت یہ تھی۔

''حکیم اہل سنت الحاج حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری ۸ شعبان المعظم مطابق ۷ انومبر بروز منگل لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ''مرکزی مجلس رضا'' کا قیام ہے جس کے تحت لاکھوں کتب شائع ہوئیں اور اندرون اور بیرون ملک تقسیم کی گئیں۔ آپ خود بھی کئی کتب کے مصنف و مرتب تھے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت اور مسلک کی اشاعت کے لیے آپ نے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے'' (۱)

اس قدرتی فیصلے کی المناک خبر پر سر تسلیم خم ہو گیا اور پھر دیر تک حکیم اہل سنت کے اخلاق و کردار بے نفسی، سوز دروں، اخلاص وللٰہیت، خدمت خلق، پرورش لوح و قلم اور انقلاب آفرین قلمی اور اشاعتی خدمات کا

تذکرہ ہوتا رہا۔ اور ایک آہ سرد کے ساتھ بے ساختہ زبان پر غالب کا یہ شعر آ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

میں جب ۱۹۸۵ء میں بحیثیت طالب علم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخل ہوا تو انجمن اشرفی دارالمطالعہ (طلبہ لائبریری) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ یوم رضا کا خوب چرچا تھا اس میں امام احمد رضا کی ہمہ گیر اور آفاقی شخصیت پر طلبہ مقالات پیش کرتے اور تقریریں کرتے تھے۔ ہر جماعت کے دو طالب علم دارالمطالعہ کے خصوصی رکن باتفاق رائے نامزد کئے جاتے تھے، میں جماعت رابعہ سے دورہ حدیث تک اپنی جماعت سے انجمن کی خصوصی رکنیت کے لیے مسلسل منتخب ہوتا رہا اس طرح سالانہ ۲۵۔ صفر کو اشرفیہ کے عزیزی ہال میں منعقد ہونے والے یوم رضا کے نظم ونسق میں بھی دخیل رہتا۔ اس وقت ہم لوگوں کے سامنے مرکزی مجلس رضا لاہور کا ''یوم رضا'' قابل تقلید مثالی نمونہ تھا اس کی قابل رشک روداد رضا شناسی کا شعور دیتی، خوابیدہ جذبات کو انگیز کرتی اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشتی یہ کیسے ممکن تھا کہ مرکزی مجلس رضا لاہور کا ذکر ہوتا اور اس کے انقلاب آفریں بانی وسرپرست حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا دل آویز تذکرہ نہ چھڑتا، ان کے تعارف کے پہلے دن ان کی پرکشش شخصیت کا سطح ذہن پر جو نقش ابھرا تھا وہ دن بدن نکھرتا ہی رہا۔ یکے بعد دیگرے ان کے تحریکی، قلمی اور اشاعتی کارنامے مطالعہ کی میز پر آتے رہے اور ان کی پاکیزہ اور دل آویز شخصیت کی خوشبوؤں سے دل ودماغ مہکتے رہے۔ اور اب تو رضا شناسی کے حوالے سے ان کی فکر وشخصیت کا قد اتنا بلند ہو گیا تھا کہ وہ ''جہان رضا'' کے ہر گوشے سے صاف دکھائی دیتے تھے۔ بذات خود انسان کی حیثیت ہی کیا ہے مگر اس کے عظیم کارنامے اسے عظیم بنا دیتے ہیں کبھی کبھی چھوٹے کاموں کی کثرت بھی بڑے بڑے کارناموں پر بھی بھاری ہو جاتی ہے۔ حکیم اہل سنت کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بےکراں کے لیے

ہاں اگر رضویات اور دیگر دینی اور علمی موضوعات پر ان کی قلمی اور اشاعتی کارگزاریوں کی مکمل داستان رقم کر دی جائے تو وہ خدمت لوح وقلم کے حوالے سے ایک انتہائی عظیم، آفاقی اور قابل تقلید مثالی شاہکار اور رضا شناسی کی تاریخ کا اولین اور زریں باب ہوگا۔

میری وارفتگی شوق تماشا ہوگی
دل کی آنکھوں کے تقاضوں کو ابھر لینے دو

حکیم اہل سنت اور الجامعۃ الاشرفیہ

حکیم اہل سنت کے وصال پرملال کی خبر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور پہنچی تو علما اشرفیہ نے بڑے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ان کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا گیا جامعہ اور اس کے فرزندوں کا حکیم اہل سنت سے بڑا قدیم رشتہ تھا۔ بقول مولانا عبدالمبین نعمانی ''المجمع الاسلامی مبارک پور'' کی بنا ڈالی گئی تھی تو ارکان ادارہ کے سامنے ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کا عملی خاکہ تھا الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ سے بھی حکیم اہل سنت کی مراسلت تھی، حکیم اہل سنت الجامعۃ الاشرفیہ اور حضور حافظ ملت کی خدمات سے بے پناہ متاثر تھے۔ اپنی محفلوں میں ذکر حافظ ملت کرتے تھے۔ حیات حافظ ملت میں بنام حافظ ملت مجلس کی مطبوعات ارسال فرماتے تھے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مجلس کی شائع شدہ کتابوں پر تحسین وآفرین اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے تھے ذیل میں اسی سلسلہ کا ایک مکتوب حافظ ملت بنام حکیم اہل سنت ملاحظہ فرمائیے۔

۸ جون ۱۹۷۵ء

مکرم ومحترم حامی دین متین جناب مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ..........مزاج شریف!

آپ کی مرسلہ کتب، ا، اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر امام احمد رضا علما حجاز کی نظر میں اور محاسن کنزالایمان، موصول ہوئیں۔ جن کے مطالعہ سے بے انتہا مسرت ہوئی، آپ کے ادارہ ''مرکزی مجلس رضا'' نے دین متین مذہب اہل سنت کی بڑی زریں خدمت کی اس خصوص میں آپ کا ادارہ بلاشبہ منفرد ہے قابل قدر لائق تحسین ہے

مولائے قدیر اس ادارے کو ترقی دے، بام عروج پر پہنچائے، دین متین کی بے شمار خدمات انجام دلائے۔ آمین وبہ نستعین

جملہ اراکین ادارہ کی خدمت میں سلام مسنون ومبارک باد۔

عبدالعزیز عفی عنہ۔ خادم دارالعلوم اشرفیہ

اس مکتوب گرامی کی روشنی میں آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور حافظ ملت کی نگاہ میں مرکزی مجلس رضا اور حکیم اہل سنت کی کتنی اہمیت تھی اور مجلس کی قلمی اور اشاعتی خدمات کو کتنی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حکیم

اہل سنت بھی حضور حافظ ملت کی جلیل القدر اور برگزیدہ شخصیت کے شیدائی اور فدائی تھے۔ یکم جمادی لآ آخرہ ۱۳۹۶ھ۔ ۳۱۔ مئی ۱۹۷۶ء میں حضرت حافظ ملت کا وصال پر ملال ہوا اور پوری جماعت اہل سنت میں صف ماتم بچھ گئی اس المناک موقع پر حکیم اہل سنت کی یہ تعزیتی تحریر موصول ہوئی

''استاد العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ رحمتہ اللہ واسعتہ اس دارفانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ حضرت والا کی موت ایک عالم کی موت ہے ایسے عالم ربانی وحقانی روز پیدا نہیں ہوتے ان کی جدائی سے دنیائے سنیت میں جوخلا پیدا ہوا ہے۔
بظاہر اس کا پر ہونا مشکل ہے۔'' (۲)

۱۹۷۸ء میں جب ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا ۵۷۶ صفحات پر مشتمل حافظ ملت نمبر نکلا تو مدیر کے نام پیغام ارسال فرمایا حکیم اہل سنت کا یہ پیغام محبت بھی ذیل میں پڑھیے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور

گرامی قدر حضرت مولانا صاحب زید مجدکم۔ سلام ورحمت!

گرامی نامہ صدور لایا۔ یادفرمائی کا شکریہ! ''اشرفیہ'' حافظ ملت نمبر کی تکمیل کی اطلاع سے دلی خوشی ہوئی۔ محترما! مخدوما! زندہ قومیں اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں اوران کی نیک یادوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی علمی، دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تذکار پر مشتمل ''ماہنامہ اشرفیہ'' کا ایک ضخیم وجیم نمبر مرتب کر کے اہل سنت کی زندگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔
اور یہ نمبر اہل سنت کے علما اور عوام دونوں کے لیے دعوت فکر ہوگا۔ اس پیش کش پر احقر و جملہ اراکین ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور کی طرف سے مبارکباد قبول کیجیے۔ والسلام بالا لکرام محمد موسیٰ عنہ لاہور ۱۱۔۴۔۷۸

بفضلہ تعالی مرکزی مجلس رضا لاہور سے سامعتہ الاشرفیہ کا آج بھی بڑا مضبوط تعلق ہے۔ الجامعتہ الاشرفیہ کا ترجمان ''ماہنامہ اشرفیہ'' مسلسل ارسال کیا جاتا ہے اور مجلس رضا کا آرگن ماہنامہ ''جہان رضا'' بھی پوری پابندی سے موصول ہوتا ہے مجلس کی دیگر تازہ مطبوعات بھی نظرنواز ہوتی رہتی ہیں۔ مجلس کے نگران اور ''جہان رضا'' کے مدیر اعلیٰ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب سے مراسلت جاری ہے یہ قلمی رشتہ محبت انشاء اللہ آئیدہ بھی باقی رہے گا۔

(۲) مبارک حسین مصباحی، حافظ ملت افکار اور کارنامے، ناشر ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارکپور ص: ۱۱۷

کتنی قومیں وجود میں ہیں
دہر میں خشک وتر کے رشتے سے
ہم نے بنیاد دوستی رکھی

یاد خیر البشر کے رشتے سے

ولادت و خاندان

ہندوستان کی مردم خیز آبادیوں میں پنجاب کا ایک تاریخی شہر امرتسر بھی ہے۔ تقسیم ہند سے قبل یہ شہر اہل علم و دانش کی جولانگاہ اور اہل عشق و عرفان کا مرکز فیضان تھا۔ اس کی خاک سے ایک یگانہ روزگار اور یکتائے فن اٹھے۔ اس شہر کے حوالے سے جب اہل عشق و تصوف اور ارباب علم و حکمت کی داستان چھڑ جاتی ہے تو روح میں تازگی اور دماغ میں بالیدگی کی لہر دوڑ جاتی ہے مگر حوادث روزگار کی دست درازیوں نے بھی کتنے چمن اجاڑ دیئے آج کے امرتسر پر جب نگاہ پڑتی ہے تو عہد ماضی کے تمام حقائق ایک خواب سے معلوم ہوتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری اسی شہر کے ایک علمی اور طبیب خاندان میں ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ۔ ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد ماجد فقیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ علیہ ماہر طبیب تھے شہر امرتسر میں انتہائی کامیاب مطب کرتے تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ خوش خلق، نیک سیرت صالح وضع قطع کے صوفی منش انسان تھے۔ اپنے رشتہ کے چچا مولوی حکیم فتح الدین سے سلسلہ چشتیہ میں فیض حاصل کیا اور ان ہی کے اشارے پر حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خان سجادہ نشین بسی شریف (م ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ) سے بیعت ہوئے۔ تقسیم کے بعد لاہور میں مطب کیا۔ ۱۳۷۱ھ میں آپ کا وصال ہوا لاہور میں حضرت میاں میر علیہ الرحمہ کے قبرستان میں قبر مبارک ہے۔

حکیم اہل سنت کے خاندان کے تمام بزرگ مذہبا حنفی اور مشربا صوفی تھے۔ طبابت آپ کا خاندانی مشغلہ ہے آپ کے تین بڑے بھائی اور ایک چھوٹے بھائی بھی طبیب ہیں اگرچہ وہ مطب نہیں کرتے (۳)

حکیم اہل سنت نے تقسیم سے قبل امرتسر کے رستاخیز واقعات اور سیاسی کشمکش کے حالات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھے تھے ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں

''جب تحریک پاکستان چل رہی تھی اس وقت امرتسر میں اکثر و بیشتر جلسے ہوا کرتے تھے میں نے ان جلسوں میں اکثر بطور سامع کے شرکت کی مسلم لیگ کے جلسے شیخ صادق حسن صاحب کے زیر انتظام ہوا کرتے تھے۔ جس میں اکثر مولانا عبدالستار نیازی، راجہ غضنفر علی وغیرہ بطور مقرر تشریف لاتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نیازی کا عالم شباب تھا ان کا چہرہ بجلی کے قمقموں سے زیادہ سرخ اور چمکدار ہوا کرتا تھا۔ ان سے بھی زیادہ شعلہ بیان مقرر جو امرتسر آئے تھے مولوی بشیر احمد اخگر تھے۔ اس طرح راولپنڈی کے سید مصطفیٰ شاہ گیلانی بھی بہت اچھی تقریر کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی اور تھا جسے لاہور والوں نے مار دیا میں اکثر لوگوں سے پوچھتا ہوں بتاؤ وہ

کہاں ہیں وہ تھے پروفیسر عنایت اللہ یہ صاحب ان سے بہتر مقرر تھے یہ لوگ پورے ملک کے دورے کر کے اپنی شعلہ بیانی سے کانگریس اور احراری مقرروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی راہ ہموار کرتے تھے۔ ان پڑھے لکھے مقرروں کے علاوہ ایک ان پڑھ مقرر جو اس زمانے میں بہت مشہور ہوئے

لاہور مزنگ کے استاد عشق لہر تھے، استاد عشق لہر اپنی پنجابی شاعری کو اپنے مخصوص انداز میں جب پڑھتے تھے تو مجمع میں آگ لگا دیا کرتے تھے مگر پاکستان بننے کے بعد ان محنتوں کی ان قومی ہیروں کی پذیرائی کا حال دیکھتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے

حکومت تحریک پاکستان کے کارکنوں اور رہنماؤں کو ہر سال ایوارڈ سے نوازتی ہے ان میں اکثر محسنو کو نظر انداز کیا گیا۔'' (۴)

حکیم اہل سنت کے والد گرامی تحقیق و مطالعہ کا بھی بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے امرتسر میں ۲۵ ہزار کتابیں خود ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھیں مگر تقسیم کے فسادات میں غیر مسلموں نے آپ کے کتب خانہ اور مطب کو نذر آتش کر دیا۔ مگر ان تمام قربانیوں کے باوجود پاکستان میں مہاجرین کو ان کا حق نہ مل سکا۔

حکیم اہل سنت اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''اس وقت انگریز و ہندو ہمارے مدمقابل تھے، مسلمانوں کے سامنے آزادی اور اسلام کی سربلندی کا نصب العین تھا، جب میرے والد صاحب کا کتب خانہ دواخانہ سکھوں نے جلا دیا۔ تو اس وقت لوگ والد صاحب سے اظہار افسوس کرنے آئے تو والد صاحب کے الفاظ تھے جب پاکستان بن جائے گا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ قربانی قبول ہوگئی ہمارا کتب خانہ امرتسر کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا اس میں ۲۵ ہزار کتابیں تھی۔ ان سب قربانیوں کے بعد جب میں دیکھتا ہوں اس ۱۴ اگست کو یوم آزادی کی صبح میں اپنے دروازے پر کھڑا ہوا اپنی تسبیح گھما رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے پندرہ میل سرحد ہے اور وہاں سے دس میل دور ہمارا وطن امرتسر ہے آج ہم اپنے وطن جا نہیں سکتے آخر کیوں؟ اس لیے کہ ہم ایک ملک اسلام کے لیے بنانا چاہتے تھے مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ یہ تو زنا خانہ بنا ہوا ہے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے آپ لوگوں کو اندازہ نہیں ۔ ۔ۓ کیا کچھ قربان کر کے پاکستان آئے۔ اس شیخ صادق جو کہ امرتسر کے بہت بڑے امیر کبیر مسلمان رہنما تھے ۔ ۔ تقسیم ملک سے پہلے کروڑ پتی تھے مشرقی پنجاب کا ایک ہی مسلمان تھا جس کی چار ملیں تھیں آج آپ ان کی اولاد کو پاکستان میں تلاش کر کے بتائیں ایسا لگتا ہے کہ پاکستان دشمنوں کے لیے بنا ہے اس کے بنانے والوں کی اولاد کا بھی پتہ نہیں چلتا'' (۵)

حکیم اہل سنت کے مندرجہ بالا تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں پاکستان کے حامی علماء حق اور

ترک وطن کرنے والے مہاجرین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا شدید احساس تھا، وہ نظام مصطفیٰ والے پاکستان کے خواہاں تھے مگر وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

تعلیم ، مطب

اپنے والد گرامی سے قرآن عظیم پڑھا، قاری کریم بخش سے قرات سیکھی، فارسی کتابیں کریما سعدی، پند نامہ، گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، زلیخا، احسن القوائد، اخلاق محسنی وغیرہ اور عربی صرف کی کتابیں مفتی عبدالرحمن ہزاروی مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے بھی استفادہ کیا، اپنے والد ماجد سے علم طب کی تعلیم حاصل کی، مثنوی شریف کے پہلے دو دفتر پڑھے اور انہیں کے زیر سایہ مطب کی تربیت پائی فطری ذوق علم اور کثرت مطالعہ سے تاریخ وادب اور تصوف واسلامیات کے مختلف صیغوں میں درک وکمال حاصل کیا۔ عربی فارسی اردو، پنجابی زبان وادب پر ان کی گہری نظر تھی وہ علمی حلقوں میں ایک بلند پایہ ادیب اور محقق کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

۱۲ اگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے پاکستان تشریف لے گئے چھ ماہ تک سرگودھا میں اور پھر اپنے والد گرامی کی طلب پر لاہور چلے گئے۔ (۶) لاہور پہنچ کر والد صاحب کے ساتھ لوہاری دروازے کے باہر مطب شروع کیا، ۱۹۴۹ء میں رام گلی میں علیحدہ مطب کیا۔ ان دنوں آپ ۵۵ ریلوے روڈ لاہور میں مطب چلا رہے تھے۔ (۷)

حکیم اہل سنت نے زندگی بھر طبابت کی یہی ان کا پاکیزہ ذریعہ معاش تھا۔ طبابت کرتے تھے مگر اخلاص پیشہ کہلاتے تھے۔ وہ کار مطب عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ وہ حسن کے پیکر اور خدمت خلق کے خوگر تھے۔ تلاش رزق سے زیادہ رضائے مولیٰ کے متلاشی رہتے تھے۔ خاندانی طبیب تھے فن طب میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، سچ مچ مسیحائے قوم تھے۔ ان کا مطب جسمانی اور روحانی بیماریوں کا شفاخانہ اور دین و دانش کا مرکز فیضان تھا۔ بقول پروفیسر محمد ایوب قادری ''ان کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم وادب اور تہذیب وثقافت کا مرکز ہے۔ (۸)

حکیم اہل سنت نے کسی درسگاہ میں بیٹھ کر درس نہیں دیا مگر ان کے فیض یافتگان کی فہرست طویل ہے۔ اہل قلم واہل تحقیق عام طور پر ان کے پاس آتے اور حکیم صاحب بھرپور ہمدردی کے ساتھ ان کے موضوع کے حوالے سے مآخذ اور مراجع کی نشاندہی فرماتے رہتے باتوں باتوں میں بہت سی علمی گتھیاں سلجھا دیتے اور علم اور تحقیق کے پیاسوں کو سیراب فرما دیتے۔

پروفیسر محمد صدیق فرماتے ہیں: ان کا مطب نہ صرف جسمانی مریضوں کو شفا بخش ادویات فراہم کرتا

ہے بلکہ متلاشیان علم کے لیے بھی مجرب نسخے تجویز کرتا ہے۔ جس سے وہ ہمیشہ کے لیے صحت یاب ہو جاتے ہیں (۹)

ان کی بزم دین و دانش کے ایک حال آشنا رقم طراز ہیں۔ حکیم صاحب کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو ہیں مگر آپ کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف آپ کا نوجوان دانشور محققین کی حوصلہ افزائی کرنا، ان سے شفقت سے پیش آنا ہے ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مختلف علوم میں پی ایچ۔ ڈی ایم فل کے طلبہ کو ان کے موضوع کے لیے درکار ماخذ کی نشاندہی اور رہنمائی کے لیے آپ ایک معتبر نام کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے علم کے متلاشیوں کو آپ نے ڈاکٹر مصنف اور اسکالر بنا دیا۔ حکیم صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک ایک ادارہ ہیں (۱۰)

ان کی زندگی کا ایک روحانی ورق

حکیم اہل سنت اخلاص و عمل کے بھی پیکر تھے، اخلاق و معاملات میں سنت مصطفےٰ کے آئینہ دار تھے۔ احسان و تصوف کے حال آشنا اور اولیاء و مشائخ کی بارگاہوں کے ادب شناس تھے۔ اسلاف کی روایات کے خاموش امین اور پرجوش داعی تھے۔

پیر طریقت حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خانؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ ۱۳۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے ایک عرصہ تک شہر حبیب میں قیام کا موقع ملا، وہاں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شیوخ اور علماء کرام کی مجالس سے استفادہ کیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجاز ہوئے ''سلسلہ قادریہ'' کے معمولات کی اجازت دی شیخ الدلائل شیخ محمد ہاشم شفرون سے ''دلائل'' الخیرات اور قصیدہ بردہ'' کی اجازتیں حاصل کیں۔ (۱۱)

ان کا وجود فیضان مشائخ کا مرکز انوار تھا۔ ان کی زندگی صبر و قناعت کی پیکر تھی۔ ان کا مطالعہ احسان و تصوف کے دبستانوں کا خوشہ چیں تھا، ان کی زبان ذکر و فکر سے معمور تھی، ان کا قلم برگزیدان اسلام کے افکار و خدمات کا ترجمان تھا، ان کی محفل افق علم کے ستاروں کی کہکشاں تھی، جہاں عشق و عرفان کی خوشبوئیں تھیں اور دین و دانش کی چاندنی تھی۔

ان کی شب دوشیں کے ہم نشین مولانا اقبال احمد فاروقی فرماتے ہیں:

آپ کی مجلس علماء ادباء صوفیا، شعرا اور مولفین و مصنفین سے بھری رہتی ہے چشتی ہیں مگر نقشبندی سلسلہ تصوف کے ترجمان ہیں۔
نظامی ہیں مگر مجددی تعلیمات کی اشاعت کرتے ہیں طبیب ہیں مگر

اعتقادی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ (۱۲)

بڑے متواضع اور ملنسار تھے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے، چائے کا وقت ہو تو چائے کھانے کا وقت ہو تو کھانا ہر فصل کے ثمرات سے اپنے احباب کی تواضع کرتے تھے مگر بقول محمد حنیف جن احباب سے انہیں انس تھا۔ انہیں خمیرہ گاؤزباں کی ایک خوراک کھلاتے تھے۔ معاملات میں بہت صاف ستھرے تھے، اپنی ذاتی کمائی کا ایک بڑا حصہ "مرکزی مجلس رضا" اور دیگر دینی اور اشاعتی اداروں پر صرف کیا مجلس کی مکمل باگ ڈوران کے ہاتھ میں تھی مگر کبھی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کی اس عہد بلاخیز میں وہ عزیمت و استقامت اور دیانت وصداقت کی ایک مثال تھے۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں۔

"اخلاق کا یہ عالم ہے کہ سینکڑوں روپے اپنی گرہ سے مرکزی مجلس رضا پر خرچ کرتے ہیں مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کی میری وفات پر بھی "مجلس رضا" کے فنڈ میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بلکہ اگر تجہیز و تکفین کے لیے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت کر کے کام چلایا جائے غرضیکہ مجلس کے فنڈ سے اپنی ذات کو عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا"۔ (۱۳)

ذوق مطالعہ اور خدمت لوح و قلم

حکیم اہل سنت نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو گھر آنگن علم وادب کی خوشبوئیں تھی، دین و دانش کی جلوہ ریزیاں تھیں رنگا رنگ کتب کی قوس قزح تھی، تہذیب وثقافت کی دودھیا چاندی تھی، ماہرین تعلیم کا تجربہ بتایا ہے کہ جب کوئی اخاذ طبع، محنت ومطالعہ کا خوگر، علم وادب اور تہذیب وثقافت کی گھنی چھاؤں میں نشوونما پاتا ہے تو کلیوں کی طرح چٹکتا ہے پھولوں کی طرح مہکتا ہے چاندنی کی طرح چمکتا ہے چڑھتے سورج کی طرح ابھرتا ہے اور سمندروں کی طرح پھیل جاتا ہے۔

حکیم صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا ذوق اور تحقیق ومطالعہ کا شوق اپنے پدر بزرگوار سے وراثت میں تھا انہیں کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ انہیں اپنے ذوق کی کتاب جہاں اور جس قیمت پر بھی ملتی حاصل کر کے ہی دم لیتے۔ ان کی دل چسپی کے موضوعات مختلف تھے، مذاہب عالم، تاریخ وسیر، سوانح وتذکار، تصوف و اسلامیات اور جہان رضویات وہ نصف صدی سے مسلسل کتابیں جمع کر رہے تھے ان کی لائبریری میں نایاب کتابیں بھی دستیاب تھیں انہوں نے اپنے مطب کی کمائی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے میں صرف کیا تھا۔

محمد اشرف لودھی آپ کی لائبریری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''دواخانہ کی بالائی منزل پر قائم کتب خانہ کی شہرت لاہور سے نکل کر نہ صرف پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا تک پہنچ چکی ہے پرانی وضع کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ہاتھ جدید علمی تحقیق کی نبض پر اتنا گہرا ہے کہ ہرنئی چھپنے والی کتابیں اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والے قدیم نسخوں کے خریدار حکیم صاحب ہیں آپ نے امرتسر میں اپنے والد صاحب کا ۲۵ ہزار کتابوں پر مشتمل کتب خانہ جل جانے کے بعد اس روایت کو پاکستان میں آکر زندہ کیا اور اپنی حیات میں ہی اس کتب خانہ میں اتنی نایاب اور اہم کتابیں جمع کردیں کہ نہ صرف لاہور بلکہ یورپ کے محققین نے لاہور آکر آپ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا''۔ (۱۴)

لیکن اس سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس درویش صفت مرد قلندر نے دس ہزار کتابوں پر مشتمل اپنا پورا کتب خانہ افادہ عام کے لیے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کے لیے عطیہ کردیا۔ علمی دنیا میں ایثار قربانی کا یہ وہ مثالی کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت
زمانے کی قلندر ماۂ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

حکیم اہل سنت ایک بلند پایہ قلم کار، دل پذیر تذکرہ نگار، عظیم محقق اور بصیرت افروز مبصر تھے، کتابوں پر ان کے تبصرے بڑی جامعیت اور اہمیت کے حامل ہوتے تھے وہ تبصرہ لکھنے سے پہلے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کرتے تھے اور پھر کسی تعلق و دوستی کی رعایت کیے بغیر جو حق ہوتا پوری جامعیت سے سپرد قلم کردیتے، آپ نے زیادہ تبصرے مجلہ ''فیض الاسلام'' راولپنڈی کے لیے لکھے تھے، پہلے اپنے اصلی نام سے لکھتے تھے لیکن ان کی حق گوئی اور تنقید نگاری مصنفین اور مولفین کے لیے ناگوار خاطر ہونے لگی اور کچھ لوگ ناراضگی کا اظہار کرنے لگے تو حکیم صاحب نے ''آثم'' کے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا پھر علامہ عرشی کے مشورے سے ''حکیم'' نام سے ادبی دنیا میں نثر و نظم کی زلفیں سنوارتے رہے اور صالح تنقید نگاری کو فروغ دیتے رہے۔

آپ نے تاریخ وسیر، تصوف و اسلامیات، تنقید و ادب اور تذکار و سوانحیات کی اہم کتب پر پیش لفظ، تعارف مصنف اور مقدمے تحریر کیے ہیں ان کی تعداد بھی قریب سو (۱۰۰) تک پہنچ جاتی ہے ان میں مکتوبات امام ربانی، کشف المحجوب اور عباد الرحمٰن کے مقدمات تو اہل علم و دانش کی توجہ کے مرکز بن گئے ہیں۔۔۔۔ اور مختلف موضوعات پر آپ کے تحقیقی ادبی اور سوانحی مضامین و مقالات کی فہرست سو سے بھی متجاوز ہے جو پاک وہند کے رسائل و جرائد میں شائع ہو کر علم و ادب کی دنیا میں دھوم مچا چکے ہیں۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اذکار جمیل ''سوانح شیخ طریقت سید برکت علی شاہ خلچپالوی

۲۔ مولانا غلام محمد ترنم امرتسری، احوال و آثار

۳۔ ذکر مغفور، سوانح پیر طریقت حضرت سید مغفور القادری

۴۔ سوانح مولانا نور احمد پشروی ثم امرتسری

۵۔ تذکرہ مشاہیر امرتسر

اے کاش! کوئی قلم کار تلاش و تحقیق اور مکمل یکسوئی کے ساتھ آپ کے منتشر قلمی جواہر کو سلک ترتیب میں سجادے تو کئی گرانقدر اور وقیع مجموعے بن جائیں۔ اور اہل علم و ادب کی آنکھیں پرنور اور دل مسرور ہو جائیں۔ حکیم اہل سنت کے حوالے سے یہ انتہائی اہم اور بنیادی کام ہے جسے اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہیے۔

اور اب ذکر ان کی ''مجلس رضا'' کا

آج امام احمد رضا کا علمی شہرہ مدارس سے یونیورسٹیوں تک پہنچ چکا ہے۔ ان کی آفاقی فکر کا غلغلہ عجم سے عرب تک سنا جا رہا ہے، ان کی عبقری شخصیت کی دھمک مشرق سے مغرب تک محسوس کی جا رہی ہے۔ دانش کدوں میں ان کی فکر و شخصیت پر ریسرچ ہو رہی ہے ان کی نثر و نظم یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے، اہل سائنس ان کے فلسفیانہ نظریات پر سر دھن رہے ہیں۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر درجنوں یونیورسٹیوں سے پی ایچ، ڈی کی ڈگریاں تفویض کی جا چکی ہیں ان کے تجدیدی اور فقہی کارناموں پر اہل قلم بے تکان لکھتے چلے جا رہے ہیں بیسویں صدی عیسوی کے آخری دو دہوں میں جتنا آپ پر لکھا گیا کسی پر نہ لکھا گیا۔ عالم اسلام کی مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے عرس عزیزی منعقدہ کیم جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ کو علماء، مشائخ اور دانشوروں کے اجتماع میں یہ اعلان کر دیا۔ ''امام احمد رضا بیسویں صدی عیسوی کی سب سے عظیم شخصیت'' اور الجامعۃ الاشرفیہ کے مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر شرر مصباحی پکار اٹھے۔

جو کل تھا وہ رضا کے کریموں کے نام تھا
جو آج ہے وہ سارا کا سارا رضا کا ہے
ایوان نجدیت ہو کہ قصر وہابیت
سب تہس نہس ہے وہ دھماکہ رضا کا ہے

مگر ایک دور تھا امام احمد رضا فضل و کمال بے نام نشان تھا، سلطان شعر و سخن تھا مگر گمنام تھا، مجدد اعظم تھا مگر بدنام تھا، غیروں کی ریشہ دوانیاں شباب پر تھیں حقائق کو چھپایا جا رہا تھا امام احمد رضا سا چہرہ تعصبات کے پردوں میں ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اتنی بدگمانیاں پھیلادی گئی تھیں کہ اہل قلم اس طرف رخ ہی نہیں کرتے تھے۔

حکیم اہل سنت سے اس ماحول میں رہا نہ گیا، حساس دل تھا تڑپ اٹھا۔ اور انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں پورے عزم و حوصلے کے ساتھ چند احباب کو لیکر میدان عمل میں اتر پڑے۔ اور ۱۹۶۸ء میں ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھ دی۔ جس کا بنیادی مقصد امام احمد رضا اور فکر رضا کا تعارف تھا، مسلک اعلیحضرت کو عام کرنا تھا۔

حکیم اہل سنت ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجے میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی انگریز کی کاسہ لیسی کی، ان کا تذکرہ تو ہیروز (Herors) کے طور پر ملتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ میں ان سوالات کو پروفیسر ایوب قادری (جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے ہاں قیام کرتے تھے) سے اکثر کیا کرتا مگر کیوں کے ان کا بندویت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا۔ اس لیے وہ میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت بارے پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں۔ نایاب تھیں تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہذا ان پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا''۔(۱۵)

آپ نے مرکزی مجلس رضا لاہور سے امام احمد رضا کی تصانیف اعلیٰ معیار پر شائع کر کے ملک اور بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیں، اہل قلم کو رضویات کی جانب متوجہ کیا، عنوانات اور مواد دے دے کر امام احمد رضا کے حوالے سے سیکڑوں مقالات اور درجنوں کتابیں لکھوائیں۔ دور تھے انہیں قریب کیا، قریب تھے۔ انہیں مستعد کیا، جو متنفر تھے انہیں دلائل سے ہمنوا کیا اس طرح غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے، حقائق کے اجالے پھیلنے لگے اور پھر گلستان رضا میں بہار آ گئی۔

آج پروفیسر مسعود احمد کا نام رضویات پر اتھارٹی (Athority) سمجھا جاتا ہے مگر انہیں ''جہان رضا'' میں لانے والے کا نام حکیم اہل سنت ہے۔ پروفیسر مسعود احمد رقم طراز ہیں۔

''محسن اہل سنت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات وکلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام

احمد رضا کے علمی مقام سے واقف نہ تھے بلکہ ان اداروں میں تو امام احمد رضا کا ذکر وفکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا"۔(۱۶)

جماعت اہل سنت کے مشہور محقق اور مصنف حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ (علیہ الرحمتہ) نے مجلس رضا قائم کر کے اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص کو پڑھنے لکھنے کا شعور عطا کیا اور مجھ ایسے نوآموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہی نہیں رہنمائی بھی کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہم جیسے لوگ ان کے بستہ فتراک تھے اور بڑے بڑے علماء مشائخ ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے"۔(۱۷)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری مصباحی بساط رضویات کا عالمی جائزہ لیتے ہوئے راقم طراز ہیں:

"ایشیا میں" رضویات" پر تحقیقی کام کرنے والا سب سے قدیم ادارہ پاکستان میں ہے جو" مرکزی مجلس رضا" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کا صدر دفتر لاہور میں ہے۔ ادارہ کے بانیوں میں نقیب اہل سنت حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا نام سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ موصوف نے ادارہ کے ذریعہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت، ان کے علمی کمالات، ان کی تصنیفی خدمات ان کے زہد و تقویٰ، ان کے مقام عشق و عرفان اور ان کے تجدیدی کارناموں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو روشناس کرایا" (۱۸)

مولانا محمد احمد قادری اپنی تلون مزاجی کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہیں:

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ علوم و معارف احمد رضا بریلوی کے تعارف کے لیے کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس کا جذبہ سعید حکیم اہل سنت مولانا حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری امیر مرکزی مجلس رضا لاہور نے پیدا کیا اور وہی اس کارواں کے قافلہ سالار بھی ہیں"۔(۱۹)

حکیم اہل سنت نے مرکزی مجلس رضا لاہور کے پلیٹ فارم سے درجنوں کتابیں عربی، اردو انگریزی، سندھی اور پشتو میں اٹھارہ لاکھ سے زیادہ شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کرائیں اور بقول علامہ اقبال احمد فاروقی "آج مرکزی مجلس رضا" اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماہنامہ "جہان رضا" اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماہنامہ "جہان رضا" کے صفحات پر افکار رضا کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے میں مصروف ہے اس کا سارا کریڈٹ (Credit) حکیم موسیٰ مرحوم کو جاتا ہے" (۲۰) ایک مخالف نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم نے تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کو دفن کر دیا تھا مگر حکیم محمد موسیٰ مرتسری نے انہیں زندہ کر دیا"۔ الفضل ماشہدت بہ الاعداء(۱۶)

ان گرانقدر تاثرات کی تیز روشنی میں آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہوں گے کہ حکیم اہل سنت گلشن رضا کی سیر کرنے والے قافلہ ہائے شوق کے میر کاروان تھے۔ جو تصنیف واشاعت کی پرخار وادیوں میں آبلہ پائی کے درد کا احساس کیے بغیر منزل کی جانب بڑھتے ہی رہے۔ اور انہوں نے فکر رضا کی اشاعت کا پہاڑ کے برابر کارنامہ اتنی لگن، دردمندی، نظم اور اخلاص کے ساتھ انجام دیا کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی بلکہ آپ کی آواز پر اہل علم وقلم، اہل نقد ونظر، مصنفین، ناشرین مخلصین اور معاونین کی بھیڑ جمع ہوگئی اور "مجلس رضا" آسمان رضا کی کہکشاں بن گئی۔

مجلس رضا کی تحریک ودعوت اور نقش عمل پر ایشیا ویورپ اور افریقہ امریکہ میں درجنوں ادارے قائم ہوئے۔ رضا اکیڈمی لندن، رضوی انٹرنیشنل سوسائٹی افریقہ، المجمع الاسلامی مبارکپور رضا اکیڈمی بمبئی ادارہ تحقیقات امام احمد کراچی، المجمع المصباح مبارکپور کنز الایمان سوسائٹی لاہور وغیرہ وغیرہ اور اب تو امام احمد رضا کا نام وکام اتنا دلکش اور مقبول انام ہوگیا ہے کہ مخالفین ومعاندین بھی امام احمد رضا کی تصانیف بڑے چاؤ سے شائع کر رہے ہیں دہلی میں قریب ۲۵ ناشرین "کنز الایمان مع خزائن العرفان" شائع کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رہے ہیں جو سب کے سب دیوبندی ہیں چند دیوبندی ناشرین نے اپنے مکتبوں کا نام بھی نام رضا سے منسوب کیا ہے "مکتبہ رضویہ دہلی" مکتبہ رضویہ نوریہ دہلی" اور رضا بک فاؤنڈیشن کا مالک بھی بریلوی نہیں ہے۔ لیکن ابھی سر کی آنکھیں کھلی ہیں دل کی آنکھیں کھل گئیں تو پورا وجود نور ایمان سے جگمگا اٹھے گا اور ہماری آواز میں آواز ملا کر پکار اٹھیں گے۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا — راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدیٰ موج بحر ندیٰ — روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہد خوار لعاب زبان نبی — چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے سرپرست، نباض اہل سنت

حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ

راجا رشید محمود

(رکن مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

مریض طبیب کے پاس جاتا ہے۔ آج کل بیماری یا بیماریاں بیان کرتا ہے اور مٹھی بھر گولیاں (جن میں سے ایک لازماً خواب آور ہوتی ہے) اور ٹیکے لکھواتا ہے۔ نسخہ لکھنے والے کو تو فیس ادا کرتا ہی ہے، روز بروز مہنگی ہونے والی دوائیاں، انجکشن وغیرہ خریدتا ہے اور بیماری بھگتتا ہے۔ یا تو فی زمانہ بیماریاں سخت جان ہوگئی ہیں، یا دوائیاں نرم دل ہیں کہ عموماً جو بیماری لگتی ہے، وہ بھاڑے پر لگ جاتی ہے۔ دوا کھاتے رہو اور وقت گزارتے رہو۔ ورنہ بیماری زیادہ مضبوط اور زور آور انداز میں رجعت فرماتی ہے۔ پھر ان انگریزی دواؤں کے ''سائیڈ افیکٹ'' اور ''آفٹر افیکٹ'' بھی ساتھ ساتھ برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

یونانی طریقہ علاج اور اس سے پہلے اس کا طریق تشخیص ہماری آب وہوا کے مطابق تھا۔ ہماری ضرورتوں اور مزاجوں سے لگا کھاتا تھا، اور کوئی کوئی طبیب اپنے پیشے کے ساتھ مخلص بھی نظر آتا تھا۔ حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایسے ہی مخلص طبیب تھے۔ ان کا اخلاص ''اپنے پیشے'' کے ساتھ بھی تھا مگر وہ اسے پیشہ سمجھتے نہیں تھے۔ لفاظی نہیں، خدا شاہد ہے اور وہ تمام لوگ شاہد ہیں، جنھوں نے حکیم صاحب سے کبھی نہ کبھی علاج کرایا ہے کہ وہ طبابت کو خدمت انسانیت کا ہم معنی سمجھتے تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو دن بھر میں بیسیوں مریضوں کو مفت دوا نہ دیتے۔ نیز جتنے کم پیسے وہ لیتے تھے، وہ تو دوائی کی اصل قیمت سے کہیں کم لگتے تھے۔

یعنی جتنا اخلاص حکیم صاحب کا اپنے پیشے کے ساتھ تھا، اس سے زیادہ مخلص وہ مریضوں سے رہے۔ مریض سے کم سے کم پیسے لے کر یا تمام عمر کچھ نہ لے کر صحت بانٹنے والے کو ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' کہتے ہیں۔ دوستوں میں کئی بار اس موضوع پر اظہار ہوا کہ حکیم صاحب کا دولت کے ساتھ بے نیازانہ بلکہ مخاصمانہ رویہ، دینی کاموں اور مستحقین پر خرچ کرنے کی فیاضی کے ساتھ مل کر جو استعجاب انگیز صورت حال پیدا کرتا ہے، کیا اس کا کوئی جواب ہے۔ وہ کچھ نہ کما کر، دنیا بھر کے اہل تحقیق اور ارباب قلم پر جس طرح سے خرچ کرتے تھے، جتنی کتابیں خریدتے تھے، جس طرح ان کی جلد بندی کراتے تھے، یتیموں بیواؤں کا جس انداز میں خیال رکھتے تھے (یہ حقیقت حکیم صاحب کے انتقال کے بعد سامنے آئی) مولویوں کی جتنی جیبیں بھرتے رہے، دین اسلام اور مسلک

حقہ اہل سنت و جماعت کے لیے جو کچھ کرتے رہے، مرکزی مجلس رضا کے لیے جتنے پاپڑ بیلتے رہے، یہ سب کچھ کہاں سے آتا تھا۔ لیکن اس سوال کا جواب نہ مرحوم کی زندگی میں ملا، نہ بعد میں دستیاب ہوگا۔ اللہ جانے اور اس کے محبوب کریم ﷺ جانیں۔

حکیم صاحب طبیب تو اچھے تھے ہی، نباض بھی غضب کے تھے۔ تشخیص اور علاج کے اس عمل کا تعلق کسی ایک مسلک یا مذہب سے نہیں تھا۔ کوئی سلفی عقائد کا حامل ہو یا بریلوی ہو، فقہ جعفریہ سے متعلق ہو یا دیوبندی ہو، عیسائی ہو یا قادیانی، سب کے علاج میں وہ ایک جیسے مخلص تھے۔

لیکن اگر کوئی شخص ایم بی بی ایس یا ایف آر سی ایس یا ایم ڈی کے پاس جائے، ''اجل'' حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو، ہومیو پیتھی کے سپیشلسٹ سے رجوع کرے یا آکو پنکچر کرانے چلے، مگر طبیب کی تشخیص پر اطمینان ظاہر نہ کرے، اس کی تجویز کردہ دوا بھی نہ کھائے، پرہیز کے سلسلے میں اس کی ہدایات کو بھی درخور اعتنا نہ جانے، تو وہ صحت کی طرف کیسے لوٹے گا، بیماری سے اپنا پنڈ کیسے چھڑا سکتا ہے؟

ایسے میں قصور ڈاکٹر یا طبیب کا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مریض اشتہار بھی چھاپنا شروع کردے، تقریریں بھی کرنے لگے اور نجی محفلوں میں بھی یہ کہتا پھرے کہ فلاں شخص میرا حکیم ہے، میں اس سے علاج کرا رہا ہوں مگر ظاہر ہے کہ ٹھیک نہیں ہو رہا، صحت کی طرف واپسی نہیں ہو رہی، بلکہ روز بروز حالت بگڑتی جا رہی ہے...... تو بدنام تو حکیم ہی ہوا نا۔

اہل سنت مجموعی طور پر بہت سے امراض کا شکار ہیں۔ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ نہیں، انہیں مسائل دنیا سے واقفیت نہیں، اس لیے تعلیمات دین کے ان مسائل کا حل دریافت کرنے کی طرف انہیں رغبت نہیں۔ وہ دینی معاملات میں مولوی کا شکار ہیں اور مولوی محض جلب منفعت کا ''درس نظامی'' اور محدودیت کا ''قراءت کورس'' کیے بیٹھا ہے۔ مولوی لکھی لکھائی تقریریں رٹ کر داد وصولتا ہے۔ مطالعے سے دشمنی اہل سنت کا شعار ہے، تصنیف و تالیف کی اہمیت سے انہیں آگاہی کیسے ہو سکتی ہے۔ اس طرح کے بیسیوں امراض جن میں زیادہ تر مہلک اور جان لیوا ہیں، اہل سنت کا پیچھا کر رہے ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایک اچھے نباض کی طرح ان سب کی نشاندہی کرتے رہے لیکن سنیوں نے ان کی آواز پر کان نہیں دھرا۔ جس بزرگ شخصیت نے حکیم محمد موسیٰ کو ''حکیم اہل سنت کہا ہوگا، ان کا خیال یہ تھا کہ ان کی تشخیص درست ہے، سنی ان کے تجویز کردہ علاج اور پرہیز پر توجہ دیں گے، صحت یاب ہو جائیں گے اور ''حکیم اہل سنت'' کا خطاب ان کی شخصیت پر سجے گا۔ مگر بدقسمتی سے سنیوں کے کسی طبقے نے حکیم صاحب کی تشخیص کو نہ مانا۔ ان کے تجویز کردہ نسخوں پر عمل کیا کرتے۔ نتیجے کے طور پر امراض گھمبیر اور لاعلاج ہوتے گئے اور ''حکیم اہل

سنت'' کا تمغہ ان کی عزت افزائی کا باعث نہ بنا۔

موجودہ نامساعد حالات اور افسوسناک صورت حال میں حکیم صاحب کو ''حکیم اہل سنت'' کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کی ناکامی کا اشتہار لگاتے پھریں، لوگوں کو بتاتے پھریں کہ ہم سنیوں کے موجودہ حال زار کی ذمہ داری اس حکیم پر ہوتی ہے جس کے علاج کے باوجود ہم جانبر نہیں ہو رہے۔ اس لیے میرے خیال میں حکیم محمد موسیٰ پر یہ الزام، یہ اتہام نہیں لگنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں ''نباض اہل سنت'' کہ لیجئے کہ انہوں نے امراض اہل سنت کی تشخیص درست کی تھی۔ ہم نے ان کا تجویز کردہ علاج طاق نسیاں میں کیا رکھنا تھا، اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ نے چاہا کہ اہل سنت اصلاح معاشرہ کی تحریکیں چلائیں، حقوق العباد کے سلسلے میں آ گاہی حاصل کریں اور اس آ گاہی کو عام کریں، کسانوں مزدوروں، استادوں، طالبعلموں، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں للّٰہیت اور بے لوثی کے جذبے سے کام کریں، گلیوں محلوں قصبوں شہروں میں جرائم کی بیخ کنی اور نیکیوں کے فروغ کے لیے فی سبیل اللہ جان لڑائیں، ان کے مولوی جدید دنیا کے معاملات اور مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی معلومات سے بہرہ مند ہو کر پڑھے لکھے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ سنیوں کے پڑھے لکھے لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور تصنیف و تالیف کے حوالے سے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا ازالہ کریں۔

اسی لیے انہوں نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شعبہ تصنیف و تالیف قائم کروایا۔ مجھے بھی اس میں شامل کیا بہت سا کام بھی اپنی نگرانی میں کروایا۔ انجمن اساتذہ پاکستان کے قیام میں بھی حکیم صاحب کی پرزور حمایت اور سرپرستی کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ جب سنی کانفرنس ملتان کے موقع پر کراچی کیمپ میں مشہور محقق، مورخ، تذکرہ نگار، صحافی اور شاعر خواجہ رضی حیدر نے ''پاکستان سنی رائٹرز گلڈ'' کی بات کی تو حکیم صاحب نے فوراً اس کے قیام پر صاد کیا۔ میری عدم موجودگی میں، مجھے پنجاب کا کنوینز مقرر کر دیا گیا۔

مجھے معلوم ہوا تو میں نے رسا تڑوانے کے لیے زور مارا، مگر جب مجھے محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا حوالہ ملا تو میں خاموش ہو گیا۔ چاروں صوبوں کے لیے کنوینز مقرر کر دیئے گئے تھے۔ میں نے مرکزی کنوینز کے لیئے خواجہ رضی حیدر (محرک) کا نام تجویز کیا تو وہ بھی منظور کر لیا گیا۔ سنی کانفرنس کے چار اجلاس ہوئے تھے۔ پہلے اجلاس میں مجھے نظم پڑھنا تھی جو میرے مجموعہ کلام ''منظومات'' میں شامل ہے۔ آخری اجلاس میں پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے قیام، غرض و غایت اور نصب العین کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیئے بھی قرعہ فال میرے نام پڑا۔

پنجاب کے ایک قصبے کے ایک مشہور مولوی صاحب نے حکیم صاحب کو خط لکھ کر اس غلطی کی جانب

متوجہ کیا کہ ایک غیر مولوی کو صوبہ پنجاب کے لیے پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کا کنوینر کیوں مقرر کیا گیا ہے۔ حکیم صاحب نے مولانا موصوف کو جو جواب دیا، کوئی تین ہفتے بعد مجھے اس کے بارے میں بتایا۔ حکیم صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ جونہی کام کرنے والا مولوی مجھے دیں گے، راجا رشید محمود فوراً استعفیٰ دے کر اس کی معاونت میں لگ جائے گا۔ نیز یاد رہے کہ رشید عالم تو نہیں ہے مگر ''یا رسول اللہ'' کے بعد ''ﷺ'' نہیں ''صلی اللہ علیک وسلم'' لکھتا ہے اور اعلیٰ حضرت کا نام لکھتے ہوئے ''رَضا'' نہیں ''رِضا'' لکھتا اور بولتا ہے۔ دراصل مولوی صاحب کے پیڈ پر یہ دونوں غلطیاں موجود تھیں اور ہمیشہ رہیں۔

حکیم محمد موسیٰ گلڈ کے سرپرست تھے۔ مجھے ان سے بھی محبت تھی ان کے ''کاز'' سے بھی محبت تھی، اس لیئے میں نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور گلڈ کو فعال کرنے میں لگ گیا۔ اس سلسلے میں مجھے جو دقتیں پیش آئیں، جو مسائل پیدا ہوئے بھاگ دوڑ کرنی پڑی، عدم تعاون کے مناظر نے جس طرح میری آنکھیں چندھیا دیں، وہ میں جانتا ہوں، حکیم صاحب جانتے تھے یا میرا خدا جانتا ہے۔ اور حکیم صاحب کی شخصیت سے جن حضرات کو واسطہ رہا ہے، انہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ گلڈ کو بنانے بڑھانے کے لیئے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا۔

پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کا دستور خواجہ رضی حیدر نے بنا کر بھیجا۔ یہ پاکستان رائٹرز گلڈ کے دستور کی نقل تھی۔ ہر صوبے کو اپنے ارکان میں سے آٹھ صوبائی عہدیدار چننے تھے۔ اور دو ارکان کو مرکز کے لئے منتخب کیا جانا تھا۔ میں نے حکیم صاحب کی ہدایت پر تمام ضروری چیزیں چھاپ کر باقی صوبوں کے کنوینز حضرات کی خدمت میں ارسال کیں، ان سے مسلسل رابطہ رکھا، اپنی کارکردگی سے انہیں آگاہ کرتا رہا، مگر ہوا یوں کہ میں نے تو پنجاب میں انتخابات کرا دیئے، باقی کسی صوبے میں کوئی کام نہ ہوا۔ سندھ کے کنوینز نے کاغذات واپس کر دیئے اور لکھا کہ افسوس، میں کسی کو گلڈ کا ممبر نہیں بنا سکا (حتیٰ کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی رکن نہ بنا سکے تھے) سرحد کے کنوینز صاحب نے آخر میں یہ جواب دیا کہ میں تو اللہ اللہ کرنے جنگلوں میں جا رہا ہوں، کچھ نہیں کر سکتا۔ بلوچستان کے کنوینز ایک پروفیسر صاحب تھے۔ ان سے رابطہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ آخر پتا چلا کہ وہ تبدیل ہو کر کراچی کے کسی کالج میں پہنچ چکے ہیں۔ میں نے کراچی کے کچھ دوستوں کو ان سے رابطے کے لئے لکھا لیکن پروفیسر صاحب نے ان کی بات تک سننا گوارا نہ کیا۔

میرے سامنے مجلّہ ''نور الحبیب'' بصیر پور کا ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کا شمارہ ہے۔ جس میں نعیم قادری نے گلڈ کے ایک اجلاس کی لمحہ لمحہ رپورٹ لکھی ہے۔ رپورٹ میں لکھا ہے۔ ''چودھویں صدی ہجری کے آخری سال کا ہلال نمودار ہوا۔ ٹھیک دو مہینے بعد ربیع الاول کو گلڈ کا نیا سال شروع ہو جائے گا۔ قیام سے اب تک انتہائی قلیل مدت میں انتھک محنت اور بے پناہ جدوجہد کے بعد پنجاب کے کنوینز جناب راجا رشید محمود ایک سو چھ (۱۰۶) ارکان کا قافلہ تیار

کر چکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔۔۔"

نعیم قادری لکھتے ہیں کہ" گلڈ کے سرپرست اور الیکشن کمیٹی کے سربراہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری تھے۔ ووٹ کی پرچیاں نہایت احتیاط سے ارکان کو رجسٹری کر دی گئی تھیں۔ وصولی کی آخری تاریخ ۱۰ جنوری تھی۔ اسی دن الیکشن کے نتائج کا اعلان ہوا۔ میاں جمیل احمد شرقپوری نے گلڈ کے دفتر واقع مدینہ منزل، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور کا افتتاح کیا۔ الیکشن کمیٹی میں حکیم صاحب کے علاوہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی اور پروفیسر طاہر القادری تھے۔ ۷۲ ووٹروں نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ الیکشن کمیشن کے تینوں ارکان نے ووٹ گنے۔ حکیم صاحب نے کامیاب امیدواروں کے ناموں کا اعلان کیا۔ راجا رشید محمود (۷۶ ووٹ) محمد منشاء تابش قصوری (۶۷ ووٹ) محمد عبدالحکیم شرف قادری (۶۴ ووٹ) پروفیسر آفتاب احمد نقوی (۵۳ ووٹ) پروفیسر غلام سرور رانا (۵۰ ووٹ) سید نور محمد قادری (۴۹ ووٹ) شاہ محمد چشتی (۴۱ ووٹ) اور محمد شفیع رضوی (۴۱ ووٹ) پنجاب کے لیے اور سید حامد لطیف (۵۷ ووٹ) اور محمد عالم مختار حق (۵۷ ووٹ) مرکز کے لئے منتخب ہوئے"۔

راقم الحروف (راجا رشید محمود) کے پاس تو وہ تحریر موجود نہیں ہے۔ پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے کسی آخری عہدیدار کے پاس ریکارڈ میں ہوگی، نعیم قادری نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:" راجا صاحب کی کنوینر شپ کی مدت ختم ہونے کو تھی چنانچہ راجا صاحب نے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے سے قبل کی کارکردگی رپورٹ پیش کی۔ انہوں نے اپنے پانچ صفحے کی رپورٹ میں قیام سے اب تک گلڈ کی لمحہ لمحہ کی کہانی کو نہایت اجمال و اختصار سے الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر بڑے حسین اور منفرد انداز سے ترتیب دیا تھا اور پھر خود ہی اسے پڑھ کر سنایا۔ راجا صاحب کے پڑھنے کا انداز بھی انوکھا تھا۔ الفاظ کے زیر و بم کے ساتھ دلوں کی دھڑکنیں بھی پابند ہو گئیں تھیں۔ موصوف گویا تھے اور حاضرین ہمہ تن گوش۔ انہوں نے اپنی کنوینر شپ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

"۔۔۔ میں نے کنوینر شپ سے معذرت کی تو مجھے حکیم صاحب کا حکم سنا دیا گیا۔ اب حکیم صاحب کی سنیت کے لئے لازوال اور فقید المثال قربانیاں کسی دشمن عقل و ہوش کی نظر سے پوشیدہ ہوں تو ہوں۔ میرا تو سر نیاز ان کے آگے ہمیشہ جھکا رہے گا اور جب میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ مسلک کی کوئی خدمت کی ہے۔ اس صورت حال میں، میں، میری رائے، میری خواہش، میری مجبوریوں اور مصروفیتوں، ۔۔۔ کسی چیز کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ میں حکیم صاحب کا نام سنتے ہی سپر انداز ہو گیا۔ میرے لیے کنوینر شپ سنبھالنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہا تھا"۔

نعیم قادری نے مزید لکھا ہے کہ آمدن اور خرچ کی مدّات بیان کرتے ہوئے راجا رشید محمود نے کہا:

"آج تک ارکان کی فیس اور مختلف صاحب دل حضرات سے وصول شدہ عطیات سے ۴۷۰۵ روپے کی آمدن

ہوئی ہے۔ خط کتابت اور بعض ضروری چیزیں خریدنے پر سوا سال کے عرصے میں ۶۹۰ روپے خرچ ہوئے جن میں انتخابات کا خرچ بھی شامل ہے۔ ۴۰۱۵ روپے میرے پاس امانت کے طور پر موجود ہیں اور خازن کا انتخاب ہوتے ہی اس کے سپرد کردیئے جائیں گے۔۔۔ سوا سال کی کنوینرشپ میں ایک بات جس پر میں فخر کرسکتا ہوں، یہ ہے کہ میں نے گلڈ کی رقم کو کم سے کم خرچ کیا ہے۔ اس سلسلے میں جس قدر بھاگ دوڑ کی ہے اس میں انرجی، وقت اور پٹرول کا خرچ میری ذات کے حوالے سے ہوا۔ تمام چٹھیوں کو سائیکلو سٹائل کروانے کا اہتمام بھی میرے ذمے رہا۔ پیڈوں کے لئے کاغذ محمد شفیع رضوی نے لے کر دیا۔ پیڈوں اور رسیدوں وغیرہ کی کتابت کا خرچ اور پیڈوں وغیرہ کی طباعت کا خرچ بھی میں نے گلڈ پر نہیں پڑنے دیا۔۔۔ خداوند کریم کے فضل و کرم اور سرکار دو عالم ﷺ کی رحمت کے بعد حکیم صاحب مدظلہ کی ذاتی دلچسپی، رہنمائی اور تلطف میرے شامل حال نہ ہوتا تو آج میں ہم چشموں میں سرخرو نہ دکھائی دیتا۔''

نعیم قادری نے اپنے طور پر لکھا: ''عرف عام میں حکمت، طب کے مترادف شمار کی جانے لگی ہے مگر جیسا کہ ہر معاملے اور فیصلے میں حکمت و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح مسلک کے لئے بھی دانشمندی نہایت اہم ہے۔ جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری اہل سنت کے لئے بہت بڑے حکیم ثابت ہوئے ہیں۔ کام کرنے کے لئے نئے پہلو نکالنا ان کے بعد ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ گلڈ کے معاملے میں بھی وہ بڑے حساس ثابت ہوئے ہیں''۔

نعیم قادری کی یہ رپورٹ نور الحبیب کے محولہ بالا شمارے میں صفحہ ۲۸ تا ۳۳ پر شائع ہوئی۔ کسی اور صوبے میں پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کا کوئی کام نہ ہوا۔ میں اپنے خرچ پر کراچی بھی گیا۔

کراچی میں خواجہ رضی حیدر اور مولانا عبدالمنعم ہزاروی نے جسطرح میری پذیرائی کی، میرے تین ہفتے کے قیام کے دوران میں جس طرح استقبالیوں، پارٹیوں اور تقریبوں کا اہتمام کیا اور کرچی کے سینوں میں جس انداز میں پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کو متعارف کروایا، اس کے لئے میری ممنونیت تو مسلم ہے مگر میری لاہور واپسی کے بعد پھر کام ٹھنڈا پڑ گیا۔ حکیم صاحب اس صورت حال پر سخت پریشان ہوگئے۔ دستور کے مطابق جب تک سب صوبے الیکشن نہ کرالیتے اور اپنے صوبے کے عہدیداروں کے علاوہ مرکز کے لئے دو دو ارکان منتخب نہ کرلیتے، تنظیم ہی نہیں بنتی تھی۔

حکیم صاحب کی ہدایت پر مرکزی کنوینر خواجہ رضی حیدر سے مشورہ کیا گیا اور طے پایا کہ جنرل باڈی کا اجلاس بلا کر دستور کی ہیئت تبدیل کردی جائے اور جتنے ارکان بن چکے ہیں، انہی کے ذریعے مرکزی تنظیم بنا کر کام چلایا جائے۔ یہی ہوا، مرکزی تنظیم بن گئی۔ ماہانہ اور ہفتہ وار اجلاس بھی منعقد کیے جانے لگے، کچھ کتابیں بھی چھپیں

۔۔۔مگر۔۔

الیکشن، عہدے، نام، شہرت ایسی بیماریاں ہیں اور جمہوریت ایسا عذاب ہے کہ اس کے لئے سازشوں کے جال بچھائے جاتے ہیں، آگے آنے کے لئے جائز وناجائز حربے استعمال کئے جاتے ہیں، کھل کر نہ سہی، اندر ہی اندر مخلصین کو مطعون کرنے کی سرگوشیاں ترتیب دی جاتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال اسی لئے جمہوریت کے سخت مخالف تھے:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

نیز فرمایا:

گریز از طرز جمہوری، غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

جمہوریت کے برگ وبار نے پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کو بھی کھالیا۔ حتیٰ کہ میں نے استعفیٰ دے دیا۔ حکیم صاحب نے سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا اور سنیوں کی یہ تنظیم بھی حکیم صاحب کو "حکیم اہل سنت" ثابت کرنے کی راہ میں حائل ہوگئی۔

ماہنامہ "نورالحبیب" بصیر پور کے اگست ۱۹۹۲ کے شمارے میں "ہمارا تنظیمی فقدان" کے عنوان تلے "خان قادری" نے پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کے "غفرلہ" ہونے کے بارے میں جو کچھ لکھا، اس پر بات کو ختم کرتا ہوں۔ انہوں نے لکھا:

"حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ، راجا رشید محمود اور کراچی کے بعض احباب کی کوششوں سے ملتان سنی کانفرنس کے موقع پر "پاکستان سنی رائٹرز گلڈ" کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن دو اڑھائی سال کے بعد یہ تنظیم اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اس کے کنوینر راجا رشید محمود صاحب نے اپنی انرجی، وقت اور پیسے کی پروا کیے بغیر شب وروز کام کیا اور اڑھائی سو کے لگ بھگ سنی لکھاریوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرلیا۔ بعد میں جو احباب شامل ہوئے تھے، وہ اس کے اغراض ومقاصد کو سمجھ نہ سکے اور گلڈ کے لئے ایسی نئی سمتوں کا تعین کیا جانے لگا جو اس کے مقاصد قیام سے لگا نہ کھاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ گلڈ کے بانیوں کو یہ گوارا نہیں تھا چنانچہ اس کشمکش کے نتیجہ میں نوواردوں کا قبضہ ہوگیا۔ پھر پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کو زمین کھا گئی یا آسمان اچک کر لے گیا یا پھر فضا میں تحلیل ہوگئی۔ کیونکہ کئی سالوں سے گلڈ کا نام تک نہیں سنا گیا۔ سنی مصنفین کے لئے یہ مل بیٹھنے کا ایک اچھا موقع تھا۔ اہل سنت فکری میدان میں خود کفیل ہوسکتے تھے۔ لٹریچر کا بانجھ پن ختم ہوسکتا تھا۔ لیکن برا ہو مفاد پرستی کا جس نے ایک بلند مقاصد منصوبے

کو برگ و بار آنے سے پہلے ہی ختم کر دیا۔ اب ہمارے پاس سنی مصنفین کے لئے کوئی تربیت گاہ نہیں اور نہ ہی تحقیق طلب موضوعات پر لکھنے لکھوانے کا کوئی اجتماعی ادارہ ہے۔ انفرادی طور پر جو کام ہو رہا ہے، اس کی افادیت بالکل محدود ہے۔ جبکہ مد مقابل تنظیمیں تحقیقی و تصنیفی میدان میں ایسے ایسے منصوبوں پر کام کر رہی ہیں جن کی طرف توجہ دینا ''اکابرین'' نے اپنے فرائض سے خارج کر رکھا ہے۔ بہر حال، سنی رائٹرز گلڈ کی تباہی ایک بہت بڑا سانحہ ہے''۔

حضرات! اب تو حکیم صاحب کو ''حکیم اہل سنت'' کہنا ترک کر دیجئے۔ اب تو مان لیجئے کہ محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری ''نباض ملت'' ہی تھے۔ ان سے اہل سنت کے کسی طبقے نے علاج کرانے کا ''جرم'' نہیں کیا۔ ان کے تجویز کردہ ہر نسخے سے انحراف ہی ہماری زندگیوں کا تخصص رہا، اسی لئے ہم ہر میدان میں کمزور، علیل بلکہ مرفوع القلم رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری سنیت کے اعتبار سے ایک ناکام شخص تھے۔ وہ قبرستان میں اذان دینے میں لگے رہے، مردوں نے کروٹ تک نہ لی۔ وہ سوتوں کو جگانے کی سعی کرتے رہے، نیند کے ماتوں نے خراٹوں کو مستقل کر لیا۔ وہ فالج زدوں کے علاج پر تلے رہے، مفلوجوں نے ایکا کر کے ان کی تشخیص کا مذاق اڑایا، ان کے طریق علاج کی بھد اڑائی، ان کے تجویز کردہ پرہیز کو اپنے حقوق پر ڈاکے کے مترادف سمجھا۔

سنیو! تم میں حکیم محمد موسیٰ ناحق پیدا ہوا تھا۔ اب تو وہ اپنے رب کریم کے پاس چلا گیا ہے، اب تو خوش ہو۔ تمہیں اب کوئی جگانے کی جسارت نہیں کرے گا۔ تمہاری ناکردہ کاریوں کو کارکردگی میں بدلنے کی خواہش اب زندہ نہیں ہے۔ اب اپنے زخم چاٹتے رہو۔ اپنے کوڑھ زدہ جسم، اپنے بدبودار زخموں، ناکارہ دلوں اور مردہ ضمیروں پر اظہار اطمینان کرنے والو۔ مبارک ہو۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو اپنے خالق و مالک کے پاس پہنچے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم

سید جمیل احمد رضوی

حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ بمطابق ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ بروز بدھ اس دار فانی سے انتقال کر گئے ان کی اچانک وفات سے گہرا صدمہ ہوا۔ مرحوم کی شخصیت کو ایسی خوشبو سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو ہوا میں پھلتی چلی جاتی ہے اور ماحول کو معطر کر دیتی ہے وہ نسیم جس کے احساس سے انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے وہ ایسی روشنی تھے جو گرد و پیش کو نہ صرف منور کر دیتی ہے بلکہ تسکین آور اور خوش کن اثر رکھتی ہے یا پھر ایسی روشنی جو روز روشن کا سبب بنتی ہے اور اس کی ضیا پاشی سے زمین کا سینہ چمکنے لگتا ہے۔ یہ تمثیلی زبان ہے لیکن حقیقت پر مبنی ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت حکیم صاحب کا گیارہ ہزار کتب پر مشتمل ذخیرہ ہے جو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو بطور عطیہ عنایت کر دیا۔ یہ مرحوم کی متاع حیات تھی جو انہوں نے قوم کے حوالے کر دی تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں، علم و عرفان کا نور پھیلے کتاب کی خوشبو عام ہو اور جہالت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔

کتاب کے بارے میں متنبی نے کہا ہے

اعز مکان فی الدنی سرج سانح
وخیر جلیس فی الزمان کتاب

یعنی دنیا میں سب سے باعزت جگہ گھوڑے کی زین ہے اور زمانے میں بہترین ساتھی کتاب ہے

۔حکیم صاحب نے ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ کو قریباً ساڑھے پانچ ہزار کتب پر مشتمل اپنا ذخیرہ لائبریری کو عنایت کیا اس کے بعد وہ برابر کتابیں بھجواتے رہے۔ قریباً گذشتہ دس سال کی مدت میں انہوں نے اتنی تعداد میں اور کتابیں بھجوائیں جو اس ذخیرہ کتب کا حصہ بنتی رہیں اس طرح انکی وفات حسرت آیات تک کتابوں کی تعداد گیارہ ہزار کے قریب ہوگئی۔ اس ذخیرے کی فہرست تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے جو اندازاً نو ہزار نو سو سولہ کتب کے کوائف پر مشتمل ہے ان تینوں جلدوں کے صفحات پونے دو ہزار ہیں۔ زیر حوالہ فہرست کو راقم السطور نے مرتب کیا ہے۔ اس فہرست کی چوتھی جلد تیاری اور اشاعت کے مرحلے کی منتظر ہے حکیم صاحب کو کتابوں اور اپنے احباب سے کتنا پیار تھا اس کا اندازہ کسی حد تک اس عربی شعر سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنی ذاتی یادداشتوں پر مشتمل ڈائری میں نقل کیا ہے۔

ولا احد ان مت یبکی لمیتی
سوی مجلسی فی الطب و الکتب باکیا

اس شعر کا ترجمہ یہ ہے: اگر میں وفات پا جاؤں تو مجھ پر کوئی نہیں روئے گا سوا ان کے جو میرے مطب میں حاضری

دیتے ہیں یا (میری) کتابیں اس کی صداقت کا اندازہ واقعاً آپ کی وفات پر ہوا۔ جب آپ کے احباب، نیاز مند اور عقیدت مند ایک دوسرے کے گلے ملتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ حاضرین کے چہرے غم زدہ اور افسردہ تھے۔ دل مغموم تھے۔ آنکھیں نم تھیں۔ لیکن حکیم صاحب کی عظمت کے زمزمے ان کے لبوں پر تھے ان کی علم دوستی اور ادب پروری کے واقعات بیان کئے جا رہے تھے، ان کی شفقت، محبت، فراخ دلی اور جود و سخا کے واقعات زبانوں پر تھے۔

۱۹ ستمبر بروز جمعہ اسی پرنور مسجد داتا گنج بخش. میں آپ کے ایصال ثواب کے لیے قل خوانی ہوئی اس روز بھی ہم نے حکیم صاحب کے معتقدین اور متوسلین کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ ۲۰ ستمبر کی صبح میں جب لائبریری پہنچا تو میرے ذہن پر اس عربی شعر کا بہت گہرا اثر تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ آپ کی وفات پر آپ کی کتابیں بھی تو رو رہی ہوں گی۔ میں لائبریری میں محفوظ انکے ذخیرہ کتب کے قریب حاضر ہوا۔ دیکھا کہ پچیس الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ہر الماری کے چھ خانے ہیں اس طرح ایک سو پچاس شیلوز (خانوں) میں ''علم کے موتی'' اپنی روشنی سے اس افسردہ ماحول کو منور کر رہے تھے۔ سوچا کہ ان کو تعزیت پیش کرنی چاہیے کہ انکو جمع کرنے، محفوظ کرنے اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ دینے والی شخصیت اب اس دنیا سے پردہ کر گئی ہے میں نے پہلی الماری کے پہلے خانے پر موجود کتابوں کے سینے پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا اور یہ کلمات دہرائے کہ صاحب ذخیرہ (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) وفات پا گئے۔ میں انکی وفات حسرت آیات پر تعزیت پیش کرتا ہوں اس طرح میں ایک ایک الماری کے پاس گیا اور کوشش کی کہ ہر الماری کے ہر خانے میں موجود کتب کو تعزیت پیش کرتا جاؤں یہاں تک کہ میں آخری الماری کے آخری خانے تک پہنچ گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے ذخیرہ کتب کے قریب کھڑا رہا۔ میری زبان اور لبوں پر خود کلامی کے انداز میں حکیم صاحب کے لیے تحسین و توصیف کے کلمات نکلنے کے لیے بے تاب تھے۔ دل تعزیتی جذبات سے لبریز تھا۔ میں اس منظر کو اپنی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جب اس سال ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ کے دن اس وقت جب کتابوں سے بھری ہوئی دو ویگنیں حکیم صاحب کے مطب سے یونیورسٹی کی طرف حرکت کرنے کے لیے تیار کھڑی تھیں میں حکیم صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے قریب حاضر ہوا۔ مصافحہ کیا اور ان کے چہرے پر ایسے تاثرات دیکھے جو زبان حال سے بتا رہے تھے کہ اپنی متاع حیات کو پنجاب یونیورسٹی اور قوم کے حوالے کر رہا ہوں یہ زندگی بھر کا اثاثہ ہے اور پھر ۷ انومبر ۱۹۹۹ کا دن جب حکیم صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی اور جان ہی دے دی جگر نے کتابوں کو جمع کرنے کے لیے ان کی بیقراری سکون وطمانیت میں بدل گئی

آج پائے یار پر۔ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

اگرچہ حکیم صاحب کی ذات اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن ان کا نام اور کام ہمیشہ زندہ رہے

گا۔ یہاں پر مجھے اسلام آباد کے ایک فاضل مصنف جناب محمد نذیر رانجھا کے مکتوب کا ایک اقتباس یاد آ رہا ہے جو انہوں نے ''فہرست'' کی جلد سوم کی اشاعت پر محترم کی۔ میاں زبیر احمد کو ۱۹ ستمبر ۱۹۹۸ کو لکھا تھا وہ حکیم صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ذخیرہ کتب حکیم صاحب کی تیسری جلد پا کر ماضی کی یاد تازہ ہوگئی۔ شاید ۱۹۷۶ میں احقر نے عزم کیا کہ صاحبان علم وفضل سے ان کے حالات لے کر جمع کیے جائیں۔ لہذا مختلف حضرات کو عریضے لکھے۔ محترم حکیم صاحب نے احقر کے عریضے کے جواب میں لکھا:

''آپ نے میرے حالات طلب کیے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرے مرنے کے بعد بہت سا مواد آپ کے ہاتھ لگ جائے گا''۔

محترم حکیم صاحب کے ان الفاظ کو پڑھ کر احقر ورطہ حیرت میں گم ہو گیا اور عرصہ دراز تک ان الفاظ کی بیسیوں تاویلیں گھڑتا رہا۔ آج جب آپ کی طرف سے یہ کتاب موصول ہوئی تو ان الفاظ کی حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ واقعی جس صاحب نے اپنی زندگی کسی خاص مشن اور نیک مقصد کے لیے وقف کر دی ہو اور وہ اپنے مشن کا امین مقصد کا دھنی اور صادق القول والعمل ہو، اللہ کے سب بندوں کے ساتھ بلا امتیاز رنگ ونسل اور مذہب و ملت خندہ پیشانی اور وسیع القلبی سے پیش آتا ہو۔ علمی بخل اور تنگ نظری کا جس کے ہاں شائبہ تک نہ ہو جو نہ صرف طبقہء اشراف اور امور دانشوروں کا قدرداں ہو بلکہ وہ وادی علم و دانش کے ہر نووارد، گمنام اور بے دست و پا رہرو کی صدق دل سے رہنمائی اور معاونت کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہو اور جس کے حسن اخلاق اور علم وادب پروری کے اپنے اور پرائے سبھی معترف ہوں، یقیناً اس سے سوانحی خاکہ طلب کرنا حماقت تھی۔ کیونکہ بقول شاعر راز و نیاز حافظ شیراز

ہرگز　غیرد　آنکہ　دلش　زندہ　شد بعشق
ثبت　است　برجریدہ　عالم　دوام　ما

حکیم صاحب کے نیاز مند اور احباب جانتے ہیں کہ وہ احترام آدمی کے تصور کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے وہ انسانی تکریم کے نظریہ کے زبردست حامی تھی۔ احقر نے حکیم صاحب کی وفات پر ایک تعزیت نامہ بنام میاں ''زبیر احمد صاحب اور محمد ریاض ھمایوں سعیدی صاحب'' میں لکھا کہ مختلف مسالک اور مکاتب فکر رکھنے والے لوگ آپ کے پاس آتے تھے، ان کی مجلس سے مستفید ہوتے تھے اور انکی فراخ دلی اور انسان شناسی کے قائل ہو جاتے تھے۔ بیرون ملک سے آنے والے غیر ملکی بھی آپ کے مطب میں حاضری دیتے تھے اور دامن مراد بھر کو لوٹتے تھے۔ حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہ) کی شخصیت ملت کا مشترکہ قیمتی سرمایہ تھی۔ آپ اپنی ذات میں ایک

انجمن تھے۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ حکیم صاحب کی وفات سے قومی اور ملی نقصان ہوا ہے۔ موت العالم موت العالم حکیم صاحب کی شخصیت ملت میں ایک ''دیدہ ور'' کی حیثیت رکھتی تھی بقول علامہ اقبال. ایسا دیدہ ور چمن میں بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اس فارسی شعر کا ترجمہ کسی نے اس طرح کیا ہے

سالہا دیر و حرم میں زندگی روتی رہی
تب کہیں نکلا کوئی اس بزم سے دانائے راز

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ پر ایک نظر

سید محمد عبداللہ قادری

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوریؒ (۷ انومبر ۱۹۹۹ء) کا پہلے نام غلام مصطفیٰ تھا۔ لیکن آپ کا نام غلام مصطفیٰ رائج نہ ہوسکا اس سلسلہ میں مولانا غلام دستگیر نامی کے مضمون "مجذوبوں کی باتیں"، مطبوعہ، ماہ نامہ رنگ و بو لاہور دسمبر ۱۹۶۱ء ملاحظہ فرمائیں۔

امرتسر کے مجذوب بابا عبداللہ المشہور رگھوڑ اسائیں امرت سر میں صاحب کرامات تسلیم کے گئے تھے اہل شہر بلا امتیاز مذہب و ملت ان کے معتقد تھے نیم برہنہ حالت میں رہتے تھے۔

امرت سر کے مشہور طبیب فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم کے ان مجذوب سے گہرے تعلقات تھے ایک دن حکیم صاحب سے کہنے لگے کہ تمہارے گھر "موسیٰ" پیدا ہوگا چنانچہ سال بعد لڑکا تولد ہوا قرآن مجید سے نام نکالا تو موسیٰ ہی نکلا پھر دوسرے کئی لوگوں کو کہا کہ آپ قرآن مجید سے نام تلاش کریں تو سب کو موسیٰ نام ہی سامنے آیا۔ آخر حکیم صاحب (فقیر محمد چشتی) نے حضرت مفتی محمد حسن امرتسری کو کہا کہ آپ نام نکالیں تو انہوں نے بھی موسیٰ ہی نکالا آخر یہی نام رکھا گیا۔

ایک بار "غلام مصطفیٰ" رکھا مگر یہ رائج نہ ہوسکا اور مجذوب کا بتایا ہوا نام قائم رہا۔

پاکستان آنے کے بعد تک بھی حکیم محمد موسیٰ کا نام غلام مصطفیٰ چلتا رہا۔ بنک اکاؤنٹ بھی اسی نام پر تھا پھر بعد ازاں آپ نے اخبارات میں اشتہار دے کا اپنا نام بدل لیا۔۔۔ اشتہار کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"اطلاع عام"

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ راقم کا نام دراصل غلام مصطفیٰ ہے لیکن بچپن ہی سے محمد موسیٰ کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے کئی دستاویزات اور سرکاری و غیر سرکاری محکمہ کے ریکارڈوں میں کہیں غلام مصطفیٰ ہے اور کہیں محمد موسیٰ ہے لہذا میں نے اپنے عرفی نام یعنی محمد موسیٰ ہی کو اپنا صحیح نام رکھ لیا ہوا ہے اور غلام مصطفیٰ ترک کر دیا ہے چنانچہ آئندہ سے جو خط و کتابت تحریر ہوگی وہ "محمد موسیٰ" کے نام سے ہی ہوگی۔

حکیم محمد موسیٰ ولد حکیم فقیر محمد امرتسری مرحوم

مالک یونانی دواخانہ رام گلی نمبر ۲ لاہور

(روزنامہ "آزاد" لاہور ۱۴، ۱۵ جنوری ۱۹۵۸ء)

☆ تاریخ پیدائش ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء / ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ

☆ والد کا نام فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری (۱۸۶۴-۱۹۵۲)

☆ دادا کا نام حکیم نبی بخش چشتی امرتسری

☆ مقام پیدائش	امرتسر

☆ والدہ کا نام	غلام فاطمہ بنت جناب کریم شیخ مرحوم۔ جو کشمیری الاصل شیخ ہیں۔

☆ قومیت	جاٹ قوم کی مشہور گوت قان سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆ اولاد	اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ اپنی ہمشیرہ (حلیمہ بی بی) کی بیٹی، نصیبہ کو اپنی بیٹی بنالیا۔ بچپن سے لے کر اپنی وفات تک حکیم صاحب نے اپنی بیٹی کو بڑے ناز و نعم سے پالا جسمانی روحانی پرورش کی۔

ہومیو ڈاکٹر اخلاق احمد زخشانی (پشین کوئٹہ) کے ساتھ شادی ہوئی ڈاکٹر صاحب کوئٹہ چھوڑ کر مستقل طور پر شاد باغ لاہور میں حکیم صاحب کے ہاں رہنے لگے اپنا کلینک کھول لیا۔ شاد باغ سے ہی ایک پندرہ روزہ رسالہ "رخش" شروع کیا پہلا پرچہ (۲۶ اگست ۹ ستمبر ۱۹۹۶ء) چھپا دوسرا پرچہ اشاعت کے مراحل میں تھا۔ کہ اچانک شریان دماغ پھٹنے سے ۱۱ نومبر ۱۹۹۶ء کو رحلت فرما گئے انا اللہ وانا الیہ راجعون وصیت کے مطابق اپنے خاندانی قبرستان پشین کوئٹہ میں محو استراحت ہیں ڈاکٹر صاحب کے دو بیٹے ہیں۔ جہاں زیب۔ حسن فاروق (حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نواسے ہیں)

☆ بھائی حکیم غلام قادر حکیم نور الدین، حکیم شمس الدینؒ، حکیم جلیل الدینؒ، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حکیم غلام مرتضیٰ۔

☆ بہنیں۔ عنایت بیگم محمد بی بی، حلیمہ بی بی، حفیظ بیگم، حمیدہ بیگم۔

☆ دینی تعلیم قرآن مجید ناظرہ۔ استاذ القرا قاری کریم بخش سے پڑھا عربی فارسی صرف ونحو کی تکمیل۔ مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی (۱۹۴۷ء) مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے کی۔ پھر مزید استفادہ کے لیے بحر العلوم و الفنون حضرت علامہ محمد عالم آسی امرتسری کے ہاں جا پہنچے۔

☆ مثنوی روم مثنوی روم کے پہلے دو دفتر اپنے والد مکرم حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری سے پڑھے۔

☆ علم طب اپنے والد مکرمؒ سے سیکھا جو آپ کا خاندانی پیشہ ہے۔

☆ کاروباری حساب کتاب کے لیے۔ "لنڈے"، جناب محمد شفیع پاندہ سے پڑھے ان دنوں ہندو دوکاندار بہی کھاتہ لنڈوں میں لکھتے تھے۔

☆ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے خاندان کے تمام بزرگ حنفی اور بشر با صوفی، صافی تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے والد ماجد حکیم فقیر محمد چشتیؒ پہلے اپنے رشتہ کے چچا مولوی حکیم فتح الدین سے سلسلہ چشتیہ میں فیض یاب ہوئے پھر

انہی کے کہنے پر حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف (ہوشیار پور) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

☆ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے والد مکرم نے ۱۹۰۰ء میں امرتسر میں مطب جاری کیا ۱۹۰۴ء میں ایک دواساز ادارہ بنام فقیری یونانی دواخانہ قائم کیا جو کٹڑہ جمیل سنگھ امرتسر میں واقع تھا۔

☆ بیعت۔ ۱۹۳۸ء میں اپنے خاندانی روحانی پیشوا حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری بسی شریف ضلع ہوشیار پوری کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔

۱۹۷۴ء میں سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی (۱۹۸۱ء) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قادری (۱۹۲۱ء) سے بیعت ہوئے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت حاجی علم الدین صاحب نقشبندی خلیفہ مہر محمد صوبہ صاحب سے کسب فیض کیا۔

☆ حج بیت اللہ ۱۹۷۳ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول ﷺ کے لیے تشریف لے گئے مدینہ منورہ میں پونے تین ماہ قیام رہا حج کے زمانہ میں ہی حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادریؒ سے بیعت ہوئے حکیم صاحب نے درج ذیل شیوخ سے بھی کسب فیض کیا۔

شیخ محمد حسین رمزی المسمیٰ خلیفہ حضرت خواجہ ضیاء معصوم مجددی مدفون چارباغ (افغانستان)

شیخ الالائل حضرت شیخ محمد ہاشم شقرون۔

حضرت باباجی غلام رسول جالندھری المعروف باباجی بلیاں والے۔

حضرت حافظ خیر محمد سندھی

۔حضرت شیخ سید محمد علی ملمی۔

حضرت شیخ فہمی آفندی شاذلی (رحمہم اللہ تعالیٰ)

☆ خطاب حکیم اہل سنت۔

حکیم اہل سنت کا خطاب حضرت شاہ ضیاء الدین احمد مدنی قادریؒ عطا کیا تھا۔ حج بیت اللہ کے قیام کے دوران

☆ ہجرت۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے امرتسر سے سرگودھا آ گئے سرگودھا ریل بازار کی متروکہ دوکان میں کریانہ کا کاروبار شروع کیا۔

بعدازاں اپنے والد مکرم حکیم فقیر محمد چشتیؒ کے حکم فرمانے پر لاہور تشریف لے آئے اور مطب میں انکا ہاتھ بٹانے لگے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کے والد مکرمؒ کا مطب رام گلی میں تھا وہ کامیاب طبیب اور عابد وزاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔

☆لاہور کا ابتدائی دور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رہائش چوک انارکلی میں ''مسلم مسجد'' کے سامنے ایک مکان کے بالائی حصہ میں تھی۔ اسی قیام کے دوران حکیم صاحب کے مراسم مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ سے استوار ہو گئے چوں کہ مولوی صاحب مرحوم کی دوکان صرف ایک تاجر کتب کی دوکان ہی نہ تھی بلکہ وہ لاہور کا ایک بے مثال مرکز علم وعلماء تھی وہاں آنے جانے کے باعث حکیم موسیٰ امرتسریؒ کے اہل علم سے تعلقات مزید بڑھ گئے۔

☆کتب خانہ حکیم موسیٰ امرتسر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو کتب جمع کرنے کا شوق ورثہ میں ملا تھا امرتسر میں ان کے والد حکیم فقیر محمد چشتی ایک اچھے کتب خانہ کے مالک تھے ہجرت کے زمانہ میں کتب خانہ ضائع ہو گیا تھا۔
پاکستان پہنچنے کے بعد حکیم صاحب نے پھر کتب جمع کرنی شروع کر دیں جو بڑھتے بڑھتے کتب خانہ کی شکل اختیار کر گیا اور اچھے کتب خانوں میں شامل ہونے لگا جس میں ہر موضوع پر کتب ہیں۔

ایک دفعہ راقم الحروف (سید محمد عبداللہ قادری ولد سید نور محمد قادری) حکیم صاحبؒ کی زیارت کے لیے لاہور پہنچا تو حکیم صاحب رات مجھے اپنے گھر واقع شاد باغ لاہور میں لے گئے۔ میرے والد مکرم سید نور محمد قادری بھی عرصہ ۳۰ سال حکیم صاحب کے ہاں قیام فرماتے رہے۔

رات کے کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی تو حکیم صاحبؒ فرمانے لگے عزیزم سید محمد عبداللہ قادری صاحب میں فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی اپنا کتب خانہ کسی اچھی لائبریری کو تحفہ دے دوں فی الحال میں سوچ رہا ہوں کہ کس لائبریری کو دوں۔

بالآخر حکیم صاحبؒ نے بڑی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ اپنا کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دے دوں گا تاکہ عوام وخواص مستفید ہو سکیں۔

حکیم صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے چیف لائبریرین سید جمیل احمد رضوی صاحب سے اس عطیے کے سلسلہ میں خط وکتابت کی۔ جب معاملات طے پا گئے تو پنجاب یونیورسٹی کے چیف لائبریرین تقریباً تین ماہ تک کتاب خانہ کی اجمالی فہرست تیار کرتے رہے حکیم صاحب نے ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو اپنا ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی کے حوالہ کر دیا۔ یہ بڑے حوصلہ اور دل گردے کی بات ہے ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔
ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے کتب خانوں کے بدلے میں اچھی خاصی رقم وصول کی ہے لکھنے والوں میں ایسے بھی ہیں جو کسی کو ایک کتاب دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پورا کتب خانہ کیا عطیہ کریں گے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کے ذخیرہ کتب کی فہرست تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے ؛ سبھی جلدوں کے مرتب سید جمیل احمد رضوی ہیں۔

پہلی جلد جون ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ مغربی پاکستان اکیڈمی ۹۳/۷ این من آباد لاہور صفحات ۹۰۳

دوسری جلد۔ ۱۹۹۷ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کی۔ صفحات ۳۶۰

تیسری جلد ۱۹۹۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کی۔ صفحات ۵۲۰

کتب ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا نمبر شمار ۶۷۰۹ تک پہنچ گیا ہے۔ اسکے علاوہ ایک جلد اور آئیگی۔

☆ زبان دانی۔ اردو فارسی۔ پنجابی۔

☆ شعبہ۔ ادب۔ تنقید۔ تحقیق، سوانح نگاری، تبصرہ نگاری

☆ ذریعہ معاش۔ طب۔ جو آپ کا خاندانی پیشہ تھا۔ مطب ۵۵ ریلوے روڈ لاہور پر واقع تھا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ محض ایک دینی رہنما ہی نہیں تھے۔ بلکہ محقق مقالہ نگار دیباچہ نویس، تبصرہ نگار، تذکرہ نویس تھے۔ فقیر منش انسان تھے سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ کے اسلاف کی یادگار تھے۔ سب سے بڑھ کر عاشق رسول ﷺ تھے۔ عشق نبی ﷺ ان کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ اولیاء اللہ کی محبت ان کی روح کی تسکین تھی۔

آپ نے جو تصنیف و تالیف کی تھی اسکا مختصر خاکہ یوں بنتا ہے۔

☆ کتب۔ تذکرہ علماء امرتسر (غیر مطبوعہ)

تذکرہ نور احمد امرتسری (غیر مطبوعہ)

مولانا غلام محمد ترنم (مطبوعہ) انجمن تبلیغ الاحناف پاکستان لاہور

ذکر مغفور (حالات سید مغفور القادری) ادارہ مہر و ماہ لاہور

ذکر جمیل (تذکرہ سید برکت علی خلچیانوی) دین محمد پریس لاہور

☆ مقدمے۔ کشف المحجوب (دیباچہ ۶۴ صفحات) الجواہر مفیہ شرح قصیدہ غوثیہ (اردو)

مکتوبات مجدد الف ثانی عباد الرحمٰن کشف الحقائق، کلمہ حق

☆ پیش لفظ۔ مزارات بیبیاں پاکدامناں، فضائل حضرت امیر معاویہؓ

☆ تعارف ملہمات بشمول احوال و آثار

☆ تقریب۔ تذکرہ اکابر اہل سنت

☆ حاشیہ، باغی ہندوستان

☆ سخنان چند۔ سیاح لامکاں، انوار قطب مدینہ

☆ مضامین۔ لاہور کے اطباء مشمولہ رسالہ نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء

کشمیر کے فارسی شعراء ادبی دنیا لاہور (کشمیر نمبر)

مولانا سید امیر علوی اجمیری ضیائے حرم لاہور جولائی ۱۹۷۲ء

کچھ باتیں۔ کچھ یادیں۔ (شمولہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل۔

از حکیم محمد موسی امرتسری دائرۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۸

از سید احمد سعید کاظمی ملتان۔ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۸ء

پاکستان کے متعلق مستند حقائق۔ ماہ نامہ فیض الاسلام راولپنڈی قائداعظم نمبر جنوری ۱۹۷۷ء۔

الطاف القدس از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ المعارف لاہور

مقالات یوم رضا۔ تقدیم و ترتیب قاضی عبدالنبی کوکب، حکیم محمد موسیٰ امرتسری دائرۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۸ء

چند ایک آپ بیتیاں۔ (آپ بیتیاں نمبر) نقوش لاہور

حضرت صدرالمشائخ شمولہ مناقب صدرالمشائخ قدس سرہ بزم مجددیہ عثمانیہ صدریہ لاہور ۱۴۰۵ء

حروف اولین۔ (تذکار فدا) نمبر ماہ نامہ مہر و فا لاہور اگست ۱۹۹۹ء

☆ تبصرے حکیم محمد موسیٰ امرتسری بلند پایہ مبصر تھے بڑی گہری نظر سے تبصرہ کرتے تھے۔

آپ ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک مسلسل ماہ نامہ فیض الاسلام راولپنڈی میں لکھتے رہے۔ پہلے آپ اپنے نام (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) اور قلمی ناموں ۔۔۔ اثم اور کلیم سے لکھتے تھے۔

☆ مصنف گر حکیم صاحب نے جن لوگوں میں لکھنے کی استعداد پائی انہیں لکھنے پر مجبور کیا گویا ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا جن میں لکھنے کی استعداد پائی انہیں ہر ممکن امداد، معلومات فراہم کیں۔

حکیم صاحب کی ترغیب اور حوصلہ افزائی سے کثیر التعداد ذی علم نوجوان تالیف و تصنیف کی طرف راغب ہوئے۔

☆ مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ نے ۱۹۶۸ء میں چند ایک دردمند ساتھیوں کے تعاون سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ قادری (م ۱۹۲۱ء) کی یاد میں انقلابی تحریک کی شکل میں ''مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور قائم کی۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے تھے۔

''مطالعہ میرا شروع سے شغف رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علما نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی انگریزوں کی کاسہ لیسی کی ان کا تذکرہ تو ہیرو کے طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ میرے

ان سوالات کو پروفیسر محمد ایوب قادری جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے میرے ہاں قیام کرتے تھے۔ سے اکثر کیا کرتا مگر کیوں کہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا اس لیے وہ میرے اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں تلاش کر کے پڑھیں میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہذا اس پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔

مجلس کے آغاز میں میرے پہلے ہم خیال مرحوم قاضی عبدالنبی کوکب تھے۔

میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری بہت جایا کرتا تھا۔ قاضی صاحب مرحوم سے میری دوستی ہوگئی تھی۔ میں نے امام احمد رضا کے بارے میں ان سے ملکر لاہور میں مجلس رضا کے نام سے تنظیم قائم کی۔ مجلس کے ابتدائی کام میں ایک میں (محمد موسیٰ امرتسری) تھا اور ایک ظہور الدین خان (حال مالک مکتبہ رضویہ ۲۴/۲ سوڈی وال کالونی ملتان روڈ لاہور) تھا بعد میں ایک محمد نظامی صوفی اللہ دتہ نعت خواں ہوا کرتے تھے۔ ہم رات میں مزنگ میں بیٹھ کر لئی پکاتے تھے پھر سارے لاہور شہر میں سائیکل پر یوم رضا کے اشتہار لگاتے تھے ایک بشیر حسین ناظم صاحب کے سالہ صاحب (میاں محمد سلیم۔ آج کل منیجر مسلم کمرشل بنک گوجرانوالہ) بھی کام کرتے تھے۔ لاہور کے علاوہ لاہور کے مضافات کے دیہاتوں میں بھی "یوم رضا" کے اشتہار لگواتے تھے۔

میں (حکیم محمد موسیٰ امرتسری) صبح فجر کی نماز پڑھ کر بند پر کھڑا ہو جاتا تھا اور گاؤں کی جانب جانے والے کسی شخص کو بھی پوسٹر دے دیتا کہ وہ مولوی ریاض صاحب تک پہنچا دیتے تھے۔ یہ سب کام ایک ہی آدمی کرتا تھا۔

بعد میں زبیر احمد قادری ضیائی (مالک دارالفیض گنج بخش لاہور) بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ بہاول پور کے ایک مولانا ہاشمی صاحب ہوا کرتے تھے وہ بھی بڑی باقاعدگی سے جب بھی چھٹی ہوتی تشریف لے آتے، مرکزی مجلس رضا لاہور کا اشاعت کتب کے علاوہ، دوسرا اہم کام "یوم رضا" منانا تھا ہر سال ۲۰ صفر المظفر کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ، نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں ۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک منایا جاتا رہا۔ مرکزی مجلس رضا کا پہلا دفتر مزنگ ساکن چاہ بھائیاں میں تھا۔ چاہ بھائیاں کے ایک نوجوان محمد عارف بھی مجلس کے معاونین میں شامل تھے۔

مجلس رضا لاہور کا دوسرا دفتر کئی سال تک نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور رہا۔

مجلس کا تیسرا اور موجودہ دفتر۔ دارالعلوم انجمن نعمانیہ۔ نعمانیہ بلڈنگ ٹکسالی گیٹ لاہور میں ہے۔ جسکی سرپرستی علامہ اقبال احمد فاروقی (مکتبہ نبویہ لاہور) فرما رہے ہیں۔ مئی ۱۹۹۱ء میں مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور نے ایک ماہ نامہ "جہان رضا" جاری کیا ہے۔ جو اعلیٰ حضرت بریلوی پر مفید معلومات پیش کر رہا ہے جس سے یہ علم ہو جاتا ہے

کہ دنیا بھر میں کہاں کہاں اعلیٰ حضرت بریلویؒ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ اس ماہ نامہ کی ادارت بھی علامہ اقبال احمد فاروقی کر رہے ہیں۔

اگر حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ اپنے مفید مخلص، دوستوں کے تعاون سے مرکزی مجلس رضا قائم نہ کرتے تو ماسوائے علماء کرام کے آج بھی عوام تک اعلیٰ حضرت بریلویؒ کا نام نامی نہ سن سکتے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لیے قدرت نے حکیم محمد موسیٰؒ فخری نظامی چشتی قادری کو چن لیا۔ پھر حکیم صاحبؒ نے آخر دم تک بھرپور انداز میں کام کیا۔

۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک مرکزی مجلس رضا نے مثالی کردار ادا کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں کتب شائع کیں جو خواص و عوام تک پہنچائیں مجلس کی خدمات کی دنیا معترف ہے۔

۱۹۸۶ء میں حکیم محمد موسیٰ مرتسریؒ علیل ہو گئے ان کی بینائی کمزور ہو گئی تھی پھر اپریشن ہوا۔ مجلس رضا کی نگہداشت نہ کر سکے مجلس کے دوسرے عہدہ دران کام کرتے رہے حکیم صاحبؒ کے زمانہ علالت کے دوران مجلس کے فنڈز کو ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔ جسکا حکیم صاحب کو بڑا قلق ہوا اور ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی۔ چند ناعاقبت اندیش حضرات کی وجہ سے بڑا مجلس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس نقصان میں حکیم صاحبؒ کے کچھ معتمد علماء ساتھی بھی سر فہرست تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ حکیم صاحبؒ نے ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو مجلس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا جسکی وجہ سے علمی ادبی دنیا کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔

مرکزی مجلس رضا۔ دو سال تک خلفشار کی نظر رہی عہدہ داران بنتے رہے بگڑتے رہے ۱۹۸۸ء میں مجلس رضا نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔ ماہ نامہ جہان رضا کا اجراء بھی ہوا۔

جن ناعاقبت اندیش حضرات کی وجہ سے مجلس رضا کو نقصان اٹھانا پڑا انہوں نے ۱۹۸۶ء میں علیحدہ نام سے ''رضا اکیڈمی'' لاہور قائم کر لی''

ایک ضروری بات یہ ہے کہ ''مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور (رجسٹرڈ نمبر ۱۱۷۲۔R.P) جون ۱۹۶۸ء میں قائم ہوئی مجلس رضا نے ۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء تا ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء کے عرصہ میں مسجد رضا مدرسہ ضیاء الاسلام رضا فری ڈسپنسری رضا لائبریری قائم کیے تھے۔ (مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے مذکورہ تمام تر اثاثے اب رضا اکیڈمی لاہور کے پاس ہیں اور مجلس رضا کی تمام تر مطبوعات کی کتابت اور مسودات بھی رضا اکیڈمی کے پاس موجود ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے بانی روح رواں تھے اسکے علاوہ آپ دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور کے نائب صدر، دائرۃ الاصلاح لاہور کے سابق صدر پاکستان سنی رائٹرز گلڈ لاہور کے سرپرست

ادارہ معارف نعمانیہ شادباغ لاہور کے بانی وسرپرست کنز الایمان سوسائٹی کینٹ کے سرپرست تھے۔ اسکے علاوہ آپ ماہ نامہ مہروماہ لاہور کے اعزازی مدیر تھے اور سہ ماہی سحر ورد لاہور کے مشیر تھے۔

☆سنی رائٹرز گلڈ سنی کانفرس ملتان میں قائم کی گئی مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری اپنی تصنیف سنی کانفرنس ملتان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

''۱۶، ۱۷، اکتوبر ۱۹۷۸ء کو قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں فقید المثال سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس موقع پر ''حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی وصدر مرکزی مجلس رضا لاہور کی سرپرستی میں سنی رائٹرز گلڈ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس کے تحت ملک بھر کے سنی اہل قلم کو منظم کیا جائے گا۔ حکیم صاحب کی تحریک اور کوشش سے پہلے ہی لٹریچر کے میدان میں خوش گوار انقلاب آچکا ہے اب انشاء اللہ العزیز اس تنظیم سے سنی لٹریچر میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکے گا۔

☆ماہ ہائے تاریخ وصال حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ اگرچہ خود شاعر نہیں تھے۔ وہ ایک ایسے وصف سے مالا مال تھے جس سے شعراء بہت کم ہوتے ہیں حکیم صاحبؒ مادہ ہائے تاریخ وصال نکالنے میں بڑے ماہر وطاق تھے کئی شعراء، تاریخ گو، حکیم صاحبؒ سے مدد حاصل کرتے تھے۔

یہاں میں چند ایک مادہ ہائے تاریخ وصال درج کرتا ہوں جو حکیم صاحبؒ نے نکالے ہیں حکیم صاحبؒ نے اپنے مرشد حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی قادری قدس سرتہ (م ۲۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء کی وفات پر حسب ذیل مادے۔ نکالے

غم صاحب کرم	غم عارفے	آہ غم علامہ دہر	رخصت قطب
۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ

شیخ کریم النفس	یگانہ آفاق شیخ اکبر	فرد عالم ظل الٰہی
۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ

آہ آہ غم قطب اکبر ہے۔	طبیب شیخ معظم
۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ

بروفات مولانا محمد سردار احمد قادریؒ محدث اعظم پاکستان

بحضور محمد سید	مات الشیخ
۱۳۸۲ھ	۱۳۸۲ھ

بروفات مولانا محمد سعید شبلی قادری ساہیوال

ذی شان شبلی

۱۴۰۳ھ

بروفات حضرت مولانا سراج احمد مکھن بیلوی خانپوری

وفات فاضل خدادوست سراج احمد رحلت عالی مراتب

۱۳۹۲ھ ۱۳۹۲ھ ۱۳۹۲ھ

وفات۔ میاں اخلاق احمد ایم۔اے۔

داغ فراق حبیب

۱۴۰۸ھ

صدر المشائخ حضرت مولانا پیر فضل عثمان فاروقی مجددی قدس سرہ حاجی ھادی غفرہ اللہ

۱۳۹۳ھ

بروفات۔ حضرت خواجہ محمد عمر بیر بلویؒ فقد فاز فوزا عظیما

۱۹۶۷ء/۱۳۸۷ھ

ماہ نامہ فیض الاسلام راولپنڈی اپریل ۱۹۷۱ء میں عرشی (محمد حسین) کو صدمہ کی عبارت کچھ یوں ہے۔

"حضرت علامہ محمد حسین عرشی کے والد میاں دین محمد امرت سری تقریباً سوا سو سال کی عمر میں اس عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

بابا جی کی وفات پر امرتسر کے مشہور طبیب اور شاعر حکیم محمد موسیٰ امرتسری (حال لاہور) نے کئی مادہ ہائے تاریخی نکالے جن سے دو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مغفور ہیں۔ جنت نصیب عرشی

۱۳۹۱ھ ۱۳۹۱ھ

یہ ایک علیحدہ موضوع ہے اگر وقت ملا اور قدرت نے ہمت نصیب فرمائی تو مفصل تحریر کرونگا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کے دوست احباب علمی، ادبی تحقیقی، شعراء حکماء کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر سب کے نام لکھے جائیں تو کئی صفحات درکار ہیں یہاں میں صرف چند ایک بہت قریبی لوگوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو آپ کے آخری دور تک ساتھ رہے ہیں۔

پیر سید محمد حسن شاہ۔ ظہور الدین خان۔ میاں زبیر احمد قادری۔ جناب محمد عالم مختار حق علامہ اقبال احمد

فاروقی۔ میاں محمد دین کلیم قادری مرحوم۔ سید عارف محمود مہجور رضوی، قاضی صلاح الدین قادری، جناب محمد ریاض ہمایوں سعیدی، جناب حنیف ازہر، محمد نعیم طاہر رضوی، ابوالطاہر فدا حسین فدا، ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری مرحوم، راقم الحروف (سید محمد عبداللہ قادری)، میاں عطاءاللہ ساگر وارثی، حضرت میاں جمیل احمد شرق پوری،

نوٹ۔ حکیم صاحبؒ کی زندگی کے چند آخری سالوں میں جب کہ آپ مطب پر دن کے ۱۲، ایک بجے تک بیٹھتے تھے۔ ان کے بعد مطب کو میاں زبیر احمد قادری ضیائی، اور جناب محمد ریاض ہمایوں سعیدی چلاتے تھے۔ ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب، پیرانہ سالی کے باوجود حکیم صاحب کے ہاں حاضری دیتے۔ راقم اگرچہ لاہور سے بہت دور تھا لیکن مجھے حکیم صاحبؒ نے اس دوری کا احساس تک نہ ہونے دیا کہ حکیم صاحب کی زندگی کے آخری چند سال، میرے لیے اہم یوں تھے۔ تقریباً ہر روز کی ڈاک میں حکیم صاحب کے خطوط اور دیگر چیزیں آتی تھیں۔ حکیم صاحب کا آخری خط جو میرے نام ہے وہ ۸ نومبر ۱۹۹۹ء کا لکھا ہوا ہے۔ میرے ذہن میں حکیم صاحبؒ پر کام کرنے کے بہت سے خاکے موجود ہیں دفتری اوقات کے بعد آہستہ آہستہ لکھنے والا کام کرتا ہوں۔ میں حکیم صاحب کے پاس سوا دو سال ٹھہرا ہوں، میری خواہش ہے اگر رب تعالیٰ عزوجل شانہ کو منظور رہا تو سوا دو سال کی ڈائری کو مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ میرے والد مکرم سید نور محمد قادری (م ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء) کے پاس حکیم صاحبؒ کے تقریباً اڑھائی سو خطوط موجود ہیں جنہیں ترتیب دینا ہے۔ میں حکیم صاحبؒ کے کس کس وصف کا ذکر کروں لمبی داستان ہے

بقول شاعر

دل میں تھا کوئی مکین تو جلتے رہے چراغ
جاتے ہوئے تو شوخ انہیں انہیں بھی بجھا گیا

آخر کار علم و ادب و تحقیق کا شناور اور علم طب کا ماہر طبیب حکیم موسیٰ امرتسری اپنی زندگی کی ۷۹ بہاریں گزار کرے ۱۱ نومبر ۱۹۹۹ء/ ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ بروز بدھ باوقت دن ۴۵۔۱۱ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اسی روز رات گئے۔ درگاہ حضرت میاں میر قادریؒ سے ملحق قبرستان ''مقابر چشتیاں'' میں ان کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے سپرد خاک کر دیا گیا۔ جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں رب تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ، ان کی مرقد پر رحمتوں کا نزول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام نصیب فرمائے، آمین ثم آ

آپ کی رحلت پر ملک بھر کے شعراء تاریخ گو حضرات نے تاریخ وصل لکھی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

☆ بندہ احمد رضا کا سال رحلت اے فدا۔ منبع فیض عمیم! محمد موسیٰ کرم

۱۴۲۰ھ ابوالطاہر فدا حسین فدا

☆ یوں کہا طارق نے ان کا سال وصل فیض کا منہاج حکیم مرتسری

۱۹۹۹ء

☆ مہرباں ہو کر کہا مجھ سے شروش غیب نے۔ اس کا سال وصل ہے آہنگ اذکار رضا

۱۹۹۹ء (طارق سلطان پوری)

☆ کہ دیا صابر خستہ نے یہ سال رحلت۔ خلدس نادر محفل ہیں محمد موسیٰ

۱۴۲۰ھ (صابر براری)

☆ متین ان کی رحلت پر آئی ندا۔ خدا ترس صوفی فنافی الرسول

۱۹۹۹ء۔ (متین کاشمیری)

☆ علی احمد پئے تاریخ گفتہ۔ مداح شاہ ذی شاں از جہاں رفت۔

۱۴۲۰ھ (سردار علی احمد خان)

میں (سید محمد عبداللہ قادری) اپنی تحریر ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

ملفوظات حکیم ملت

تحریر محمد صادق قصوری

اس گنہ گار کو ۱۹۷۲ سے حکیم ملت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی کفش برداری کا شرف حاصل ہے۔ مسلسل ۲۸ سال ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس دوران حضرت قدس سرہ نے جو کرم نوازیاں فرمائیں، عنایات کیں اور نوازشات کی بارشیں برسائیں ان کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ میں نے اپنی اٹھاون سالہ زندگی میں ان سے بڑھ کر شفیق و مہربانی نہیں دیکھا۔ انہوں نے میری ہر پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھا، میرے ہر دکھ کا مداوا کرنے کی سعی بلیغ کی اور میری ہر مشکل کو آسان بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

جب بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، آپ علم و فضل کے موتی رولتے تھے، حاضرین و سامعین پوری دلجمعی کے ساتھ ان کے ارشادات کو سنتے اور سر دھنتے تھے۔ میں نے کئی بار ان کے ملفوظات طیبات کو نوٹ کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے منع فرما دیا۔ دو تین دفعہ میں نے چوری چھپے کچھ نہ کچھ نوٹ کر ہی لیا جو پیش قارئین ہے۔

۲۵۔ اگست ۱۹۸۴ کو حاضر ہوا تو ارشاد کیا

(۱)

"مجھے ملک امام بخش ناسخ سیفی (ف ۱۹۸۴ء) ایڈیٹر روزنامہ "سعادت" لائلپور (حال فیصل آباد) نے بتایا تھا کہ میں نے صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (۱۸۸۳ء = ۱۹۴۸ء) کے فرمان پر "سعادت" کو ہفت روزہ سے روزنامہ کیا تھا۔ صدر الافاضل کا ارشاد تھا کہ "یہ وقت کا تقاضا ہے"۔ اور صدر الافاضل نے اپنی جیب خاص سے مبلغ پچاس روپے بھی عنایت فرمائے تھے۔"

(۲)

"ہمارے دوست ماسٹر محمد بخش امرتسری ثم لاہوری کے بہنوئی میاں ہدایت اللہ تائب ایڈووکیٹ نزد برکت علی اسلامیہ ہال بیرون موچی دروازہ لاہور، مجاہد ملت مولانا محمد عبد الستار خان نیازی دامت برکاتہم عالیہ کے دوست تھے۔ تائب صاحب کے ہاں حضرت مجاہد ملت تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن وہاں ماسٹر محمد بخش نے دوران گفتگو شورش کاشمیری کی تعریف کر دی تو نیازی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ چھوڑو، "شورش بھی کوئی آدمی ہے، وہ تو گورنمنٹ کا ٹاؤٹ ہے۔"

دوسرے دن ماسٹر محمد بخش نے یہ بات دفتر "چٹان" میں جا کر شورش سے کہی کہ میں تو تمہیں بڑا اچھا آدمی سمجھتا تھا مگر

ایک ذمہ دار اور معتبر آدمی سے معلوم ہوا ہے کہ تم تو ناؤٹ ہو' اس پر شورش نے کہا کہ بتاؤ، تمھیں یہ کس نے کہا ہے؟ ماسٹر صاحب نے ٹرخانے کی کوشش کی مگر شورش نے قسمیں لے کر پوچھ ہی لیا اور کہا کہ ''نیازی صاحب شریف آدمی ہیں'' میں لحاظ کر دیتا ہوں'' اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اپنے رسالہ چٹان میں اس کی ایسی تیسی کر دیتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شورش کے دل میں نیازی صاحب کا بہت زیادہ احترام تھا۔

(۳)

ایک دن پھر حاضر ہوا تو فرمایا کہ:

''پطرس بخاری مرحوم بہت شریر اور خوش طبع آدمی تھے۔ ایک دن لاہور ریلوے اسٹیشن پر کھڑے ہوئے تھے کہ لوگوں کا اژدھام دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ کسی نے کہا کہ آج پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری تشریف لا رہے ہیں۔ یہ لوگ استقبال کیلئے کھڑے ہیں۔

اس پر پطرس صاحب کہنے لگے کہ پیر صاحب کی سخاوت کی بڑی دھوم سنی ہے اگر آج پیر صاحب سے میں جو چیز مانگوں گا، پیر صاحب نے دے دی تو ٹھیک ورنہ سب غلط ہے۔ اتنے میں گاڑی آ گئی، پیر صاحب اترے، مجمع استقبال کیلئے بڑھا، پیر صاحب ایک قیمتی دوشالا اوڑھے ہوئے تھے، پطرس نے بڑھ کر کہا کہ یہ دوشالہ مجھے دے دیجئے پیر صاحب نے اتار کر دے دیا۔ اس پر پطرس نے کہا کہ واقعی جیسے سنا تھا ویسے ہی دیکھا اور پایا''۔

(۴)

ایک دفعہ پھر حاضر ہوا تو ارشاد کیا کہ:

''حضرت مولانا محمد ابراہیم علی چشتیؒ (۱۹۱۷ء۔۱۹۶۸ء) بڑے دبنگ، دلیر اور قابل آدمی تھے۔ حق گوئی و بیبا کی کا نشان تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی میں یہ سب چیزیں انہیں سے آئی ہیں''۔

(۵)

۲۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو فرمایا کہ:

''مولانا محمد ابراہیم چشتیؒ بہت بڑی شخصیت تھے۔ میں ایک دفعہ اچانک ان سے وقت طے کئے بغیر ملاقات کیلئے چلا گیا۔ پہلے تعارف نہیں تھا۔ فرمانے لگے کہ تم بغیر وقت طے کئے آ گئے ہو، یہ درست نہیں ہے۔ عرض کیا، اب جیسے حکم ہو، چلا جاؤں یا بیٹھا رہوں۔ فرمایا! اب چونکہ آ گئے ہو، بیٹھے رہو۔

دوران گفتگو حضرت پیر غلام دستگیر نامیؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۶۱ء) کا ذکر چھڑا تو میں نے عرض کیا کہ میرے ان سے خصوصی تعلقات تھے۔ فرمانے لگے، کیسے؟ عرض کیا کہ وہ رحلت سے پہلے مسلسل کئی برس تک بلاناغہ میرے مطب پر تشریف لایا کرتے تھے۔ فرمایا! اب تمھارے لئے وقت طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عرض کیا کیوں؟ فرمایا

کہ حضرت نامیؒ، میرے والد ماجد مولانا محرم علی چشتیؒ (۱۸۶۳ء-۱۹۳۴ء) کے دوست تھے اور تم نامی کے دوست ہو-لہذا اب جب چاہو، بلا روک ٹوک آجایا کرو- کتنے عظیم تھے وہ لوگ-

(۷)

۲۳ نومبر ۱۹۹۶ء بروز ہفتہ قدموں میں حاضری ہوئی- ان کے داماد کی رحلت پر فاتحہ پڑھی پھر گفتگو کا سلسلہ چلا- ارشاد کیا کہ:

''۱۹۳۰ء تک مولانا نور احمد امرتسریؒ زندہ تھے- ان کی زندگی میں امرتسر (بھارت) میں شیعوں کا گھوڑا نہیں نکل سکا- شیعہ جب بھی لائسنس کی درخواست دیتے تھے، ڈپٹی کمشنر کہتا تھا کہ مولانا نور احمد صاحب سے اپنی درخواست پر دستخط کروالاؤ- اس پر شیعہ خاموش ہو جاتے تھے- ارشاد ہوا کہ ''مولانا نور احمدؒ کے ایک بیٹے نے سونا بنانے کا کام شروع کر دیا تھا- وہ فوت ہوا تو مولانا نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا''-

(۸)

فرمایا کہ:

''مولوی دوست محمد متولی مسجد میاں بڈھا امرتسر سے خلاف شرع کوئی حرکت سرزد ہوگئی- مولانا نور احمدؒ نے مسجد سے اپنا سامان باہر نکال لیا- مولوی دوست محمد کو پتہ چلا تو بھاگا بھاگا آیا کہ آپ یہاں سے نہ جائیں- مولانا نے کہا کہ اپنی غلطی کی سرعام معافی مانگو ورنہ میں یہاں نہیں رہ سکتا- چنانچہ متولی نے سرعام معافی مانگی- تب سامان واپس مسجد میں رکھا-

(۹)

ارشاد کیا کہ:

''ایک سکھ نے کسی کے پچاس روپے دینے تھے مگر نہیں دے رہا تھا- اس کے بچے کو بخار ہو گیا- وہ سکھ، مولانا نور احمد امرتسریؒ کے پاس مسجد میاں بڈھا میں بچے کو دم کروانے کیلئے آیا- مولانا نے فرمایا کہ ایک خالی بوتل لاؤ- وہ بوتل لایا تو فرمایا کہ مسجد کے حوض سے بھر کر لے جاؤ اور بچے کو پلاؤ- بچہ تندرست ہو گیا- وہ سکھ تحائف لیکر حاضر ہوا- آپ نے تحائف واپس کر دیئے اور فرمایا کہ کسی کا ناحق مال نہ کھانا- چنانچہ وہ غصب کردہ پچاس روپے واپس کرنے گیا تو اس شخص نے پوچھا کہ پہلے تو تم غاصب بنے ہوئے تھے، اب کیا ہوا- سکھ کہنے لگا کہ مولانا نور احمد صاحب نے کہا کہ کسی کا مال نہ کھانا''-

(۱۰)

غصے کے عالم میں فرمایا:

''ہم مارشل لاء کے شہر امرتسر کے باسی تھے- لاہور میں آ کر بے غیرت ہو گئے''

(۱۱)

غصے کے عالم میں ہی ارشاد کیا:

''ملکی (پاکستانی) لوگوں میں تو غیرت نہیں رہی- غیر ملکی لوگوں کو بلاؤ اور ایک طرف مولانا عبدالستار خان نیازی کی جوتی رکھ دو اور دوسری طرف نواز شریف- غیر ملکی لوگ پکار اٹھیں گے کہ مولانا نیازی کی جوتی نواز شریف سے زیادہ وزنی ہے''-

(۱۲)

ارشاد ہوا کہ ۱۹۸۵ء کے الیکشن میں ہم نواز شریف کے ساتھ تھے لیکن اس کی کرتوتیں دیکھ کر بدظن ہو گئے اس کے بعد وہ دو دفعہ ریلوے روڈ (لاہور) کی گشت پر آیا ایک دفعہ الیکشن کے دوران اور ایک دفعہ بحیثیت وزیر اعظم مگر ہم نہیں ملے، کیا لینا ہے اس سے مل کر-

(۱۳)

فرمایا: کہ مولانا محمد اکبر بصیر پوری (۱۸۶۲ء-۱۹۱۷ء) مسجد دربار شریف بابا گنج شکرؒ پاکپتن میں خطبہ جمعۃ المبارک دیا کرتے تھے- سجادہ نشین دیوان سید محمد نے اس دور میں بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور کتے بھی رکھے ہوئے تھے- دیوان صاحب نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے مسجد میں آئے تو مولانا محمد اکبر نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

''کیا کسی نے سور کو دیکھا ہے؟ اگر نہیں دیکھا تو دیوان کو دیکھ لے''

اس پر دیوان صاحب کے ساتھی مولانا محمد اکبر کے خلاف ادھم مچانے لگے- دیوان صاحب نے روکا کہ یہی تو ایک آدمی ہے، جس نے سچی بات کہی ہے-

(۱۴)

ارشاد کیا کہ دیوان سید محمدؒ کے (ف ۱۹۳۳ء) زمانے میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ حضرت بابا فریدؒ کے عرس مبارک پر حاضر ہوئے- دیوان سید محمدؒ کے بارے میں حضرت گولڑویؒ کے تاثرات کچھ اچھے نہیں تھے- عرس کی آخری رات دل میں خیال کیا کہ دیوان سید محمد کی زندگی شریعت کے مطابق نہیں ہے لہذا کل واپسی پر ملنے کی ضرورت نہیں ہے- صبح ملے بغیر ہی واپس چلے جائیں گے رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ دریا کے کنارے پر اپنے کپڑے دھو رہے ہیں- حضرت گولڑویؒ نے عرض کیا کہ بابا حضور! آپ خود کیوں کپڑے دھو رہے ہیں- خدام بے شمار ہیں وہ دھو دیتے- حضرت باباجی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں دیوان سید محمد کی

میل دھو رہا ہوں اس پر حضرت گولڑوی نادم ہوئے اور صبح دیوان سید محمد سے ملے۔

(۱۵)

فرمایا کہ: ۱۹۱۱ء میں دہلی میں جارج پنجم کی تاجپوشی تھی۔ دیوان سید محمد صاحب ؒ بھی مدعو تھے۔ انتظامیہ سب مدعوین کو کرسیوں پر بٹھا رہی تھی تاکہ جارج پنجم کے آنے پر سب کھڑے ہو کر استقبال کریں۔ دیوان صاحب ایک طرف مسواک کر رہے تھے۔ ان کو بھی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ انہوں نے کہا کہ بھئی میں مسواک کر رہا ہوں، فارغ ہو کر کرسی پر بیٹھوں گا۔ اتنے میں جارج پنجم آ کر بیٹھ گئے۔ پھر دیوان صاحب مسواک سے فارغ ہو کر اپنی کرسی کی طرف چلے تو جارج پنجم کو ان کے استقبال کیلئے اٹھنا پڑا۔

(۱۶)

ارشاد ہوا کہ ایچی سن کالج لاہور، انگریز فرعونوں کی یادگار ہے تاکہ ان کی معنوی اولاد قائم و دائم رہے۔ دیوان سید محمد کے بیٹے دیوان قطب الدین کو ایچی سن کالج میں داخل کرایا گیا جب چھٹی پر گھر آئے تو اپنے والد کو نہ ملے۔ دیوان سید محمد صاحب نے پوچھا کہ بھئی قطب الدین کالج سے نہیں آیا؟ بتایا گیا کہ وہ تو آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا، اچھا تو بلاؤ۔ جب آئے تو کہا کہ تمھاری تعلیم آج سے بند، جس کالج میں والدین کا احترام نہ سکھایا جاتا ہو ہمیں ایسی تعلیم نہیں چاہیے۔

(۱۷)

فرمایا کہ والئی افغانستان حافظ میر حبیب اللہ خاں، جن کے نام سے اسلامیہ کالج لاہور میں حبیبیہ ہال منسوب ہے، ایک دفعہ سرہند شریف میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضری کیلئے گئے تو مہاراجہ پٹیالہ نے اہتمام کیا اور خانقاہ شریف کے راستہ میں حلوان بچھوایا تاکہ ان کی گاڑی حلوان سے گذرے مگر میر حبیب اللہ خاں کی عقیدت ملاحظہ ہو کہ وہ گاڑی سے اتر کر پیدال مزار مقدس پر حاضر ہوئے۔

الغرض اُن کے ہر مُو پہ لاکھوں درود | اُن کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام
ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود | ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام
ان کے مولیٰ کے اُن پر کروروں درود | اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف غنچہ ہائے قدس | اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

احوال حکیمؒ

تحریر: محمد ثناء اللہ بٹ

الحاج چوہدری محمد اسحاق نوری صاحب (داروغہ والا لاہور) کے بڑے بیٹے الحاج چوہدری محمد عبدالرزاق نوری صاحب مدینہ منورہ میں کئی برس رہے۔ وہ "بن لادن" کمپنی کے محکمہ برقیات میں ملازم تھے۔ حرم نبوی میں بطور الیکٹریشن خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بڑے بیٹے کے سر میں پس پڑ گئی۔ انہوں نے بتایا کہ ان دنوں مدینہ منورہ میں "بن لادن" کمپنی کے ملازمین کے علاج معالجہ کیلئے مکرم جناب ڈاکٹر نور ربانی (مرتب کشف العرفان) بطور ایم۔ بی۔ ایس ڈاکٹر متعین تھے۔ میں اپنے بیٹے کو ان کے پاس علاج کیلئے لے گیا، انہوں نے مریض کے سر کو دو تین مرتبہ دبایا۔ سر پس کی وجہ سے روئی کی طرح نرم تھا۔ میں نے عرض کیا جناب کوئی دوا۔ پھر فرمایا تین دن بعد لانا۔ جب میں تین دن بعد بیٹے کو لیکر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے بچے کے سر کو دبایا۔ چیک کیا۔ بچہ مکمل طور پر روبصحت تھا۔

مجھے (راقم کو) بھی حرم نبوی میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے کئی مرتبہ ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ آجکل مدینہ منورہ میں ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ بقول حنیف اسعدی

"جو فراق ہو تو اویسؓ سا، جو وصال ہو تو بلالؓ سا
یہ کرم ہو میرے بھی حال پر، نہ تم تردد دور مجھے بھی دے"

مدینہ منورہ میں جناب ڈاکٹر نور ربانی کا ہمہ وقت حاضری، حضوری میں رہنا۔ پنجگانہ نمازیں حرمِ نبوی میں باجماعت ادا کرنا یہ سب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیات کا پرتو ہیں۔ اسی طرح کچھ ایسے خوش قسمت لوگ ہیں جو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیات کے مظہر ہیں۔ انہی حضرات کی فہرست میں حکیم محمد موسیٰؒ امرتسری بھی تھے۔ جو بظاہر مدینہ منورہ سے ہزاروں کوس دور بیٹھے ہوتے۔ مگر دوری میں حضوری کے مزے اٹھاتے تھے اور اٹھا رہے ہیں۔ اسطرح جناب ڈاکٹر نور ربانی اور حکیم محمد موسیٰؒ امرتسری ایک ہی صف میں دیگر عشاق کے ساتھ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

ہم کو یہ سوچنا ہے کہ نزدیک ہیں کہ دور
ان کیلئے تو ایک سے ہیں امتی تمام

کئی برس قبل میں (راقم) حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ کچھ لوگ اور بھی بیٹھے تھے کہ حاجی مقبول سابق خازن مجلس رضا اپنے بیٹے کو ساتھ لائے اور حکیم صاحب کیخدمت میں عرض کیا کہ اسے کچھ نصیحت کیجئے یہ ہمیں میاں بیوی کو بہت پریشان کرتا ہے۔

حکیم صاحب نے فرمایا، بہت عرصہ پہلے کا قصہ ہے۔ ایک شخص امرتسر کا رہنے والا، آجکل گوالمنڈی

لاہور میں رہتا ہے شدید بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کی اور کہا تم کینسر کے مہلک مرض میں مبتلا ہو جو کہ لاعلاج ھے۔ ہمارے بس کی بات نہیں۔ وہ شخص میرا جاننے والا تھا۔ میرے پاس آیا اور سارا قصہ سنایا۔ میں نے اسکی نبض ہاتھ میں لی۔ تین دن کی دوا دی اور کہا کہ تین دن بعد آنا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص والے تمام کاغذات ہمراہ لانا۔ تین یوم بعد وہ شخص مع کاغذات آیا۔ میں نے پھر اسکی نبض دیکھی۔ کاغذات ملاحظہ کئے اور کہا تم اللہ کا نام لے کر میری تجویز کردہ دوا استعمال کرو۔ ان شاء اللہ العزیز صحت یاب ہو جاؤ گے۔ مجھے تو تمھاری بیماری کینسر نہیں لگتی۔ چند دنوں بعد وہ شخص صحت یاب ہو گیا کچھ دن گذرے، کوئی دوسرا آدمی پاکپتن شریف حضرت بابا فریدؒ الدین مسعود شکر گنج سلام کیلئے گیا۔ بابا صاحب کی درگاہ میں سلام کر کے میرے شیخ کامل حضرت میاں علی محمد خانصاحب (بسی شریف والے) کی خانقاہ معلےٰ میں حاضر ہوا۔ چائے پانی پینے کے بعد میاں صاحب کی خدمت عرض کیا، جناب کمال کی بات ہے حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب نے ایک ایسے مریض کا علاج کیا ہے جسے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ وہ شخص کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھا۔ میاں صاحب نے فوراً فرمایا ہاں حکیم محمد موسیٰ نے وقتِ آخر اپنے والد گرامی کی خدمت کی تھی یہ اس خدمت کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہاں حکیم محمد موسیٰ بہت بڑا طبیب ہے۔ بلکہ فرمایا مرتے دم باپ کی خدمت کی اور ان سے دعائیں لیں۔

برخوردار۔ تم بھی اپنے والدین کو پریشان کرنے کی بجائے ان سے دعائیں لو۔ نتیجتاً تماری دین و دنیا بہتر ہوگی۔

رام گلی لاہور میں ایک صاحب حاجی عبدالحکیم رہا کرتے تھے۔ نام تو حکیم تھا مگر لوہے کے سپرنگ بنانے کا کارخانہ تھا۔ دیوبند مکتب فکر سے تعلق تھا۔ ان پڑھ تھے۔ مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ کسی بیماری میں مبتلا ہونے کیوجہ سے حکیم صاحب کے زیرِ علاج تھے۔ ایک دن کہنے لگے حکیم صاحب اگر اس بیماری سے میں صحتیاب ہو جاؤں۔ تو آپ جو کہیں گے میں وہ کروں گا۔

حکیم صاحب نے کہا سوچ لو۔ وعدہ پکا کرنا۔ اس نے پھر کہا جو آپ کہیں گے میں وہ کروں گا۔ حکیم صاحب نے کہا مجھے اور عابد نظامی صاحب (مدیر اعلیٰ ماہنامہ درویش لاہور) کو اپنی نئی کار میں پاکپتن شریف لیجانا ہوگا۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد حاجی عبدالحکیم صاحب نے کہا ضرور لیجاؤں گا۔ چند دن حکیم صاحب کے زیرِ علاج رہنے کے بعد حاجی عبدالحکیم صاحب روبصحت ہو گئے۔ حسب وعدہ وہ حکیم صاحب اور عابد نظامی صاحب کو پاکپتن شریف اپنی کار میں بیٹھا کر لے گئے۔ پاکپتن شریف میں حکیم محمد موسیٰ صاحب کے برادر بزرگ حکیم شمس الدین صاحب میزبانی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ دو روزہ قیام کے دوران یہ تینوں حضرات زیادہ وقت احاطہ مزار بابا فرید مسعود شکر گنجؒ میں گزارتے۔ نمازیں ملحقہ جامع مسجد دربار حضرت بابا صاحب

میں ادا کی جاتیں۔ حاجی عبدالحکیم صاحب مزار مقدس میں حاضری اور محفل سماع میں شمولیت سے گریز کرتے۔ علیحدہ بیٹھے بیٹھے بغور جائزہ لیتے رہتے درود و سلام، نعت خوانی اور پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی کے علاوہ جب کوئی شے نظر نہ آئی تو تیسرے روز دربار شریف کے اندر حاضری کا فیصلہ کیا۔ حکیم صاحب اور عابد نظامی صاحب کی معیت میں دربار شریف میں حاضری دی۔ خوب روئے اور باہر آ کر کہا حکیم صاحب کی دوا نے مجھے جسمانی مرض سے شفا دی مگر بابا صاحب نے میرا روحانی علاج فرما کر بیمار روح کو توانا کر دیا ہے۔ مجھے آج تک ایسی راحت نصیب نہیں ہوئی۔ اصل میں امراض کی تشخیص اور ادویات کی تجویز یہ سب بہانے ہیں۔

کام کرتی ہے نظر، نام ہے پیمانے کا

راجا رسالو صاحب (آفس سیکرٹری پاکستان رائٹرز گلڈ لاہور) کی قوت سماعت متاثر ہوئی۔ کان بند ہو گئے۔ سنائی نہیں دیتا تھا۔ میو ہسپتال گئے وہاں لمبی قطاریں دیکھیں۔ پریشان ہو کر واپس آ گئے۔ ایک دن ایک دوست نے گنگا رام ہسپتال جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں گئے۔ ماہر امراض کان نے کہا آپ گنگ محل جائیں۔ گنگ محل گلبرک میں گونگے، بہرے بچوں کا سکول ہے۔ اساتذہ کی تدریس و تربیت کا انتظام ہے۔ اور گونگے بہروں کی علاج گاہ بھی ہے۔

گنگ محل والوں نے راجا صاحب کے کان چیک کیے۔ رپورٹ تیار کی اور راجا صاحب کو دے دی۔ وہ رپورٹ جب گنگا رام ہسپتال کے ڈاکٹر نے دیکھی تو اس نے راجا صاحب کے کانوں کو لاعلاج قرار دیکر مایوس کر دیا۔ اسی مایوسی کے عالم میں راجا صاحب کی ملاقات سید سبط الحسن ضیغم صاحب سے ہوئی۔ سید صاحب نے راجا صاحب سے پوچھا اداسی اور مایوسی؟ کیا بات ہے؟ راجا صاحب نے کانوں کی ساری رام کہانی سنائی۔ ضیغم صاحب نے ڈھارس بندھائی۔ کہا مایوس مت ہوں۔ آپ کے شہر میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری جیسے معالج موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں پریشانی کیا معنی۔ ان کے مطب جاؤ، میرے حوالے سے بات کرو۔ چنانچہ راجا رسالو صاحب حکیم صاحب کے مطب میں پہنچے۔ اپنا تعارف کرایا۔ ضیغم صاحب کا حوالہ دیا۔ کانوں کی تکلیف بیان کی۔ علاج شروع ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے راجا رسالو صاحب کی سماعت بحال ہو گئی۔

کئی برس گذرے الحاج میاں بشیر حسین ناظم صاحب اسلام آباد سے لاہور آئے۔ گھومتے پھرتے حکیم صاحب کے مطب پہنچے۔ میں (راقم) پہلے سے وہاں موجود تھا۔ حکیم صاحب نے چائے منگائی۔ فراغت کے بعد فرمایا۔ برانڈرتھ روڈ چلنا ہے وہاں محفل نعت ہے۔ برانڈرتھ روڈ پہنچے وہاں نعت خوانی ہوئی۔ ناظم صاحب نے اپنی کہی ہوئی معروف فارسی نعت جس کے ردیف قافیے کچھ یوں تھے۔ بلال محمد ﷺ۔ آل محمد ﷺ سنائی۔ اس نعت کی خاص یہ بات یہ تھی کہ اس میں اہلسنت، صحابہ، چاروں سلاسل کے بزرگان کا ذکر خیر بڑے احسن طریقہ سے کیا گیا تھا۔ محفل نعت کے اختتام پر حکیم صاحب نے ناظم صاحب کو کہا: سُہر وردی "ر" ساکن ہے یا متحرک؟ سُہرَ ورد ہے یا سُہر وَرد! ناظم صاحب خاموش رہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا یہ میں نے اسلئے کہا ہے کہ ہمارے ناظم صاحب

سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اصل میں ناظم صاحب نے شعر وردباندھا تھا۔ اور پڑھا بھی اسی طرح تھا۔

ایک زمانہ تھا جب حافظ مظہر الدین مرحوم کی خوبصورت نعتیں نوائے وقت اور دیگر اخبارات میں چھپتی تھیں۔ حافظ صاحب اپنی نعتوں میں "یثرب" کا استعمال کثرت سے کرتے تھے۔ جبکہ یثرب عہد نبوت میں ہی متروک ہو گیا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب الی دیار المحبوب میں اس پر طویل بحث کی ہے۔

پروفیسر حفیظ نائب صاحب نے وہ حدیث پاک جسمیں یثرب متروک ہو، اس کو منظوم کیا ہے۔

اقلیم حسن، کشورِ انوار طیبہ
بیت رسولؐ۔ قریہ انصار طیبہ
حکم نبوی ہے اس کو جو یثرب پکارے
توبہ کے بعد وہ کہے دس بار طیبہ
اس بلدۂ عظیم میں وہ شہر یار ہے
جسپر فلاح و فوز کا سب انحصار ہے

حکیم صاحب کا قلم جنبش میں آیا۔ حافظ مظہر الدین مرحوم کو یاد کرایا کہ یثرب کا لفظ متروک ہو چکا ہے۔ مگر حافظ صاحب تادم آخر میں یثرب لکھتے رہے۔ (خدا انہیں معاف کرے) مگر حکیم صاحب نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی۔

سید عبدالقادر گیلانیؒ کا ایک بصیر پوری گستاخ تھا، کچھ گستاخیاں اور بے ادبیاں کسی کتاب میں طبع کروا کر حکیم صاحب کے مطب پر آیا۔ حکیم صاحب اس کی اس غلیظ حرکت سے پہلے سے آگاہ تھے۔ وہ حکیم صاحب کے مطب اس لئے آیا کہ حکیم صاحب چشتی ہیں۔ میں نے سلسلہ قادریہ کے مرکزی پیشوا سرکار بغداد اور قادریوں کے خلاف جو زہر اگلا ہے، حکیم صاحب میری ھمنوائی کرینگے اور داد دیں گے۔ اور کلمات تحسین سے نوازیں گے

حکیم صاحب نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا۔ یہ گوالمنڈی ہے، یہاں امرتسریے رہتے ہیں تم غلط جگہ آ گئے ہو۔ دفع ہو جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے یہ واقعہ حکیم صاحب نے مجھے (راقم کو) خود دو تین مرتبہ سنایا۔

حکیم صاحب مولائے کریم کے فضل و کرم سے بہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ عمر بھر ان صلاحیتوں کو بروکار لائے۔ اور انسانیت کی خدمت کی۔

آپ بے ھمتا معالج، یکتا محقق و مورخ اور ممدوح خالق و مخلوق ﷺ کے نذر سپاہی تھے۔

انہوں نے زندگی بھر جسطرح مخلوق خدا کی خدمت کی۔ ہر دکھی انسان کو سکون وراحت بہم پہنچانے کی سعی جمیلہ کی۔ باری تعالیٰ بطفیل رحمت ہر عالم ﷺ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں کروٹ کروٹ سکون وراحت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین!

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی

تو مگو اندر جہاں یکبا یزیدے بود و لیس
ہر کہ واصل شد بجاناں یا بیزیدے دیگر است

خانوادہ حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے ایک دانا اور مسیحا صفت حکیم فاضل ادیب و نقاد، تبصرہ نگار، دانشور، عالم، مبلغ اسلام، علم و حکمت کا ایک روشن چراغ، مجسمہ شرافت، متانت و سنجیدگی کا پیکر، تصنع اور بناوٹ سے پاک، سادگی اور عجز و انکساری کا مجسمہ، عالی اخلاق کا حامل، امرتسر کی تہذیب و ثقافت کا مظہر، تصوف و معرفت کے علوم و نکات کا نہ صرف ماہر بلکہ راہ سلوک کا راہی، عاشق رسول ﷺ، عارف باللہ ولی کامل، نابغہ روزگار شخصیت میرے مشفق و محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم و مغفور ہم سے جدا ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی علمی مہارت اور قابلیت اور ہمہ گیر جامع بصیرت کا اندازہ ان کے مختلف کتب کے مقدمات، تقریظات اور پیش گفتارات سے کیا جا سکتا ہے انہوں نے اپنے مقدمات سے ان ارفع و اعلیٰ ہستیوں کے سوانح و حالات کا تعارف کرایا ہے جو آسمان ولایت کے آفتاب، و ماہتاب ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مکتوبات امام ربانی عارف حقانی حضرت مجدد الف ثانی افضلیغوث اعظم، حضرت شاہ محمد غوثؒ، شیخ العصر حضرت میاں علی محمد خاں صاحب بسی شریف اور بالخصوص علامہ ابوالحسنات کے ترجمہ کشف المحجوب کا مقدمہ اور قصیدہ غوثیہ کا مقدمہ یہ مرحوم کے وہ علمی کارنامے ہیں جن سے ان کی علمی معلومات و بصیرت، تبحر علمی اور تصوف و معرفت کے رموز پر عبور ظاہر ہوتا ہے۔ وہ خود اگرچہ قادری نظامی سلسلہ میں بیعت و خلافت سے مشرف تھے مگر مرحوم نے تقریباً تمام ہی سلسلہائے عرفان کے بانیوں اور منسلکین پر قلم اٹھایا ہے خواہ وہ تصانیف و تالیفات حضرت نوشہ گنج بخش کی ہوں یا حضرت سلطان باہوکی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات ہو۔ اور اردو وظائف چشتیہ ہوں یا حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی سوانح ہوں اور جن جن پر قلم اٹھایا ان کی صفات و کمالات کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت تھی کہ اب اس پائے کی ملنی مشکل ہے۔

تحریر میں ایسی سلاست، روانی اور کشش ہے کہ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔
ان کے یہاں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ تو نہ تھا مگر ان کا مقام استاذ الاساتذہ سے کم نہ تھا۔ تشنگان و طالبان علم

خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی اور بڑے بڑے اسکالرز دور ونزدیک سے ان کے پاس آتے تھے اور جب ان کے علمی مسائل کی گتھیاں کہیں حل نہیں ہوتی تھیں ان کی مشکلات خواہ کسی موضوع سے متعلق ہوں ان کی تسلی اور تشفی اسی آستانہ سے ہوتی تھی وہ انکی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور انکی الجھنوں کو اس انداز سے رفع کرتے تھے کہ انکے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل ہو جاتے تھے جن جن کتابوں کی اس کو ضرورت ہوتی تھی ان کے پتے بتاتے تھے اور وہ شخص وہاں سے مطمئن اور شاد کام جاتا تھا۔

اور مرحوم صرف مسلمانوں ہی پر شفقت نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی یہ فیض رسانی ہر مذہب وملت کے لئے عام تھی۔ مذہب وتصوف کے موضوع پر ایک مستشرق پی ایچ ڈی کرنے کے لیے پاکستان آیا اور حکیم صاحب نے اس کی رہنمائی کی۔ اس شخص نے اپنی تھیس کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ "تصوف سے متعلق کون کون سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور کہاں کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہیں اس مشکل کا حل لاہور میں صرف ایک شخص ہے جس نے میری پوری پوری رہنمائی کی جس کا نام نامی حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہے وہ واقعی اس موضوع پر ایک زندہ تاریخ اور معلومات کی بنیادی اکائی ہیں۔

حکیم صاحب موصوف کی زندگی عشق رسول ﷺ سے عبارت ہے اور اپنے اسی ذوق کی تکمیل کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا اور بے مثال کام یہ کیا کہ مجلس رضا کی بنیاد ڈالی محض اس وجہ سے کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت فاضل بریلوی الشاہ احمد رضا خاںؒ کی تمام تصانیف نظم ونثر، ان کی سوچ کا انداز، ان کی فکر وتحقیق کا مرکز ومحور عشق رسول اور صرف عشق رسول ﷺ ہے اور اس پلیٹ فارم اور مجلس کے ذریعہ سے عرصہ دراز تک مولانا کی تصانیف، ان کے اقوال، وارشادات ان کے افکار ونظریات ان کے فتاوی کو کتابوں اور رسائل اور پمفلٹوں کی صورت میں طبع کرا کر مفت تقسیم کئے اور یوں عوام وخواص مسلمانوں کو دین حقہ اہلسنت وجماعت کی تبلیغ کا فریضہ عمر بھر سرانجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم نے اپنی صحت کی پروا کئے بغیر انتھک اور مسلسل کام کر کے مجلس رضا کی آبیاری کی برسہا برس تک لاہور کی نوری مسجد میں مجلس رضا کی شاندار کانفرنسیں منعقد کیں۔ اور آج انہیں کی کوششوں کی بدولت نہ صرف لاہور بلکہ سارے پاکستان میں مولانا احمد رضا خان کے عرس اور یوم منائے جاتے ہیں اور انکی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور فیض رضا جاری رہے گا" کے نعرہ میں حکیم محمد موسیٰؒ کی خدمات کو بڑا دخل ہے۔

قطب ربانی غوث صمدانی، شہباز لامکانی، قندیل نورانی میراں محی الدین غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ جب تک کسی شخص میں یہ دو صفات نہ پائی جائیں وہ ولی نہیں ہوسکتا۔ ۱۔ استقامت

پہاڑ جیسی اور سخاوت سمندر جیسی، حکیم صاحب مرحوم سے تعلق رکھنے والے اس بات کے شاہد ہیں کہ اہلسنت و جماعت کے مسلک حقہ کی تبلیغ، ترویج اور ترقی، اشاعت اور اس مسلک سے متعلق ان کی تصنیفات، مقدمات اور تقاریظ اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ پہاڑ جیسی استقامت کے حامل تھے جس پر وہ آخر وقت تک قائم رہے اور باقی جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے تو وہ باوجودیکہ رئیس مالی اعتبار سے نہیں تھے مگر دل کے اعتبار سے رئیس تھے اور بڑے متواضع انسان تھے دین کی راہ میں بیدریغ خرچ کرتے تھے جس کی زندہ مثال انکی وہ بے مثال اور نہایت قیمتی کتب ہیں جن کو انہوں نے یونیورسٹی لائبریری کے سپرد کر دیا اس کے علاوہ ان کا مطب مشائخ عظام اور اولیاء اللہ اور اہل علم و دانشور حضرات کا ماویٰ تھا تو کھانے کے وقت کھانے سے اور دیگر اوقات میں چائے اور پھلوں سے اور خاص خاص احباب کی خمیرہ سے تواضع فرماتے تھے اور اب تو انکی نایاب علمی کتب سے روحانی سمندر کے موتی اور چشمے جاری ہیں۔

میرے ان سے برسہا برس سے تعلقات تھے اور تقریباً ۵، ۷ سال روزانہ ہی ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا انہوں نے گھر واپسی کے لیے مستقل رکشہ کا انتظام کیا ہوا تھا تو میں روزانہ مرحوم کے ساتھ ہی واپس آتا تھا ان کے بڑے قیمتی مشورے اور رہنمائی میری تالیف و تصنیف میں مجھ کو حاصل رہی اور میری تالیف ''صوفیہ نقشبندیہ'' پر انہوں نے تقریظ تحریر فرمائی اور ''عرفان حق'' پر بخہائے گفتنی کے عنوان سے تقریظ تحریر فرمائی جو میری تالیفات کی زینت بنیں۔

آخر میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ فارسی اور عربی طبی کتب کے تعلیم یافتہ دانا اور ماہر طبیب تھے۔فیاضی میں خاص مہارت تھی انکے تجویز کردہ نسخے بہت کم قیمت ہوتے تھے اور اسقدر سستے علاج کی سہولتیں دوسرے اطباء کے مطبوں میں کم ہی میسر تھیں۔

جب بھی کسی طبی موضوع پر گفتگو ہوئی یا کسی مریض کے متعلق مشورہ ہوا تو انکی حاذقانہ اور ماہرانہ طبی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔

حکیم صاحب مرحوم و مغفور کی دینی علمی خدمات کو چند لفظوں اور سطروں میں بیان نہیں کیا جا سکتا مختصر یہ ہے کہ حکیم صاحب بیک وقت ایک قابل طبیب، فاضل ادیب، محقق عصر، صوفی اور ولی، درویش اور متقی بھی تھے انکے شب و روز تسبیح و تہلیل اور درود و سلام کے اوراد میں گذرتے تھے۔غرض یہ کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ یہ شعر ان پر صادق آتا ہے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفو! وہ خواب ہیں ہم

بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور مراتب بلند فرمائے اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے

- جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور میدان حشر میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

آمین بجق طٰہٰ ویٰسین ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعۂ تاریخِ وصال

محققِ عصر معروف دانشور الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی، نظامی رحمۃ اللہ علیہ

رحلت: ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء بروز چہار شنبہ

غم مقبر والا

۱۴۲۰ھ

چل بسا بزمِ رضا کا بانی و صدر آج آہ — حضرت موسیٰ فدائے سیدِ خیر الاُمم!

مضطرب اس پر اعزّہ و احبّا ہوں نہ کیوں — ناگہاں سر پہ ہے جن کے گر پڑا کوہِ اَلم

حضرتِ سلطانِ ہند" سے تھا تجھے سب کچھ عطا — اور مِلا "غوثِ جلی" سے ورثۂ جود و کرم

دوست دشمن سے وضعداری رہی تیری مدام — خدمتِ انسانیت کا تجھ سے تھا ایسا بھرم

صرف کر دی زندگی تو نے پئے اظہارِ حق — ہر نفس اسمِ محمد ﷺ سے تھا مملو دم بدم

منکرینِ شرع و دیں خائف رہے تجھ سے سدا — تھا پئے اعدائے حق تو برّشِ تیغِ دو دم

بہرِ استقبال پہنچے خلد میں حور و ملک — عاشقِ ختمِ رسل! اے زائرِ بیتِ حرم

ہر "دیارِ غیر" میں چرچا تیری سیرۃ کا ہے — ہیں ترے عزم و عمل کے معترف عرب و عجم

والہ و شیدائے ختم المرسلین، نورِ ازل — ہو لحد پہ تیری نازل ابرِ بارانِ کرم

بندۂ احمد رضا کا سالِ رحلت اے فدا
"منبعِ فیضِ عمیم! محمد موسیٰ" کر رقم

۱۴۲۰ھ

نتیجۂ فکر:-
ابو الطاہر فدا حسین فدا

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم

حکیم عبدالماجد چشتی

تاریخ اطبا کا مطالعہ کرنے والا ہر طالب علم اس حقیقت کا شاہد ہے کہ عظیم طبی رہنما اور طب قدیم کے مجدد مسیح الملک حافظ حکیم محمد اجمل خان کی رحلت کا سال سال ۱۹۲۷ء ہے مگر یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کے رب تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ وہ بہتر بدل ضرور عطا فرماتے ہیں چنانچہ اسی سال ۱۹۲۷ میں حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی کہ جن کا مطب امرتسر کے چوک فرید کنک منڈی میں 'فقیری' یونانی دواخانہ کے نام سے مرجع خاص تھا ان کے یہاں اللہ نے بیٹا عطا کیا جس کا نام 'موسیٰ' رکھا گیا جو آنے والے وقت میں انگریز طریق علاج کے فرعونوں کے مقابل حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام سے طبی دنیا میں ہر دلعزیز اور مقبول ہوا۔

حکیم موسیٰ امرتسری قیام پاکستان کے بعد لاہور آ کر رام گلی عقب ریلوے روڈ مقیم ہوئے اور اپنے ریلوے روڈ پر قائم کردہ مطب پر تادم آخر خلق خدا کو اپنی خداداد تشخیصی صلاحیت اور ماہرانہ طریقہ علاج سے اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ مطب کا انتظام کچھ ایسا تھا کہ کوئی مریض ناکام واپس نہ جاتا امیر مریض اپنی باری پر حکیم صاحب کے روبرو آتا، اپنا حال بیان کرتا اور نسخہ لیتا۔ حکیم صاحب کا مزاج سادہ اور طبیت تکلف سے پاک تھی، ہر مریض سے خندہ پیشانی اور شیریں گفتاری ان کی شخصیت کا حصہ تھی جس کے ساتھ ساتھ مرض سے متعلق استفسارات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ حکیم صاحب کی تسلی آمیز اور شفقت بھری باتوں سے مریض خود کو بہتر محسوس کرتے ہوئے بول اٹھتا 'حکیم صاحب میرا آدھا مرض تو شاید یہیں دور ہو گیا ہے'۔

میرے والد بزرگوار بہشتی حکیم عبدالواحد امرتسری کو حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کا شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے اسی ناتے کو آگے بڑھاتے ہوئے میں اپنے رفیق خاص پروفیسر حکیم سید حیدر عباس زیدی کی ہمراہی میں حکیم موسیٰ امرتسری کے ہاں گاہے ملاقاتوں اور باتوں خاص طور سے طبی اور روحانی تزکرے جو عموماً اولیائے کرام متعلق ہوئے تھے علم وفن کے موتی سمیٹتا۔ یہاں حکیم موسیٰ امرتسری کے بھائی حکیم غلام قادر مرحوم ملتان والوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ راقم کو انکی باقاعدہ شاگردی کا اعزاز حاصل ہے اور حکیم صاحب کے خاندان سے وابستگی کا فخر اور فن طب کے نہاں راز منکشف ہونا انہی حضرات کی برکت کا نتیجہ ہے نہ صرف یہ بلکہ الفلاح دواخانہ۔ نسبت روڈ میں ادویہ کا معیار اعلیٰ ہونا بھی ان شخصیات کا مرہون منت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری طب کے حقیقی محسن ہیں کہ طب یونانی کا گلشن آج بھی مہک رہا ہے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ طبیب پر

لازم ہے کہ وہ بوقت علاج غربا کا خاص خیال کرتے ہوئے ایسے نسخے تجویز نہ کرنے جو انکی دسترس سے باہر ہوں ۔حکیم صاحب انسانی فطرت کی بھی خوب پہچان رکھتے تھے اور انکی یہ صلاحیت صحیح قوت فیصلہ عطا کرنے میں ایک بھرپور کردار ادا کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ حکیم موسیٰ امرتسری محض ایک خیالی قسم کے انسان نہ تھے بلکہ وہ اپنے اکابر اطبآ کرام کی خصوصیات بیان فرماتے کہ طب کے میدان میں حفظان صحت کی اہمیت کو ابوسعید منان بن ثابت حرانی نے اجاگر کیا کہ مریضوں کا علاج کرتے کے ساتھ انہیں ایسی ہدایات بھی دی جائیں کہ وہ اپنی تندرستی کو غفلت اور ناواقفیت کی وجہ سے ضائع نہ کریں۔

طائف (عرب) کا طبیب حارث بن کلدہ ثقفی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے عہد مبارک سے لیکر خلفائے راشدین اور امیر معاویہؓ کے زمانے تک موجود تھا بیماریوں کی تشخیص کا ماہر تھا۔حکیم ابوالقاسم زہراوی علم الجرامت کے موجد اور پہلے باکمال سرجن تھے جن کا کہنا تھا' جہاں دوا سے کام نہ ہو وہاں نشتر سے کام لو'۔حکیم بوعلی سینا بخارا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ایران کے شہر ہمدان میں رحلت فرمائی مگر انکی تحریر کردہ کتب دیگر اطباء کرام کی طرح یورپ میں صدیوں سے تراجم کرکے پڑھائی جارہی ہیں بلکہ جدید و قدیم طب انکے نظریات کی محتاج ہے آج بھی یہ سب ممکن ہے کہ اطباء خصوصاً نوجوان زمانہ طالب علمی میں محنت اور لگن سے علم و فن میں کمال حاصل کرکے اپنی اور اپنے فن کی قدرومنزلت کو بڑھا کر طب کی تاریخ میں اپنا نام روشن کریں اور اپنی پیتھی طب کی عظمت کو بڑھائیں۔

'خوابوں کو حقیقت میں تبدیل کرنے کی پوری قوت رکھتے تھے اکثر کہتے تھے کہ بدقسمتی دیکھئے کہ اطبآ کرام میں بھی دو قسم کے دھڑے دیکھنے کو ملتے ہیں ایک دھڑ اس بات کا داعی ہے کہ جو کچھ صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے یونانی طریق علاج کو اسی طور رائج رکھا جائے۔لیکن اس بات سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ کسی بھی فن کی ترقی اس فن سے متعلق تحقیق سے ممکن ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جس نے دیگر طریق ہائے علاج کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہو کر تقریباً گھٹنے ٹیک رکھے ہیں اور احساس کمتری کا اس شدت سے شکار ہیں کہ طب یونانی کے سند یافتہ ہونے کے باوجود خود کو حکیم رطیب کہلوانے اور حکمت سے متعلق تدابیر اور دواؤں کے استعمال سے بھی شرماتے ہیں ان ساتھیوں سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ......

'ہزار شکر اس حکیم شافی مطلق کی درگاہ میں زیبا ہے کہ جس نے اعادہ صحت کیلئے اور ازالۂ بیماری کے واسطے ادویات از قسم نباتات و حیوانات و معدنیات پیدا کیں اور ان میں طرح طرح کی تاثیر یں بخشیں اور قدرت نمائی سے ان ادویات کے منافع انسان پر ظاہر کئے تا کہ خلق خدا ان سے فیض یاب ہو'۔

ایک دن راقم اور پروفیسر حکیم حیدر عباس زیدی جو ٹیلی ویژن سے خبریں پڑتے ہیں اور ریڈیو پاکستان لاہور کے

باکمال کمپیئر ہیں ان سے مخاطب ہوتے ہوئے حکیم موسیٰ امرتسری نے کہا کہ شاہ صاحب غور کا مقام ہے ' کہ حکیم رطیب کیلئے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے لولگائے کیونکہ اس کا ارشاد ہے' میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے'۔ (۷۔۱۵۶ اسورۃ انعام) نوع انسان کیلئے بذریعہ وحی ہدائیت کا انتظام بھی اسی کی رحمت کا اظہار ہے'

قرآن پاک کو مومنوں کیلئے شفاء ہدایت اور رحمت فرمایا حضور کو رحمۃ اللعایمن فرمایا خلق وتقدیرو ہدایت وربوبیت سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کرشمے ہیں۔ حق تعالیٰ کی محبت کائنات میں موجود ہر وجود کیلئے ایک کل کائناتی براڈکاسٹنگ ہاؤس ہے جہاں سے ہر دم رحمت و برکت کی لہریں اقصائے عالم میں نشر ہو رہی ہیں اور قلب یا دل ایک ریڈیو ہے انسان اگر چاہے تو اسکا قلب ان لہروں کو جذب کر کے اس کی رحمت سے فیضیاب ہو سکتا ہے لیکن اگر اس ریڈیو کی سوئی شیطانی وسواس کی طرف گھما دے تو بتائیں بھلا وہ حق تعالیٰ کی طرف سے آنے والی رحمت اور ہدائیت کی لہروں کو کیسے جذب کر سکتا ہے۔ اور پھر ہماری سرزمین تو اللہ والوں کی سرزمین ہے صوفیانہ کرام کی سرزمین و داتا کی سرزمین بچل سرمست کی سرزمین بہاؤالدین زکریاؒ، مسعود گنج شکرؒ خواجہ فریدؒ، شہباز قلندرؒ، بلھے شاہؒ، سلطان باہوؒ، حضرت میاں میرؒ، اللہ علیہ کی سرزمین اور یہاں تک بول کر گویا کسی لمبی سوچ میں پڑ گئے پھر خود ہی اس خاموشی کو توڑتے ہوئے دھیرے دھیرے بولنے لگے،

'میں سوچتا ہوں کہ جب موت آئے تو میں اپنی دنیاوی ذمہ داریوں خاص طور سے بطور طبیب اپنی برادری اور مریضوں کا فرض بطریق احسن نبھا چکا ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ یا تو دیار حبیبؐ میں یا کم از کم احاطہ قبرستان میاں میرؒ میں دو گز جگہ قبر کی مل جائے'

اب آستان پیغیر کے جایا نہ جائے گا
یاں رکھ دیا ہے سر تو اٹھایا نہ جائے گا

اور انکی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگئی کہ ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ کو وصال پایا اور قبرستان میاں میر میں دفن ہوئے ......حکیم موسیٰ امرتسری کا موت کے متعلق کہنا تھا کہ (الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب)

ترجمہ:۔ (موت حبیب کو حبیب سے ملاتی ہے)

---------- ۞ ۞ ۞ ----------

حکیم محمد موسیٰ صاحب مرحوم کی یاد میں

ساجدہ علوی پروفیسر تاریخ پاک و ہند انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹیڈیز میکگل یونیورسٹی (مانٹریال۔ کینڈا)

غالباً ۱۹۸۸ کی گرمیاں تھیں جب میں اٹھارہویں صدی کے علماء صوفیاء پر تحقیق کے سلسلے میں مانٹریال (کینیڈا) سے لاہور آئی ہوئی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اورینٹل سیکشن) میں زیادہ وقت گذرتا جہاں جناب جمیل احمد شاہ (رضوی) صاحب نے مجھے حکیم صاحب سے غائبانہ متعارف کرایا اور بتایا کہ نقشبندی مجددی سلسلے کے تحقیقی مواد اور دیگر معلومات کے حصول کے لئے میرا حکیم صاحب سے ملنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ ایک صبح میں ۵۵ ریلوے روڈ پر حکیم صاحب کے مطب گئی جہاں میری ملاقات ایک عالم ایک صوفی اور درویش منش انسان دوست اور انتہائی مشفق ہستی کے ساتھ ہوئی۔ یہ ملاقات ایک گہرے علمی و قلبی تعلق کا باعث بنی جو گیارہ برس تک برقرار رہا۔

جب بھی لاہور آتی انکے مطب جانا، انکے ساتھ اپنے تحقیقی مسائل پر تبادلہ خیالات نئی مطبوعات اور پاکستان کے حالات پر بات چیت کرنا میرے معمول کا حصہ ہوتا۔ کینیڈا سے بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب بھی کسی تحقیقی مواد کی ضرورت ہوتی تو حکیم صاحب خندہ پیشانی اور مستعدی سے مجھے مانٹریال یا ٹورانٹو بھجوا دیتے۔ امسال (۱۹۹۹) ۷ دسمبر کی صبح میں مانٹریال سے لاہور پہنچی اور آتے ہی حسب معمول میں نے اپنے عزیزوں سے حکیم صاحب کے مطب جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے حکیم صاحب کی رحلت کی افسوسناک خبر ملی بہت صدمہ ہوا۔ ان سے نہ مل سکنے کی وجہ سے میرا یہ سفر ادھورا لگتا ہے ایک تشنگی سی ہے۔ بے شک علم و دانش کی ایک شمع بجھ گئی ہے۔ ان صوفیانہ مشرب عالم کی رحلت سے لاہور میں صوفی و علمی حلقوں کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ اسکے ساتھ ہی اس خیال سے تقویت پہنچی ہے کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں ان سے ملی اور ان سے مستفیض ہوئی اور انکے ساتھ ملاقاتوں کی خوبصورت یادیں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔

مجھے یہ بھی امید ہے کہ حکیم صاحب مرحوم کی ذاتی لائبریری کے طفیل جو انہوں نے اپنی حیات ہی میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اورینٹل سیکشن) کو وقف کردی تھی انکی علمی و تحقیقی روایت برقرار رہے گی اور حال و مستقبل کے محققین اس اہم ذخیرے سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حکیم صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور مرحوم کی روح آسودہ رہے۔

حضرت حکیم اہل سنت اور کنز الایمان سوسائٹی

جلال الدین ڈیروی

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ سنی بریلوی علماء و مشائخ نے اس شرط پر تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا تھا کہ یہاں نظام مصطفےٰ ﷺ نافذ ہوگا۔ اس مقصد کے لئے ان محترم قائدین کے ایک وفد نے مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صدیقیؒ کی قیادت میں بانی پاکستانی قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات اور انہیں اسلامی آئین کا مسودہ پیش کر کے اس سے نافذ کرنے کا مطالبہ کیا۔ طویل گفتگو کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اسے اسمبلی سے منظوری حاصل کر لینے کے بعد نافذ کر دیا جائے گا لیکن قائد محترم جلد ہی وفات پا گئے جس کے باعث وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے، خان لیاقت علی خان مرحوم نے قرارداد مقاصد پیش کر کے اس جانب ایک اہم قدم اٹھایا لیکن انہیں بھی شہید کروا دیا گیا۔ اس کے بعد ان عناصر کو اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کا موقع ملا جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں تو کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا تھا لیکن آزادی حاصل ہونے کے بعد کلیدی عہدوں پر قبضہ کرنے کی دوڑ میں سب سے آگے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر نفاذ اسلام کے وعدہ سے انحراف کیا اور تحریک پاکستان کے مخلص کارکنوں اور راہنماؤں کو کھڈے لائن لگا دیا، اس طرح قوم کے دیگر محسنوں کی طرح اہل سنت بھی آزمائش سے دوچار ہو گئے۔ بعض دور اندیش رہنماؤں نے اس تشویشناک صورت حال کی اسی وقت نشاندہی کر دی تھی۔

حکیم اہل سنت محترم محمد موسیٰ امرتسری نے فرمایا کہ پاکستان میں اس وقت اہل سنت کا ایمان خطرے میں ہے۔ اس کی نشاندہی پاکستان بننے کے فوراً بعد تحریک پاکستان کے بزرگ رہنما محدث اعظم ہند حضرت سید محمد علی حسینؒ نے مولانا عبدالستار خان نیازی سے گفتگو کرتے ہوئے کر دی تھی، واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت حکیم صاحب نے بتایا کہ حضرت محدث کچھوچھوی کے ایک مرید خاص چوہدری خورشید عالم اشرفی امرتسری تھے۔ پاکستان بننے کے بعد چوہدری خورشید عالم لاہور آ گئے۔ حضرت کچھوچھوی یہاں بھی انہی کے ہاں قیام فرماتے، چوہدری خورشید عالم چشتیہ ہائی سکول میں ٹیچر تھے۔ انہوں نے خود مجھے بتایا کہ ان کے ہاں حضرت محدث کچھوچھوی قیام فرما تھے۔ ان سے مولانا نیازی ملنے کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت محدث کچھوچھوی نے باوجود اس کے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے روح رواں ہیں۔ قائد اعظم کے دست راست اور تحریک پاکستان کے زبردست حامی ہیں، پاکستان کی مذہبی صورت حال دیکھ کر انہوں نے مولانا نیازی سے فرمایا کہ اس وقت انڈیا میں ہماری جان کا خطرہ ہے مگر ایمان محفوظ ہے، پاکستان میں اہل سنت کے دشمن اوپر آ گئے ہیں۔ اور یہ بات پاکستان پر

مسلط ہو گئے ہیں، اس لیے یہاں پر سنیوں کو ایمان کا خطرہ ہے، حضرت حکیم صاحب نے بتایا۔ محدث صاحب نے مولانا نیازی سے فرمایا کہ نیازی صاحب ان سنی دشمن لوگوں کے بت توڑ دو ورنہ تم خود بت پرست ہو جاؤ گے۔ (۱)

اس خدشہ کے پیش نظر حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اہل سنت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے لیے ۱۹۴۸ء میں جمعیت علماء پاکستان کی بنیاد رکھی۔ جس میں سنی رہنماؤں نے شرکت فرمائی، جمعیت نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کر کے سیاستدانوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کے رہنماؤں نے ملکی سیاست میں کلیدی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ اسلام دشمن قوتوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ اگر یہی رفتار جاری رہی تو جمعیت علمائے پاکستان کسی وقت بھی برسر اقتدار آ سکتی ہے، یہ قوتیں حرکت میں آ گئیں۔ اور جمعیت کو کئی دھڑوں میں تقسیم کروا کر دم لیا، سنی عوام کی اگرچہ اب بھی خواہش یہی ہے کہ ان کے رہنما دوبارہ متحد و متفق ہو جائیں اور خود قائدین بھی موجودہ انتشار کے نقصانات اور اتحاد کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اکٹھے ہونے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔

اس کے علاوہ سنی اہل قلم نے اپنے بزرگوں کی علمی اور سیاسی خدمات کو اجاگر کرنے کی جانب بالکل توجہ نہیں دی، کچھ لکھا بھی تو تحقیقی انداز اختیار نہیں کیا جبکہ مخالفین اہل سنت نے قیام پاکستان کی مخالفت کرنے کے باوجود حکومت میں بھی اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ اور نشر و اشاعت کے اداروں پر قبضہ کر کے اپنے اکابرین کی کانگریس سے وابستگی اور بدعقیدگی کو خوشنما الفاظ میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور میدان خالی پا کر یہ تاثر بھی پھیلایا کہ پاکستان ان کے بزرگوں نے بنایا تھا۔ جبکہ سنی علماء و مشائخ تحریک پاکستان کے مخالف تھے، اس مہم کے دوران انہوں نے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کو سب سے زیادہ ہدف تنقید بنایا اور ان پر ایسے بے بنیاد الزامات لگائے جنہیں دیکھ کر ان کے 'برادران وطن'، مشرکین ہند بھی شرما گئے۔ اس لیے کہ خوف خدا سے بے نیازی اور بے پناہ وسائل کی موجودگی کے باوجود وہ اس قسم کے لغو اور من گھڑت الزامات لگانے میں ناکام رہے تھے جبکہ غلط بیانی سے پرہیز کرنے کی قرآن پاک کی واضح ہدایت پر ایمان رکھنے کے مدعی ان کے سیاسی خلیفوں نے یہ کارنامہ سر انجام دیا، انہوں نے دعویٰ کیا کہ۔

☆ بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارے بزرگوں نے ہزاروں مصیبتوں، تکلیفوں، اذیتوں کے بعد جو محض قانون قرآن کو نافذ کرنے کے لیے ٹکڑہ زمین (پاکستان) حاصل کیا۔ (مولوی عبید اللہ انور) (۲)

(سنی بریلوی) انگریز کے خود کاشتہ پودے کا ثمر تلخ ہے اگر ایسے لوگ زیادہ ہوتے تو پھر پاکستان

کبھی نہ بن سکتا اور مسلم لیگ کو کوئی ووٹ نہ دیتا (مولوی حامد میاں (۳)

☆ جمعیت علماء پاکستان والے علماء دیوبند بالخصوص جمعیت علمائے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ سب قیام پاکستان کے مخالف ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ نورانی میاں کی پارٹی کے لوگ تو مسلم لیگ پر کفر کے فتوے لگا رہے تھے یا یہی لوگ ہیں جنہوں نے قائداعظم کو کافر کہا، یہ سب خرافات ان کی ہی کہی ہوئی ہیں اور ہمارے سر تھوپ کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (۴)

مولوی احمد رضا خان کی پوری زندگی بدعات کے فروغ، رسم و رواج کی پابندی میں صرف ہوئی۔ (مولوی محمد اسلم فیروز پوری) (۵)

☆ وہ (امام احمد رضا فاضل بریلوی) شاعری بھی فرماتے رہے، رسول ﷺ کی شان میں انہوں نے بہت سی نعتیں کہی ہیں لیکن ان کی نعتیں ہمیشہ مبالغہ آرائی اور غلو کا شاہکار رہی ہیں۔ (مولوی محمد اسلم فیروز پوری) (۶)

☆ وہ (امام احمد رضا) قطعی سیاسی انسان نہیں تھے نہ ہی انہوں نے کبھی سیاست میں قدم رنجہ فرمایا، ان کی سیاست کا منتہائے مقصود انگریز کی حمایت اور انگریز دشمن قوتوں کی مخالفت تھا (محمد اسلم فیروز پوری) (۷)

☆ مولانا احمد رضا خان صاحب ایک متنازعہ شخصیت ہیں۔ راہنمایاں قوم، دردمندان ملت اور تحریک پاکستان کے قائدین کو آپ نے نام بہ نام کافر قرار دیا اور مسلم لیگ کی مخالفت پر ایک رسالہ قلمبند کیا اندریں حالات مولانا موصوف کی تحریروں اور ادب پاروں کو پاکستان میں شامل نصاب کرنا ہم تحریک پاکستان سے بے وفائی سمجھتے ہیں۔ (ابن مسعود ہاشمی) (۸)

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے ایک بات بھی صحیح نہیں لیکن اگر ایک غلط بات کی بار بار تشہیر کی جائے کوئی موثر انداز میں اس کی تردید کرنے کی زحمت گوارا نہ کرے تو ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگ جائیں گے، اس پروپیگنڈہ کا جواب دینے، اہل سنت کو قلم کی قوت سے آگاہ کر کے انہیں لکھنے پر آمادہ کرنے اور متحد ہو کر اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کا درس دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کا انتخاب فرمایا جو نہ تو کسی بڑی سے بڑی قوت سے مرعوب ہو سکتا تھا اور نہ ہی انہیں کوئی خرید سکتا تھا۔ اس مرد حق کا اسم گرامی تھا جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، جنہوں نے ایسے بے نظیر کارنامے سرانجام دیئے جو ہمارے لیے لائق تقلید بھی ہیں اور قابل فخر بھی۔

حضرت قبلہ حکیم صاحب نے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کی ہمہ گیر شخصیت کو متعارف کروانے کا فیصلہ کیا تو مخالفین کو ان کی ناکامی کا یقین تھا جبکہ اپنے بھی گومگو کی صورت حال سے دوچار تھے، اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ اس موضوع پر مواد بالکل نایاب تھا۔ لیکن جب مستند کتب منظر عام پر

آنی شروع ہوگئیں تو مخالفین اہل سنت کو اپنی طویل محنت رائیگاں نظر آنے لگی جبکہ اپنوں میں اکثریت نے ان کی قابل رشک کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا اور کچھ پریشان دکھائی دینے لگے، ان کی طویل جدوجہد سے مخلص اہل سنت کو یہ سبق ملا کہ اگر خالص اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی رضا مطلوب ہو، نیت میں کھوٹ نہ ہو، جذبہ صادق ہو، ذاتی مفاد کی حفاظت کرنا مقصود نہ ہو اور مظلوم کو حق دلانا ہی مقصود زندگی قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہتی ہے اور سب مسائل خود بخود حل ہوتے جاتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت قبلہ حکیم صاحب نے صرف فاضل بریلویؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر کام کرنے پر اکتفا کیا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے سنی اہل قلم کو مختلف موضوعات پر لکھنے کی رغبت دلائی اور ان کی بھرپور مدد کی، بعض لکھنے والوں نے ان کی تحریک سے متاثر ہو کر از خود بڑی مفید کتب تصنیف فرمائیں، صاحب ثروت حضرات نے کتابوں کی دکانیں کھولیں، تحریک پاکستان میں سنی علماء و مشائخ کی گرانقدر خدمات پر سینکڑوں مقالات اخبارات و رسائل میں چھپے کئی معیاری کتب تصنیف ہوئیں۔ اس طرح اہل سنت کی گمشدہ سیاسی تاریخ ضبط تحریر میں آ کر عوام تک پہنچی اور کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا، اس کے علاوہ حضرت قبلہ حکیم صاحب نے کئی اداروں کی سرپرستی کی، جنہوں نے ان کی زندگی ہی میں بہت قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور آج بھی انہی خطوط پر کام کر رہے ہیں جو حضرت حکیم اہل سنتؒ نے ان کے لیے متعین کئے تھے۔ ان ہی اداروں میں سے ایک کنز الایمان سوسائٹی لاہور ہے جس کے صدر اور اراکین نوجوان ہیں۔

دراصل بعض نام نہاد سنی راہنماؤں کی لاپرواہی، خود غرضی، کم فہمی اور مایوس کن کارکردگی کی وجہ نوجوانوں میں بددلی پھیلنے کا امکان پیدا ہوگیا تھا، دردمند حضرات اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ اگر یہ صورت حال جوں کی توں قائم رہی تو خدانخواستہ اہل سنت کہیں ان نوجوانوں کی بے پناہ قوت سے محروم نہ ہو جائیں، حضرت قبلہ حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ نے بروقت اس خطرہ کو محسوس کیا اور مایوس نوجوانوں کو منظم کر کے انہیں اسلام کی حفاظت و ترویج کی تلقین کی، بذات خود ان کی سرپرستی کی، انہیں وقت کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کام کرنے پر ابھارا اور یقین دلایا کہ وہ خوشحال اداروں کے سربراہوں اور کارکنوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح اہل سنت کا یہ قیمتی سرمایہ غیروں کے ہاتھوں میں جانے سے بچ گیا اور اہل سنت کے دن پھر گئے اور انہوں نے اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے اور اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی جانب زیادہ اعتماد اور مستعدی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔

ان نوجوانوں میں سے ایک محترم محمد نعیم طاہر رضوی بھی ہیں۔ جنہیں راقم الحروف ذاتی طور پر بہت قریب سے جانتا ہے، ان کا تعلق صدر بازار لاہور کینٹ سے ہے، موصوف اگرچہ سند یافتہ عالم دین نہیں، لیکن وسیع

مطالعہ کے علاوہ دین اسلام کی حفاظت واشاعت کا جو پاکیزہ جذبہ ان کے دل میں موجود ہے وہ بلاشبہ قابل قدر اور لائق تقلید ہے، وہ نہ تو کسی امیر گھرانے کے فرد ہیں اور نہ ہی کسی بڑے عہدہ پر فائز لیکن اس کے باوجود ان میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں، وہ مصائب اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، وہ خود کام کرتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے کام لینے کے ماہر ہیں، انتہائی قناعت پسند اور خوددار ہیں، نہ تو انہیں کوئی خرید سکتا ہے اور نہ ہی وہ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے کے شغل سے آشنا ہیں، ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے، سرمایہ کی کمی کے باوجود انہوں نے جس بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے، موصوف کنز الایمان سوسائٹی کے بانی اور صدر ہیں۔

اس سوسائٹی نے حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی راہنمائی اور سرپرستی میں کام کا آغاز کیا تو ابتدا ہی سے اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی گئی، اگرچہ یہ ایک غیر سیاسی ادارہ تھا اور اس کا مقصد صرف تبلیغ دین اور نظریہ پاکستان کو فروغ دینا تھا، اس لیے اس سے کسی کی کرسی یا شہرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود چونکہ اس کی بہترین کارکردگی سے اہل سنت کو اپنے حقوق مانگنے، خواب غفلت سے بیدار ہو کر متحد ہونے اور نفاذ اسلام کے لیے شعوری کوششیں کرنے کی فضاء پیدا ہونے کا قوی امکان تھا، مزید یہ کہ اس سوسائٹی کے کارکنوں، صدر اور سرپرست اعلیٰ نے بعض دیگر اداروں کے ارباب اہتمام کی طرح حکومت وقت کی ہاں میں ہاں ملانے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے اس گستاخانہ رویہ اور ناپسندیدہ اہداف مقرر کرنے کے باعث حکام وقت اور غیروں کا روٹھ جانا تو ایک قدرتی عمل تھا لیکن حکومت کے منظور نظر بعض اپنوں کا آنکھیں پھیرنا بہر حال موجب حیرت ضرور تھا۔

اس کے علاوہ غریب اور سفید پوش طبقہ کے سنی حضرات نے تو حسب استطاعت آنکھیں پھیرنا بہر حال موجب حیرت ضرور تھا غیروں کا روٹھ جانا تو ایک قدرتی امر تھا لیکن حکومت کے منظور نظر بعض اپنوں کا سوسائٹی کی مالی مدد کی اور اب بھی کر رہے ہیں لیکن اکثر خوشحال اور امیر گھرانوں نے نہ تو ابتدا میں اس کی سرپرستی کی اور نہ اب کوئی خاص دلچسپی لے رہے ہیں لیکن اللہ کے بھروسے پر کام بہر حال چل رہا ہے اور سوسائٹی نے عام طور پر ہر میدان میں اور خاص کر نشر واشاعت کے شعبہ میں بعض ایسے کارنامے سرانجام دیئے ہیں جو دیگر مضبوط سنی اداروں کے لیے قابل رشک ہیں

سوسائٹی کے صدر، اراکین اور بہی خواہ ہر محفل میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے قابل قدر کام کیا اور خود وہ جو ملی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، ان کا سہرا بھی حضرت قبلہ حکیم صاحب کے سر سجتا ہے، اس سلسلہ میں ان کے چند بیانات پیش خدمت ہیں۔

☆حکیم اہل سنت حضرت محمد موسیٰ امرتسری اور حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری دو ایسی عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جنہوں نے ۱۹۶۸ء میں ساکن پانی میں ایک ایسا پتھر پھینکا جس کی لہریں آج بھی دنیا بھر میں نظر آتی ہیں اور نظر آتی رہیں گی، یہ لہریں یوم امام احمد رضا اور امام احمد رضا کانفرنس کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مسلک اہل سنت کے لیے آپ کی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں، آپ کی خدمات علمی، عملی اور روحانی شکل میں ملتی ہیں، آپ بہت سی تنظیموں کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ جو مسلک حق کے لیے سرگرم عمل ہیں، کنزالایمان سوسائٹی لاہور بھی آپ کی سرپرستی میں کام کر رہی ہے۔ (ناصر عزیز سب ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان لاہور) (۹)

☆حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، حکیم صاحب کا یہ لازوال کارنامہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے کہ انہوں نے سنی دنیا کو قلم کی قوت سے روشناس فرمایا اور ان ہی کی ایماء پر نہ صرف مرکزی مجلس رضا لاہور وجود میں آئی بلکہ جس قدر گرانقدر لٹریچر اس مجلس نے شائع کر کے دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا، اس سے بھی زیادہ کئی تحقیقی کتابیں سنی حضرات نے لکھ کر منظر عام پر لائیں (عبدالوحید سیالوی) (۱۰)

☆...اس تحریک یوم رضا حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری جن کی تربیت اور خصوصی توجہ سے میں اس قابل ہوا کہ (امام احمد رضا کانفرنس میں) آپ سے مخاطب ہوں۔ (کا شکریہ ادا کرتا ہوں) (محمد نعیم طاہر رضوی بانی، صدر کنزالایمان سوسائٹی (۱۱)

☆یہ (امام احمد رضا کانفرنس کی) جو بہاریں آپ دیکھ رہے ہیں، سب حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے دم قدم سے ہیں کہ وہ ہمارے سرپرست اعلیٰ ہیں (محمد نعیم طاہر رضوی صدر کنزالایمان سوسائٹی) (۱۲)

☆لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سے جو بھی تحریک اٹھی وہ بڑھتی ہی چلی گئی اور اس کے اثرات اس عالم میں پھیلتے چلے گئے، امام احمد رضا پر تحقیقی کام بھی لاہور سے ہی شروع ہوا، حکیم اہل سنت، رئیس المحققین حضرت قبلہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے ۱۹۶۰ء میں لاہور سے اس کام کا آغاز کیا جو کہ آناً فاناً دنیا بھر میں پھیل گیا، امام احمد رضا کانفرنس بھی انہیں کے زیر سایہ انعقاد پذیر ہے (محمد نعیم طاہر رضوی چیف ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان لاہور) (۱۳)

☆آج ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں کیونکہ آج ہماری دیرینہ خواہش پایہ تکمیل کو پہنچی، میری مراد محقق عصر، شمشیر بے نیام، حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی ذات بابرکات کی (امام احمد رضا کانفرنس میں) کرسی صدارت پر جلوہ افروزی ہے۔ قبلہ حکیم صاحب کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں، حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری ایک فرد واحد نہیں، ایک تحریک کا نام ہے، آج ملک عزیز پاکستان اور بیرونی ممالک میں امام احمد

رضا خان قادری بریلوی کو اگر کوئی جانتا ہے تو وہ صرف اور صرف حکیم صاحب کی وجہ سے، قبلہ حکیم صاحب کی مساعی جمیلہ سے آج سینکڑوں ادارے مسلک امام احمد رضا کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں، دنیا بھر میں بے شمار حضرات امام احمد رضا پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

جناب صدر، میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ میں آپ کی خوبیاں بیان کر سکوں، میں اپنی اور اراکین کنزالایمان سوسائٹی کی طرف سے آپ کا دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس بابرکت و مقدس کانفرنس کی صدارت قبول فرما کر ہمارے حوصلوں کو بلند کیا۔ (محمد نعیم طاہر رضوی) (۱۴)۔

☆اس وقت (امام احمد رضا) کانفرنس کی صدارت محقق عصر، حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی فرما رہے ہیں، انہیں کون نہیں جانتا؟ آپ نے اس شمع کو اپنا خون جگر دے کر روشن کر رکھا ہے جسے بجھانے کی دشمنوں نے تو کوششیں کیں اور کر رہے ہیں۔ مگر اپنوں نے بھی کچھ اپنی بساط سے بڑھ کر اس میں حصہ ڈالا، یہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع تھی جسے امام احمد رضا نے اس دور میں روشن کیا جس وقت برصغیر کے مسلمان ایمان سے دور بلکہ بہت ہی دور اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

یہ سلام ہر سنی پڑھتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ ادا کیا کر رہا ہے اس کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ اسے معلوم بھی کیسے ہو کیونکہ ہمارے علماء کرام جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، انہوں نے عام مسلمانوں کے لیے ہے اسلام کو اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف علماء ہی کے لیے مگر حکیم صاحب قبلہ نے لاہور سے اس کام کا بیڑا اٹھایا کہ امام احمد رضا کے بتائے ہوئے راستے اور ان کی تعلیمات عام کرنے کے ساتھ ان کی تصنیفات کو زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں بھی عشق مصطفےٰ ﷺ کی شمع روشن ہو سکے اور اگر کسی کے دل میں کوئی ذرہ باقی ہے تو اسے ہوا ملے اور اس کے دل میں بھی عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع بھڑک اٹھے، آج یہ حکیم صاحب کی کوششوں کا ثمر ہے کہ کل عالم میں امام احمد رضا پر کام ہو رہا ہے، ریسرچ کے دروازے کھل چکے ہیں، دنیا کی کئی ایک یونیورسٹیوں میں ان پر کام ہو رہا ہے، یہ جو کانفرنس اس وقت انعقاد پذیر ہے، یہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تمام علماء کو مل کر کرنا چاہئے وہ اکیلے حکیم صاحب کر رہے ہیں، دعا ہے کہ خدا انہیں صحت اور درازیٔ عمر عطا کرے (آمین) تاکہ ان کا دست شفقت ہم پر ہمیشہ ہمیشہ سایہ کرتا رہے (محمد نعیم طاہر رضوی) (۱۵)

☆ آج کے اس دور میں علمی باتوں اور لٹریچر کی ضرورت ہے، ایسے کاموں کی ضرورت جو حضرت قبلہ حکیم اہل سنت کر رہے ہیں (حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان پشاوری) (۱۶)

☆ اللہ رب العزت جزائے خیر دے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ صاحب کو کہ جنہوں نے یہ شعور بخشا اور یہ تصور دیا، متوجہ کیا اہل علم کو کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت پر لکھا اور کام کیا (صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری) (۱۷)

☆ آج سے مہینہ ڈیڑھ قبل جب کنزالایمان سوسائٹی لاہور چھاؤنی کے نوجوانان عزیز میرے پاس اسلام آباد میں اس (امام احمد رضا) کانفرنس کا دعوت نامہ لے کے آئے تو میں حادثے کی وجہ سے کچھ بیمار تھا، میرے کندھوں اور گردن میں بہت تکلیف تھی جواب بھی موجود ہے، اس لیے یہاں آنے سے کچھ ہچکچا رہا تھا، مگر جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ سوسائٹی جس کے بارے میں میرا تاثیر یہ تھا کہ اس میں سب مذہبی مدارس کے فارغ التحصیل علماء ہوں گے، یہ تو نوجوانوں پر مشتمل ہے جو عرف عام میں دنیا دار کہے جا سکتے ہیں اور ان کا دل حب نبی ﷺ سے سرشار ہے تو میں نے اس کی حامی بھر لی مگر ایک شرط میں نے لگائی کہ اس کانفرنس کی صدارت کسی جاہل کرسی نشین سے نہ کرائی جائے، مجھے خوشی ہے کہ ان نوجوانوں نے واپس آ کر مجھے اطلاع دی کہ کانفرنس کی صدارت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری فرما رہے ہیں۔

اور جب میں لاہور میں تھا سالوں قبل تو میں بھی کئی بار حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، ان سے واقف تھا، ان کے عشق رسول سے بھی آگاہ تھا، مجھے بے حد خوشی ہوئی، اس لیے کہ لاہور جن شخصیات سے عبارت تھا وہ آہستہ آہستہ کر کے اٹھ گئیں یا اٹھتی جا رہی ہیں اور باقی جو ہیں، تیار بیٹھے ہیں، حکیم صاحب ان باقیات میں سے ہیں کہ جن کی وجہ سے لاہور کی عزت اور عظمت مشخص ہوتی ہے۔ مگر اس زمانے میں جب میں حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ حکیم صاحب کے سینے میں موجزن عشق رسول ﷺ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضاؒ کے فیض کا پرتو ہے (مولانا کوثر نیازی) (۱۸)

☆ اراکین سوسائٹی نے معارف پرور، حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کو بصد اصرار (امام احمد رضا) کانفرنس کی صدارت قبول کرنے پر راضی کیا، واضح رہے کہ قبلہ حکیم صاحب نے بھی نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شفقت فرماتے ہوئے پہلی مرتبہ اس منصب کو اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا کہ مقررین اور مدعوئین میں کوئی دین فروش مولوی پیر اور حکمران نہ ہو، یوں اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سوسائٹی کے حصے میں وہ سعادت آئی جو نہی کا حصہ ہے اور اس پر وہ جس قدر نازاں ہوں، ان کا حق ہے (سید سرفراز علی زیدی) (۱۹)

☆ میں نے امام اہل سنت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ پر دسیوں مضامین لکھے ہیں اور درجن بھر مناقب لکھی ہوں گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس حقیقت کے اظہار میں مجھے کوئی باک نہیں ہے، کہ

اگر آج کی محفل کے صدر حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ میری اسی طرح معاونت نہ کرتے جس طرح انہوں نے پاکستان اور باہر کے دوسرے پڑھے لکھے حضرات کی معاونت اور راہنمائی کی ہے تو میں بھی مولانا شاہ احمد رضا سے اتنا ہی واقف ہوتا جتنا ان کے تعارف سے پہلے، ہمارے علماء بھی اس انداز میں اظہار کیا کرتے تھے جیسے اعظم چشتی سے پہلے مولانا احمد رضا بھی ایک نعت خواں تھے اور بس، محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے میری اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔

آج اعلیٰ حضرت پر ایک اتھارٹی کی حیثیت سے لکھنے والے مولانا محمد مظہر اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ جب پہلے پہل حکیم محمد موسیٰ صاحب نے انہیں اس طرف مائل کرنا چاہا تو انہوں اظہار معذرت کر لیا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، حکیم محمد موسیٰ صاحب نے پاکستان میں، ہندوستان میں، تمام ممالک میں، اعلیٰ حضرت کو ایک ایک گوشے میں متعارف کروایا اور میں عرض کرتا ہوں کہ ۱۹۷۶ء میں انجمن خدام احمد رضا کے زیر اہتمام جب پہلا یوم اعلیٰ حضرت منایا تو اس کے لیے میں نے مولانا محفوظ الحق صاحب سے گزارش کی کہ آپ اعلیٰ حضرت پر ایک تقریر فرمائیں، انہوں نے خط میں لکھا کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں تعارف نہیں ہے (۲۰) کچھ مواد مہیا کریں، حکیم صاحب نے وہ مواد دیا، میں نے ان کو مواد پہنچایا، اور انہوں نے بہت اچھی تقریر کی، جلسے کی صدارت کے لیے میں نے جسٹس شمیم حسین قادری صاحب سے گزارش کی تھی، یہ حکیم صاحب نے سارا کچھ کیا، اب ہم یوم رضا مناتے ہیں، یوم رضا کو ایک تحریک دینے والے حکیم صاحب ہیں اور اعلیٰ حضرت پر مختلف زبانوں میں لٹریچر فراہم کرنا ان کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ ہے (راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ نعت لاہور) (۲۱)

حضرت حکیم اہل سنت خود بھی کنز الایمان سوسائٹی لاہور کا بہت خیال کرتے اور دوسروں کو بھی اس سے بھرپور تعاون کی تلقین کرتے تھے، مرکزی مجلس رضا لاہور کے نگران اور ماہنامہ جہان رضا لاہور کے مدیر جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایک مکتوب بنام محمد نعیم طاہر رضوی میں رقمطراز ہیں۔

مرکزی مجلس رضا لاہور ایسے تمام اداروں سے تعاون کرنا ضروری خیال کرتی ہے جو فاضل بریلوی کے نظریات کی اشاعت میں مصروف ہیں چنانچہ مجلس نے بانی موسس مرکزی مجلس رضا حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی کی ہدایت پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہنامہ کنز الایمان سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے، علمی قلمی، مالی اور صحافتی خدمات کو پیش کیا جائے، اندریں حالات ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کنز الایمان کی ہر ممکن امداد کریں گے،، (۲۲)

محدود آمدنی کے باعث کنز الایمان سوسائٹی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ مرکزی مجلس رضا لاہور کی

طرح ضخیم کتب چھاپ کر قارئین تک پہنچاتی لیکن چونکہ حضرت حکیم اہل سنت عوام تک اپنا پیغام تحریری شکل میں پہنچانے کو بیحد اہمیت دیتے تھے، اس لیے آپ کی ہدایت پر سوسائٹی نے ماہنامہ ''کنز الایمان،، کا اجراء کیا، پہلا شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا جس کے پہلے صفحہ پر بائیں جانب اوپر سرپرست اعلیٰ حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری کے الفاظ درج ہیں، یہ ماہنامہ مالی مشکلات کے باوجود ابھی تک شائع ہو رہا ہے، اس رسالے نے کئی تاریخ ساز خصوصی نمبرز شائع کئے، جن کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا، فی الحال اس میں چھپنے والے مضامین کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ ہر مضمون میں قارئین کے لیے کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہے، رسالہ کی تمام اشاعتوں میں شائع مواد کا تجزیہ کرنے کیلیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں، اس لیے ہم یہاں چند ایسے موضوعات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جن پر حضرت حکیم اہل سنت بہت زور دیا کرتے تھے اور زندگی بھر ان کی کوشش یہی رہی کہ ان کے متعلق عوام کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

جہاں تک علماء حق کا تعلق ہے، حضرت قبلہ حکیم صاحب نے ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کی سرتوڑ کوشش کی، اس سلسلہ میں اہل سنت کے پاس جو تحریری ذخیرہ موجود ہے وہ ان ہی کا عطا کردہ ہے لیکن وہ ان مولویوں اور پیروں کے سخت خلاف تھے جن کے طرز عمل سے مسلک اہل سنت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا، ماہنامہ ''کنز الایمان'' نے ان کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور اس کے مختلف شماروں میں کئی ایسے مضامین شائع ہوئے جن میں خلاف شریعت اور نامناسب رویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے متعلقہ حضرات سے اپیل کی گئی کہ وہ اہل سنت کو بدنام کرنے سے باز آجائیں، اپنی اصلاح کریں، اپنے مسلک کے مفادات کے تحفظ کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور نفاذ نظام مصطفےٰ ﷺ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، موضوع زیر بحث کے متعلق چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

☆ جہاں خانقاہیں تھیں وہاں ''بارگاہیں'' بن گئیں اہل خانقاہ گئے تو'' سجادہ نشین'' آ گئے رشد و ہدایت کے دروازے بند ہوئے تو'' فتوحات اور نذرانے اکٹھے ہونے لگے'' اہل دل کی محفلیں اجڑیں تو'' دنیاداروں کے ڈیرے'' آباد ہو گئے، جو پیر سینکڑوں میل پیدل چل کر خاک نشین مریدوں کی تربیت کیا کرتے تھے، آج ان کے صاحبزادے ''پجارو'' کاروں پر بیٹھ کر مریدوں کے سروں پر خاک پھینکنے لگے ہیں، ان حالات میں ''رائے ونڈ'' کے میدان میں لاکھوں لوگ جمع نہ ہوں تو کدھر جائیں ۔۔۔۔۔۔ مجھے ایک معمر درویش نے روتے ہوئے بتایا کہ آج سے ستر سال پہلے جہاں ان کے پیر و مرشد اپنے مریدوں کے حلقہ میں بیٹھ کر'' توجہ'' دیا کرتے تھے۔ آج ان کی اولاد نے حویلی بنا کر اپنے گھوڑے اور کتے باندھے ہوئے ہیں، ''زاغوں کے تصرف'''' میں عقابوں کے نشیمن'' آ گئے ہیں، خانقاہیں ''بارگاہیں''، بن گئی ہیں، ''رشد گاہیں''، چراگاہوں میں تبدیل ہو گئی ہیں، جہاں دنیا

داروں کو بزرگوں کی مجلس میں حاضری کی مشکل سے اجازت ملا کرتی تھی، آج وہی خانقاہیں دنیاداروں کی آمد آمد کے لیے آنکھیں فرش راہ بنی رہتی ہیں، آج پیرزادے اور مشائخ زادے، وزراء اور امراء کے انتظار میں بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔اگر چند مشائخ، چند پیرزادے، چند صاحبزادے اور چند سجادہ نشین مل کر اپنے اپنے حلقوں میں عوام کی روحانی راہنمائی کرنے میں دن رات ایک کر دیں تو ملت اسلامیہ دوبارہ اسلام کی روحانیت کی قوتیں لے کر آگے بڑھے گی اور لوگوں کو بدعقیدہ اجتماعوں سے نجات مل جائے گی (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی)(۲۳)

☆ درگاہیں جہاں لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت ہوتی تھی، آج کل تجارتی مراکز بن گئی ہیں اور محکمہ اوقاف کی تحویل میں آنے کے بعد تنخواہ دار مولویوں اور افسروں کی زیر نگرانی مسلسل روبہ زوال ہیں، ہر بدترین خلاف شرع کام مجرا، نشہ زنا، اغوا، ڈاکہ اور ڈھول ڈانس وغیرہ درگاہوں پر عام ہے اور اعراس کے دنوں میں یہ سب عروج پر ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔کھلی آنکھوں سے صرف حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار شریف پر ہونے والی حرکات کا جائزہ لیں تو عقل ٹھکانے آ جائے کہ خواتین و حضرات ایک ہی جگہ بیٹھ کر قوالی سماعت کر رہے ہیں قبضہ گروپ کی خواتین قوالوں کو سامنے بٹھا کر قوالی پر دھمال ڈال رہی ہیں، جھوم رہی ہیں اور قوالوں کی ملی بھگت سے خواتین و حضرات سے پیسے لوٹے جا رہے ہیں جبکہ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ ۱۰ سال سے زائد عرصہ ہوا، درگاہ شریف کی مسجد بند پڑی ہے اور اس کی مرمت نہیں کرائی جا رہی، نماز برآمدوں میں پڑھائی جاتی ہے اور مسجد کے قریب کئی جگہ بورڈ لگے ہیں، کوئی پوچھے کہ درگاہ کی آمدنی کہاں خرچ ہوتی ہے۔ (۲۴)

وہ بزرگ جو سٹھیانہ گئے ہوں اور اگر ضمیر بھی زندہ ہو تو انہیں یہ خوفناک اور دلدوز حقیقت یاد ہوگی کہ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں وہابیہ کی کوئی مسجد نہ تھی کہ ہندوستان سے آئے ہوئے ایک وہابی مولوی اس میں تقریر کرتے چنانچہ سول لائنز میں بمشکل جھوٹ بول کر ان کی تقریر کا انتظام کیا گیا مگر بعد میں آہستہ آہستہ ان لوگوں نے اہل سنت کی مساجد پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور آج صرف لاہور کیا پورے ملک میں یہ لوگ ہزاروں مساجد پر قبضہ کر چکے ہیں اور مزید کر رہے ہیں جبکہ وہ مساجد و درگاہیں جو محکمہ اوقاف کے کنٹرول میں ہیں وہاں اکثر وہابیہ امام وخطیب اور انتظامیہ قابض ہیں۔

عزت مآب قائدین، پیران عظام، اگر آپ یہ مضمون مطالعہ فرما رہے ہوں جس کی ہمارے ہاں روایت نہیں تو خدا اور سول کا واسطہ طیش کی بجائے ہم جاہلوں کی معروضات پر غور کیجیے، حکومت اور محکمہ اوقاف سے کسی بہتری کی بھیک مانگنے کی بجائے میدان عمل میں آئیں اور پاکستان کی درگاہوں اور مساجد کو ہر آلائش، برائی اور غیر شرعی امور سے نجات دلانے اور بدعقیدہ لوگوں سے واگزار کرانے کیلئے اپنے تمام تر اختلافات بھلا کر دہندہ بن

کر آگے بڑھیں، انشاء اللہ عوام اور طلباء اس میدان میں آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے (سید غلام محی الدین رضا)

(۲۵)

☆ میں اپنے قابل صد احترام مشائخ عظام اور علماء کرام کی خدمت میں ادب سے گزارش کروں گا کہ ہم نے تبلیغ دین کا فریضہ اور حلقہ ہائے رشد و ہدایت میں تو حتی المقدور حصہ ادا کیا مگر زمانہ کی روش کے ساتھ نہ چلے، حالات کے رخ کو نہ بھانپا اور تبلیغ و تشہیر کے جدید ترین طریقوں سے ناواقف رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم اپنے آپ کو سواد اعظم کہتے اور لکھتے ہیں مگر حقیقتاً اب ایسا نہیں رہا ہے۔ جو لوگ اپنے آباؤ اجداد سے سنیت کی دولت سے متمتع ہوئے تھے اور پھر اپنی کوشش اور ہمت سے قرآن و حدیث و تفاسیر کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کیا یا خدا کی عنایت سے علمائے کرام کی صحبت سے فیض یاب ہوئے ان کے سوسنیت کچھ نہ کچھ باقی رہ گئی ہے ورنہ موجودہ نصاب تعلیم جو بے مقصد بھی ہے اور دین بیزار بھی، اس سے اول تو اسلام کے ساتھ کچھ زیادہ مناسبت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور اگر کوئی طالب علم مسلمان رہنا ہی چاہے تو اسے اسلام کی جو شکل کتابوں (نصابی اور غیر نصابی کتابوں) میں ملتی ہے، ان میں سنیت نام کو نہیں ہوتی۔۔۔۔۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی بات عام فہم، موثر، دل نشین اور خوبصورت انداز میں عوام تک پہنچائیں، میں علمائے کرام کی خاک پا ہوں، مگر میں مودبانہ عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ ان میں بہت سوں کا انداز فکر اور اسلوب بیان اب لوگوں کو اپیل نہیں کرتا، اب فلسفیانہ موشگافیوں، علم الکلام کے مناظروں اور صرف و نحو کے جھگڑوں کا زمانہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ اب نفسیات کے جھگڑے ہیں، پروپیگنڈے کے نئے نئے طریقے ہیں۔۔۔۔ ان لوگوں کے نزدیک دولت ہی سب کچھ قرار پا گئی ہے تو انہیں قرآن و سنت کے حوالے سے ان کی سطح پر اتر کر ان کے دکھ درد کے شریک بن کر، ان کے ہم آواز ہو کر انہیں اسلام کے معاشی نظام کی برکتیں سمجھائیے اور بتائیے کہ دولت بھی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ خدا کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کر لیا جائے اور عشق مصطفےٰ ﷺ کی جوت اپنے دل میں جگالی جائے اور بزرگان دین کے قدموں کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے (راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ نعت لاہور) (۲۶)

☆ کیا یہ وہی پاکستان ہے جو آج سے ۴۵ سال پہلے تھا کہ جب "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کے مصداق پر عوام اہل سنت اور یہ پیرزادے سجادہ نشین اور علماء اہل سنت یکجا اور ایک جماعت کے پرچم تلے جمع تھے لیکن آج یہ کیا ہے کہ عوام اہل سنت تو ایک طرف بلکہ خود علماء کرام اور سجادہ نشینوں نے علیحدہ علیحدہ جماعتیں لا کر ہمارے سامنے کھڑے کر دی ہیں اور خود کو ایک عظیم سکالر سمجھ کر اور بیرون ملک دورے کر کے عالم اسلام اور دوسرے ممالک سے ڈالر کمانا چاہتے ہیں اور پھر نفاذ اسلام کا نعرہ الاپتے ہیں۔

کیا ہمارے اکابر میری اس تحریر پر غور کریں گے اور یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ واقعی آج کے اس پرفتن دور میں ''جماعت اہل سنت'' کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے، اگر یہ ضرورت نہیں تو چھوڑیئے اور پھر عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ یہی پاکستان جن اولیاء کرام کا فیضان ہے، انہی اولیاء کرام کے مزارات ایک چٹیل میدان کی شکل میں دیکھیں گے۔۔۔۔

میری یہ گزارش چند اکابر سے بھی ہے کہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے کیا قومی اسمبلی کا ممبر بن کر اور پھر وفاقی مذہبی وزیر بن کر اپنی شخصیت کو مزید اجاگر کرنا تھا، کیا تمام عمر نفاذ شریعت کے پیچھے بھاگ کر جماعت اہل سنت کا وہ خواب جو کہ ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا، اسے بالکل ادھورا چھوڑ دینا ہے اور کیا نورانی میاں تمام عمر اپنی سیاست چمکانے اور بیرون ممالک کے دورے کرنے پر گزار دیں گے، کیا خواجہ حمید الدین صاحب سیالوی انگریز کے پھو اور ایک خارجی مولوی کے لیے ایک ایک فرد سے ووٹ مانگ کر یہ ثابت کر دینا چاہتے تھے کہ اگر ان کا دل دھڑکتا تو صرف گستاخ رسول اور خارجی مولویوں کے لیے بلکہ انہیں ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے یہ بات ذہین نشین کرانا چاہتا ہوں کہ وہ خود تو اس زمانے میں پیپلز پارٹی میں تھے اور مولانا نورانی کو قومی اتحاد میں کردار ادا کرنے پر اس بہانے سے گالیاں دیا کرتے تھے کہ وہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور وہی خواجہ حمید الدین صاحب سیدہ عابدہ حسین شیعہ اور وہ بھی ایک خاتون اور ایک خارجی مولوی کے لیے ووٹ مانگتے ہیں۔

یقیناً ہم اپنے ان چند اکابر کو جماعت اہل سنت کے لیے مخلص سمجھنے کے لیے تیار نہیں، اب بھی وقت ہے کہ اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنے اور جماعت کو متحد کرنے کے لیے دن رات کوشش کریں ورنہ وہ دن دور نہیں کہ جب آپ سے یہ وزارتیں اور سینٹ اور قومی اسمبلی کی کرسیاں چھین لی جائیں گی اور ان سجادہ نشینوں کو دھکے دے کر ان کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا اور سعودی عرب کی طرح یہاں بھی نجدی حکومت اپنے ڈیرے جمالے گی جبکہ آج وہی نجدی اپنے آپ کو سنیت کے لبادے میں چھپا کر یہ بھیانک سازشیں کر رہے ہیں، اگر ان پر ابھی سے قابو نہ پایا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ جب ہماری پگڑیاں اچھالی جائیں گی اور حنفی بریلوی کہلانے والا شخص اپنے آپ کو لوہے کی موٹی سلاخوں کے اس پار کھڑا دیکھے گا کہ جہاں سے وہ خارجی بنے بغیر نہیں نکل سکتا (محمد خالد ربانی) (۲۷)

☆ میں اس (امام احمد رضا کانفرنس کے) پلیٹ فارم سے سرکاری و درباری علماء و مشائخ سے اپیل کرتا ہوں کہ خدارا اپنے منصب و مقام کو سمجھیں اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے نام پر حکومت کرنے والے نواز شریف کو مجبور کریں کہ وہ یہاں پر اسلام کے نفاذ کو عملی شکل دیں انہیں سمجھائیں کہ یہ وزارتیں یہ مشاورتیں آتی جاتی ہیں، اگر وہ دین و

دنیا میں سرروئی چاہتے ہیں تو فی الفور نظام مصطفیٰ کو نافذ کردیں، اس عظیم مقصد کے لیے پوری قوم آپ کے ساتھ ہے (محمد نعیم طاہر رضوی) (۲۸)

حضرت حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسریؒ جن اداروں کے سرپرست تھے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ وہ فاضل بریلویؒ اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کی دینی اور ملی خدمات کو منظر عام پر لانے کو اولین ترجیح دیں، کنزالایمان سوسائٹی کے صدر اور اراکین نے ان کی آواز پر لبیک کہہ کر اس میدان میں اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا اور اس موضوع پر درج ذیل خاص نمبرز شائع کیے۔

(۱) ماہنامہ کنزالایمان لاہور تحریک خلافت و ترک موالات نمبر

(۲) ماہنامہ کنزالایمان لاہور تحریک پاکستان نمبر

(۳) ماہنامہ کنزالایمان لاہور قائداعظم نمبر

ان خصوصی اشاعتوں میں تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک سنی قائدین کی سیاسی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے، سنی رسائل میں ''کنزالایمان'' کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس سیاسی تاریخ کو پہلی بار عوام تک پہنچایا، تینوں مقالے جدید طرز پر تحریر کیے گئے ہیں، ہر بات کا حوالہ دیا گیا ہے، ان میں مخالفین اہل سنت کے منفی کردار پر بھی بحث کی گئی ہے لیکن خوش آئند پہلو یہ ہے کہ روایتی طرز سے ہٹ کر دلائل سے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے ہفت روزہ زندگی لاہور کے ایڈیٹر جناب مجیب الرحمٰن شامی نے اپنی تقریر میں تحریک خلافت و ترک کے موالات نمبر کے متعلق فرمایا۔

''جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ اس رسالے کا علمی انداز بیان ہے کیونکہ یہ ہماری سوسائٹی کا چلن ہو گیا ہے کہ جب ہم مذہبی معاملات، دینی شخصیات اور بزرگوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو وہاں توازن اور اعتدال کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور مذہبی معاملات پر آپس میں بحث و تمحیص میں الجھتے ہیں یا اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارا اسلوب مثالی نہیں رہتا بلکہ پایہ ثقاہت سے گر جاتا ہے، اس لحاظ سے اس رسالے کی تحریر ہمارے لیے باعث مسرت ہے؛'' (۲۹)

''تحریک خلافت و ترک موالات'' کے دوران مسٹر گاندھی کی قیادت قبول کر کے مسلمانوں نے بہت نقصان اٹھایا، اس لیے کانگرسی ذہن رکھنے والے موءرخین نے ہر جگہ ان کا سرسری ذکر کیا ہے حضرت حکیم اہل سنت کی رہنمائی اور سرپرستی میں ''کنزالایمان سوسائٹی'' کا قوم پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے ایک ایسے لکھنے والے کو ڈھونڈا جس نے مختلف لائبریریوں میں جا کر انگریزوں، ہندوؤں کے مرکزی رہنماؤں اور قوم پرست مولویوں کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ کر کے نوٹس لیے تقسیم سے قبل دور کے بعض رسائل سے بھی استفادہ کیا اور سنی قائدین کے

متعلق بکھرے ہوئے مواد کو تلاش کیا پھر اسے مرتب کر کے ان دونوں تحریکوں کے مخالف وموافق حضرات کا نقطہ نظر تفصیل سے پیش کیا، اس طرح دونوں رخ سامنے آ جانے سے قارئین کو ان حالات وواقعات کا پتہ بھی چلا جنہیں بوجوہ نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی گئی تھی اس کے علاوہ مخالفین سالہا سال سے سنی رہنماؤں خاص کر امام احمد رضا خان بریلویؒ پر اس سلسلہ میں جو الزامات عائد کرتے رہے، پڑھنے والوں کو ان کا جواب بھی مل گیا۔

جہاں تک ''تحریک پاکستان نمبر'' کا تعلق ہے یہ اول الذکر خاص نمبر سے ضخیم بھی ہے اور اس میں معلومات بھی زیادہ ہیں لیکن چونکہ دونوں خاص نمبرز کا مرتب ایک ہی ہے اس لیے مذکورہ مقالہ میں بھی تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے پہلا حصہ کانگریسی مولویوں کے افکار ونظریات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصہ میں سنی علماء ومشائخ کے شاندار کردار کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے متعلق کنز الایمان سوسائٹی کو مختلف حلقوں کی جانب سے جو خیر مقدم کیا وہاں مخالفین نے بھی دبے لفظوں میں اس کے مشمولات کو ناقابل تردید قرار دے کے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دونوں خاص نمبرز کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

کنز الایمان کا قائداعظم نمبر راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا تاہم مختلف رسائل نے اس پر جو تبصرے کیے گئے ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ پر لگائے جانے والے ان الزامات کی تردید کی ہے کہ وہ خدانخواستہ دین سے برگشتہ اور علمائے اسلام کے مخالف تھے جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ اور کانگریس کے ممتاز راہنما مولوی حسین احمد دیوبندی نے تحریک پاکستان کے دوران لکھا تھا۔

''باوجودیکہ مسٹر جناح مذہب اسلام اور اہل سنت اور اہل مذہب سے نہ صرف مستغنی بلکہ سخت متنفر بھی ہیں، نہ ان کی زندگی مذہبی ہے، نہ اس بیچارے نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا دعویٰ کیا ہے، وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہیں اور سیاسی قیادت کے مدعی اور خواہشمند ہیں اور پھر سیاست بھی اس قسم کی جو کہ یورپین اقوام اور ممالک کی ہے، اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں اور نہ اس کے مدعی، اس پر طرح یہ ہے کہ اصحاب اغراض عام مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان کے امام اور قائداعظم ہیں، (۳۰)

کنز الایمان کے تحریک پاکستان نمبر میں بھی اگرچہ اس لغو اور بے بنیاد الزام کی تردید کی گئی ہے لیکن اس موضوع پر ایک خاص نمبر کی اشاعت سے پتہ چلتا ہے کہ کنز الایمان سوسائٹی کے ارباب اہتمام کو وطن عزیز سے کس قدر پیار ہے کہ وہ سنی علماء ومشائخ کے علاوہ مسلم لیگی قائدین خاص کر قائداعظم محمد علی جناح مرحوم پر خوف خدا سے بے نیاز لوگوں نے جو الزامات لگائے ہیں، کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں خاص کر ایسی حالت ہے جبکہ سوسائٹی مالی بحران سے دوچار ہے۔

ماہنامہ کنز الایمان کے مزید درج ذیل خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں جبکہ انٹرنیشنل سنی ڈائریکٹری نمبر اور حکیم محمد موسیٰ نمبر زیر طبع ہیں۔

(۱) ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید نمبر ۱۹۹۶ء

(۲) ختم نبوت نمبر ۱۹۹۷ء

(۳) حضرت سیدہ آمنہ نمبر ۱۹۹۹ء

(۴) چوہدری حمایت علی شہید نمبر ۱۹۹۹ء

ان خصوصی اشاعتوں کے علاوہ، ماہنامہ کنز الایمان میں حضرت حکیم اہل سنت'' کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے امام احمد خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ اور دیگر سنی علماء و مشائخ کی دینی وملی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے کئی مضامین شائع ہوئے جس کی فہرست اس مقالہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں (واضح رہے کہ یہ فہرست نامکمل ہے کیونکہ راقم کے پاس مکمل فائل موجود نہیں)۔

ماہنامہ کنز الایمان کا پہلا شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء پیش نظر ہے، اس کے پہلے صفحہ پر کنز الایمان سوسائٹی بانی اور صدر محترم محمد نعیم طاہر رضوی کا وہ بیان درج ہے جس میں اس وقت کے وفاقی وزیر بلدیات و دیہی ترقی و خصوصی تعلیم مولانا عبدالستار خان نیازی اور سینیٹر حضرت خواجہ حمید الدین سیالوی سے اپیل کی گئی تھی کہ حکومت میں شامل ہونے کی وجہ سے ان پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ بعض عرب ممالک میں کنز الایمان ترجمہ قرآن پاک پر عائد پابندی کو ختم کروانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں، اسی صفحہ پر اس ناروا پابندی کے سلسلہ میں ۱۵ مارچ ۱۹۹۴ء کو چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر میں یوم کنز الایمان ۱۶ مارچ کو کنز الایمان کانفرنس منعقد کرنے کی خبر بھی درج ہے، جناب احمد شہزاد نصیب کے قلم سے اداریہ میں متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب میں کنز الایمان ترجمہ قرآن پر پابندی لگنے کے مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا ہے اور حکومت سے مناسب کاروائی کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ اسی شمارہ میں دو مضامین ''مجدیوں کے سیاہ اعمالنامہ کا ایک ورق''، ''اور شاہ فہد ماضی اور حال کے آئینے میں'' بھی شامل اشاعت ہیں، اس مختصر تعارف سے پتہ چلتا ہے، کہ ماہنامہ کنز الایمان جاری کرنے کا بنیادی مقصد ومنشا کیا ہے۔

اس رسالہ میں درج ذیل تین کتابیں قسط وار شائع ہوئیں؛

(۱) محاسن کنز الایمان از ملک شیر محمد خان اعوان

(۲) ضیائے کنز الایمان از علامہ غلام رسول سعیدی

(۳) خصائص کنز الایمان از علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری

رسالہ میں کنزالایمان ترجمہ قرآن پاک کے متعلق بہت کچھ شائع ہوا، چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

☆ یہ محبت مصطفیٰ ﷺ اور احترام سرکار مدینہ ہی ہے جس کی وجہ سے کنزالایمان پر پابندی عائد ہے کیونکہ سعودی عرب پر جن کی حکومت ہے وہ تو سرکار مدینہ کے روضہ مبارک کو گرانے کی کئی بار ناپاک جسارت کر چکے اور احترام و ادب ان کے ہاں شرک کے مترادف ہے اور کنزالایمان تو سرکار مدینہ کے ادب واحترام سے لبریز ترجمہ قرآن ہے، وہ اس خطہ میں کیسے جاسکتا ہے (حاجی سراج احمد عادل) (۱۳)

☆ ۱۹۸۸ء کے بعد منتخب ہونے والی اسمبلی میں میں نے خارجہ پالیسی پر تقریر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ جس ملک کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات ہیں ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہمارے باشندوں اور لٹریچر پر پابندی لگائے، سعودی عرب میں اہل سنت کے لٹریچر پر پابندی ہے، میں نے کہا کہ یہ کیسے سفارتی تعلقات ہیں کہ ہمارے ملک کے باشندوں اور ان کی مذہبی کتابوں پر پابندی لگا رکھی ہے، موجودہ (عراق امریکہ) جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں کہا کہ کیسا ظلم ہے کہ سعودیہ نے کنزالایمان (ترجمہ قرآن) اور اہل سنت کے لٹریچر پر پابندی لگا رکھی ہے، خنزیر بھی آرہا ہے اور حرام کاری بھی ہو رہی ہے مگر کسی میں قوت نہیں کہ اس کو روک سکے۔۔۔

کنزالایمان ہمارے اسلاف کا ترجمہ ہے، ہم اس پر پابندی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے، ہم وزارت خارجہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ترجمہ قرآن کنزالایمان اور ہمارے ملک کے شہریوں پر عائد پابندی ختم کرائی جائے (مولانا محمد عبدالستار خان نیازی) (۳۲)

☆ ہم نے حجاز کانفرنس منعقد کی، پہلی مرتبہ یہ سوچا کہ سعودی نجدی تو مانتے نہیں ہیں ویسے تو حجاز کانفرنس لندن میں ہم نے منعقد کی اور اس میں تمام علماء کو ہندوستان سے، پاکستان سے عرب سے مختلف لوگوں کو بلایا کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ پر سے پابندی اٹھاو، اس کا بڑا چرچا ہوا تو سعودی عرب کے حکمران جو تھے وہ گھبرا گئے اور ہم نے اس سلسلے میں عالمی سطح پر احتجاج کیا کہ کنزالایمان کے ترجمہ پر سے پابندی اٹھاو اور اس کے داخلے پر پابندی مت لگاؤ، بحثیں بھی ہوئیں، چنانچہ یہ طے ہوا کہ سعودی عرب کے شاہ فہد بن عبدالعزیز موجود ہیں۔

لندن میں، ورلڈ اسلامک مشن کا ڈیلیگیٹ (DELEGATE) (وفد) ان سے ملا اور ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کے علماء کو جو بھی اعتراض کنزالایمان پر ہے اس کے سلسلے میں ہم بحث کرنے کو تیار ہیں، انہوں نے کہا کہ کتنے علماء آپ کے آئیں گے ہم نے کہا جتنے آپ کہیں کم سے کم پانچ ہوں گے، انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہمارے بھی پانچ علماء ہوں گے، آنے جانے کا کرایہ بھی ہم دیں گے، آپ صرف بحث کا وقت مقرر کر دیجیے، یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے، چنانچہ پاکستان میں ہم نے پانچ علماء تلاش کیے جو عربی میں بات کر سکیں، آپ کو حیرت ہوگی

یہ سن کر کہ انہوں نے آج تک وقت نہیں دیا، بالکل سناٹا چھا گیا، ہم نے متعدد بار یاد دہانی کرائی کہ آپ نے بادشاہ کی حیثیت سے، خادم الحرمین کی حیثیت سے وعدہ کیا تھا، اور آپ نے اپنے علماء کو نہیں بلایا، ہمارے علماء بحث کے لیے تیار تھے تو ترجمہ اعلیٰ حضرت کی برتری اپنے مقام پر ثابت ہے (مولانا شاہ احمد نورانی) (۳۳)

☆ امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنز الایمان زبان کی سلاست اور محاورہ کی بندش کے لحاظ سے اردو زبان کے نمایاں تراجم میں سے ہے (معراج خالد سابق نگران وزیر اعظم) (۳۴)

☆ یوں تو اردو زبان میں متعدد حضرات نے ترجمہ کیا ہے مگر آپ (امام احمد رضا) کا ترجمہ قرآن ان تراجم پر نمایاں فوقیت رکھتا ہے، اردو کے دیگر تراجم کا آپ کے ترجمہ سے مقابلہ کرنے پر یہ فرق واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ آپ کا ترجمہ لغوی، معنوی ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے اور شگفتہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کی اصل روح سے حد درجہ قریب ہے۔ ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر اللہ تعالیٰ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ادب واحترام، عزت وعصمت اور مقام کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے اس ترجمہ کی عظمت کا اندازہ دیگر تراجم کے تقابلی مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اہل علم وتحقیق کے لیے یہ ایک دعوت فکر ہے، کنز الایمان کا مطالعہ کرنے والے کو دوسرے تراجم کے مقابلے میں ایک واضح فرق یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بغور مطالعہ سے اسلامی عقائد وایمان کی اصل حلاوت سے نہ صرف یہ کہ لذت آشنائی ہوتی ہے بلکہ ایمانی دولت میں مزید برکت واضافہ کا احساس بھی ہوتا ہے (ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری) (۳۵)

☆ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے جہانزیب بلاک میں میرے دوست قریشی صاحب کے گھر اوشا نامی لڑکی مذہب اسلام پر تحقیق کر رہی تھی، لڑکی دہلی کی رہنے والی تھی اور امریکہ میں پڑھتی تھی، اپنی تحقیق کے سلسلہ میں قریشی صاحب کے گھر قیام پذیر تھی۔ اس کو تحقیق کے دوران مختلف تراجم کا مطالعہ کرنا پڑا، کسی نے اسکو کنز الایمان بھی لے دیا، اس لڑکی نے جب اس ترجمہ قرآن کو کھولا اور بسم اللہ کہہ کر ترجمہ ہی پڑھا تو فوراً کہہ اٹھی واقعی کسی نے عشق مصطفیٰ ﷺ میں ڈوب کر کیا ہے اور کنز الایمان کے ترجمہ کے مطالعہ کے بعد فوراً ایمان قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئی، اس لڑکی کا کہنا ہے کہ میں نے جو محبت رسول ﷺ کنز الایمان میں پائی، وہ کسی اور ترجمہ میں نہیں پائی، (حاجی سراج احمد عادل) (۳۶)

☆ آج سے پہلے بھی صدیوں سے علماء کے درمیان علمی اور فروعی اختلافات ہوتے چلے آرہے ہیں۔۔۔ مگر ایسی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ کسی عالم دین نے حکومت وقت سے یہ مطالبہ کیا ہو کہ فلاں عالم کی فلاں کتاب پر پابندی لگائی جائے، اس لیے کہ وہ وہ علماء تھے، جہلا نہ تھے۔

کنز الایمان کے بارے میں ہمارا (اہلحدیث) کا نقطہ نظر حضرات علماء دیو بند سے بہت مختلف ہے،

علمائے دیو بند تو نہایت شد ومد سے اس کی مخالفت بلکہ تکفیر تک کرتے ہیں مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ الم سے لے کر والناس تک ہم نے کنز الایمان میں نہ کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کو پایا ہے اور نہ کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے بلکہ یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کا بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت، علوت، تقدس وعظمت و کبریائی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جبکہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں، ان میں یہ بات نظر نہیں آتی اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا، شفیع روز جزا، سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب ماینطق عن الھویٰ اور ورفعنا لک ذکرک کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے، یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے (علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی امیر جمعیت برادران اہل حدیث پاکستان) (۳۷)

ماہنامہ کنز الایمان سے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے متعلق مختلف عنوانات کے تحت چند اہل علم کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کنز الایمان سوسائٹی کے نوجوانوں نے حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی خواہش کے عین مطابق کس قدر قیمتی مواد منظر عام پر لایا۔

فتاویٰ رضویہ

☆ ہمارے ہاں مشہور ایک اور فتاویٰ ہیں، وہ عالمگیری گزرے لیکن انہیں چالیس علماء نے مل کر مرتب کیا مگر یہ فتاویٰ (رضویہ) صرف فرد واحد کی مساعی کا نتیجہ ہے، لیکن امام احمد رضا خان کے فتاویٰ کے اندر شرح وبست ہے تمام دلائل و براہین کی تفصیل موجود نہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے فتویٰ دیا جو آج جدید تالیف اور تصنیف کا علم ہے، اس کی بنیاد پر میں عرض کروں گا کہ ان بارہ ہزار صفحات کو اگر رسالوں اور کتابوں کی صورت میں مدون کیا جائے تو سینکڑوں کتابیں اس میں سے نکل آئیں گی، یہ امام (احمد رضا) کے علمی مقام کی دلیل ہے، پھر آپ ایک جینئس (GENIUS) تھے، تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں آپ نے فتویٰ دینا شروع کیا، پہلا فتویٰ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں دیا اور چون سال برابر اس مسند افتاء پر قائز رہے اور آپ فتوی نویسی کرتے رہے اس میں اگر آپ کا کمال دیکھنا ہو، جو پہلے گزرے ہوئے فقہاء ہیں، ان کے مقابل میں انہوں نے کیا اضافہ کیا تو اس کا اسی سے اندازہ لگالیں کہ امام (احمد رضا) نے وہ مٹی کی قسمیں جس میں تیمم جائز ہے، اس سے پہلے ۸۴ بتائی گئی تھیں مگر آپ نے

تحقیق سے ان میں ایک سو سات قسموں کا اضافہ کیا اور اسکی تفصیل بیان کی، اسی طرح مٹی کی وہ قسمیں جن سے تیمم جائز نہیں، ان کی تعداد اب تک ۵۸ بیان کی گئی تھی مگر آپ نے اپنی تحقیق سے انہیں ایک سو تین تک پہنچا دیا، ۹۰۔ اس کے اندر وہ کتابیں مذکورہ ہیں جن سے آپ اسفادہ کیا ہے، فتاویٰ نویسی میں چار زبانیں اردو، عربی فارسی، انگریزی کا استعمال کیا ہے، یہ تو ایک عجیب وغریب کتاب ہے اور امام احمد رضا خان کے کمال علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے (مولانا کوثر نیازی) (۳۸)۔

☆ میں نے جلدی جلدی میں امام احمد رضا کا ایک فتویٰ مطالعہ کیا، عبارت کی روانی کا اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے (شیخ عبدالفتاح ابوعذہ پروفیسر کلیۃ الشرعیہ محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض سعودی عرب) (۳۹)

☆ ان (فتاویٰ امام احمد رضاؒ) کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب ومعیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں (محمد سعید دہلوی، ممتاز ادیب اور دانشور حکیم) (۴۰)

☆ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا فقہی مقام اتنا بلند ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ابوحنیفہ تھے، ابوحنیفہ ثانی تھے (مولانا شاہ احمد نورانی) (۴۱)

☆ ہندوستان کے دور آخر میں فاضل بریلوی جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا، میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں لہذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ آپ کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی، اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو آپ اپنے دور کے امام ابوحنیفہؒ ہوتے (مصور پاکستان علامہ محمد اقبال) (۴۲)

☆ فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان (امام احمد رضا خان فاضل بریلوی) کو جو عبور حاصل تھا، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے (مولانا عبدالحئی لکھنوی) (۴۳)

بحیثیت عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

☆ وہ وقت بھی یاد کیجیے جب امام احمد رضا کہتے ہیں کہ اگر دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنتا ہوں، ان کے طنز کا نشانہ بنتا ہوں تو میرے لیے اس میں بھی راحت کا ایک پہلو ہے، اگر مجھے اللہ اپنے محبوب کا دور عطا فرماتا تو میرے محبوب کی طرف جو تیروں اور تلواروں کے وار ہوتے، اپنے جسم وجان پر روکتا لیکن اللہ نے وہ سعادت نصیب نہ کی، آج

یہ سعادت میرے حصے میں آئی کہ دشمنان رسول کے طعن، طنز اور زبانوں کے تیر مجھ پر چلتے ہیں تو میرے آقا اتنی دیران کے طنز کے تیروں سے محفوظ رہتے ہیں، یہ فنافی الرسول کی جو منزل ہے، اس کو اہل دل ہی جانتے ہیں (سید حامد سعید کاظمی) (۴۴)

☆ کسی شخص نے بھی ذرہ برابر حضور پرنور ﷺ کی شان میں گستاخی کی، اعلیٰ حضرت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا خواہ وہ کوئی بھی ہو، کتنا ہی بڑا عالم ہو، کسی شخص نے بھی مقام مصطفیٰ ﷺ پر انگلی اٹھائی اور ادھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سبحان اللہ ان کی غیرت ایمانی جوش مارتی تھی (مولانا شاہ احمد نورانی) (۴۵)

☆ قسام ازل نے سرچشمہ فیوض وبرکات سے حضرت امام احمد رضا کو خوب خوب سیراب کیا، وہ اس مادہ عشق سے اس قدر سرشار تھے کہ ان کے رگ وپے سے محبت رسول ﷺ کی خوشبو آتی تھی۔۔۔ فاضل بریلوی نے عشق رسول ﷺ کی شمعیں فروزاں کیں جو تاقیامت نور بکھیرتی رہیں گی (الٰہی بخش سومرو سابق اسپیکر قومی اسمبلی) (۴۶)

☆ جب برصغیر پاک وہند میں مختلف تحریکیں اٹھیں، جنگیں ہوئی، ہر طرف تاریکی چھائی اور پھر ہنود و یہود نے باقاعدہ منظم طریقے سے مسلمانوں کے قلوب سے عشق مصطفیٰ ﷺ کو ختم کرنے کی مہم چلادی، مختلف اسکالرز سے ایسی کتابیں لکھوائیں گئیں جن میں حضور انور ﷺ کو صرف لیڈر اور ریفارمر ظاہر کیا گیا تھا۔ معاذ اللہ، انگریزوں نے عظمت مصطفیٰ ﷺ کو کم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، جب مسلمانوں کو ہر طرح سے ہر قسم کے خطرات درپیش ہوئے تو ان نازک ترین حالات میں بریلی شریف سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ نے مسلمانوں کی راہنمائی کا بیڑا اٹھایا اور مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کا حق ادا کردیا (ڈاکٹر محمد اسلم سید صاحب معروف تاریخ داں۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد) (۴۷)

☆ امام احمد رضاؒ عظیم انسانوں میں سے ایک ہیں، آپ ہمہ جہت شخصیت ہیں، آپ کی صفات کا کوئی شمار ہی نہیں، آپ کی کن کن خوبیوں کو گنا جائے آپ امام انقلاب، ممتاز عالم دین، عظیم محدث، بلند پایہ مفسر، امام نعت گویاں، عارف کامل، محقق دوراں، مورخ بے مثال، فقیہ اسلام اور سب سے بڑھ کر آپ عظیم عاشق رسول ﷺ ہیں (علامہ سید ریاض حسین شاہ ڈائریکٹر ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی) (۴۸)

☆ بے شک وہ اپنے زمانے کے عبقری ہیں، جب بھی احمد رضا خان کا نام زبان پر آتا ہے تو عاشق رسول کا لاحقہ بھی زبان پر آجاتا ہے، آپ کے قلم سے علم کے دریا رواں اور علم کی ہر لہر سے ع مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کی آواز آرہی ہے (سید یوسف رضا گیلانی سابق اسپیکر قومی اسمبلی) (۴۹)

☆ جیسے ابن رشد، البیرونی، امام غزالی اور دیگر زعمائے ملت نے اپنے علم وتقویٰ کی بنیاد پر دنیا میں خاص مقام پیدا کیا ہے، ان جیسی جدوجہد کرتے عشق مصطفیٰ ﷺ کے خاص امتیاز سے امام احمد رضا نے برصغیر پاک وہند اور

بیرون دنیا میں اپنے آپ کو منوایا ہے، مسلم امہ کی شکست و ریخت کے کئی مواقع آئے لیکن عشق محمد ﷺ نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دیا ہے، ۱۸۵۷ء کے دور زوال پر مسلمان دن بدن انحطاط کا شکار ہو رہے تھے، آن واحد میں قدرت کاملہ نے امام احمد رضا خان کی صورت میں قوم کی راہنمائی فرمائی، امام صاحب نے ملت اسلامیہ کی زخم خوردہ حالت کا علاج عشق مصطفیٰ ﷺ سے کیا جو قیامت تک کے لیے راہنما اصول کے کردار کا حامل ہے (شاہد حامد سابق گورنر پنجاب) (۵۰)

☆ امام احمد رضا کا ظاہر و باطن یکساں طور پر منور اور تابناک تھا، آپ کا دل عشق رسول ﷺ سے معمور تھا، آپ کے روز و شب اتباع سنت سے مزین تھے، آپ نے اپنی زندگی آقائے دو جہاں رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے گزار دی، آقائے دو جہاں کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے اپنے قلم و زبان کو وقف کر رکھا تھا، آپ نے قوم کو مقام مصطفیٰ کی عظمت سے روشناس کرایا اور قوم میں بلالی روح پیدا کرنے کی تلقین کی آپ کا دل دھڑکتا تو رحمت اللعالمین کی محبت میں اور عشق مصطفےٰ کا جو معیار آپ متعین کر گئے وہ متاخرین کے لیے مینا رہ نور ہے (احمد شہزاد نصیب) (۵۱)

☆ فاضل بریلوی کو مبدا فیاض نے علم و فن اگر منوں کے حساب سے دیا تو ذوق و عشق محمد اللہ نے ٹنوں کی مقدار میں بخشا، ذوق غلامی رسول ﷺ کا اور عشق ذات مصطفیٰ کا جب وہ مسند افتاء پر ہوں تو بالغ نظر مفتی حدیث پڑھا رہے ہوں تو عظیم محدث، فقہی مسائل پر بات کر رہے ہوں تو فقیہ اعظم اور فن میراث زیر غور ہو تو ماہر علم المیراث دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی قامت پر ہر قبا خوب سجتی ہے، مگر جب وہ کوچہ نبی میں ہوں تو ان کی شان گدائی پر دارا و سکندر کو رشک آنے لگتا ہے، جب وہ وقف ذکر رسول ہوتے ہیں تو وجدان درود پڑھنے لگتا ہے، جب ان کے ہاتھ میں نعت کا کشکول ہوتا ہے، تو فرشتے بھیک مانگنے کو قطار اندر قطار زمین پر اترتے دکھائی دیتے ہیں، جب ان کے لبوں پر نام مصطفیٰ آتا ہے، تو شہد کی بارش ہونے لگتی ہے، جب ان کا موضوع سخن حضور ﷺ کا چشمہ فیض ہوتا ہے تو ساغر دل چھلک چھلک جاتا ہے، جب یاد حبیب کا چاند ان کے دل کے آنگن میں اترتا ہو تو شب ہجراں چمک چمک جاتا ہے، اور جب وہ اپنی شاعری میں حسن سرکار کا مضمون باندھتے ہیں تو غنچہ فن چٹک چٹک جاتا ہے،

ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیے، اس مرتبے کا شعر آپ کا کہاں ملے گا؟

عرش سے مژدہ بلقیس شفاعت لایا
طائر سدرہ نشین مرغ سلیمان عرب

(صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی) (۵۲)

نعت گوئی

☆ سلام (رضا) ۱۷۱۔ اشعار پر مبنی ہے، اس کا ہر ہر شعر خلوص وعقیدت اور عشق ومحبت میں ڈوبا ہوا ہے، یہ برجستہ و برمحل الفاظ ومعانی کا ایسا حسین وجمیل گلدستہ ہے جس کی خوشبو اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے، اس میں مشرق ومغرب کی تخصیص نہیں بلکہ جہاں جہاں اردو پہنچی ہے وہاں وہاں تک امام رضا کا شہرہ ہی شہرہ ہے اور اس مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، یہ روح پرور سلام اور ذہن افروز درود وسلام اپنے شگفتہ پن کے باعث سننے والوں کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا دیتا ہے، اسے والہانہ انداز سے پڑھئے تو یہ قلبی وروحانی سکون کا سبب بنتا ہے، یہ اخلاق کے سنوارنے اور نکھارنے کا ضامن ہے، یہ تطہیر روح اور تزکیہ نفس کے لیے اکسیر ہے (پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر)(۵۳)

☆ حضرت امام احمد رضا بریلویؒ بڑے باکمال شاعر تھے، آپ کے دیوان "حدائق بخشش" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عربی، فارسی اور اردو میں شعر گوئی پر پورا پورا عبور حاصل تھا، آپ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اسے وہ کمال بخشا کہ جس کی نظیر نہیں، بلاشبہ آپ نعت گوئی کے امام تھے۔
(محمد خالد جذبی)(۵۴)

☆ احمد رضا خان بریلویؒ کے کلام سے پہلا تاثیر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی ﷺ کا ہے، ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے، مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں ع (نیاز فتح پوری)(۵۵)

☆ میرے ایک دوست تھے، انہوں نے برصغیر میں عربی نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ لکھا اور مجھ سے کہا کہ آپ میری نگرانی کریں اور انہوں نے جب اپنے مقالے کا خاکہ تیار کیا تو اس میں حضرت مولانا احمد رضا خانؒ کا نام بھی شامل تھا، جب میں نے اس خاکے کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ حضرت مولانا کی شخصیت اس مقام پر فائز ہے کہ آپ نے عربی زبان میں آنحضرت ﷺ کی مدح سرائی کی ہے میں نے قریشی صاحب سے کہا کہ آپ کے پاس جو کچھ اعلیٰ حضرت کا عربی کلام میسر ہے، وہ مجھے آپ پڑھنے کے لیے دیں تو اس وقت تک ان کے پاس ایک دو قصائد تھے، میں نے وہ پڑھے، آپ یقین کریں، میری زبان اس وقت آپ کے سامنے کھلی ہے، اس لیے آپ کو یقین کر لینے میں کسی قسم کا باک نہیں ہونا چاہئے، مجھے قصائد پڑھنے کے بعد یہ یقین نہ آیا کہ ایک شخصیت جس کے بارے میں صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مذھبی عالم یا مذھبی مکتب فکر کے بانی تھے،

ان کے قلم سے ان کی زبان سے عربی کے اتنے خوبصورت اشعار نکلے، یہ میرے لیے بڑی حیرت کی بات تھی، یہ پہلا موقع تھا، کہ میرے دل میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں تجسس پیدا ہوا کہ جس شخص کی زبان سے یہ اشعار نکل سکتے ہیں تو وہ یقیناً بلاشبہ کوئی عظیم عبقری انسان ہی ہوگا، چنانچہ میں نے خاص حضرت صاحب کی نعتیہ شاعری خواہ وہ فارسی میں تھی، عربی میں تھی یا اردو زبان میں، اس پر نظر ڈالنے کی کوشش کی اور ایک بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی چودہ سوسالہ تاریخ میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے عہد سے آج تک جن لوگوں نے حضور ﷺ کی مدح کی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اوصاف حسنہ کو شاعری کا موضوع بنایا ہے، ان میں وہی گہرائی اور جامعیت ہے جو حضرت مولانا احمد رضا خان کی شاعری میں ہے (ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی) (۵۶)

☆ان کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش اپنے دامن میں جو جذبات کی فراوانی، محبت کا غلبہ، درد اور سوز، کی کیفیت، والہانہ پن، خوبصورت سلیقہ اظہار اور جذب و مستی میں ڈوبے ہوئے الفاظ وحروف رکھتا ہے، اسے مولوی نہیں، صوفی بن کر پڑھیئے تو دل دھک دھک کر اٹھتا ہے، آنکھیں ابل ابل پڑتی ہیں اور کلیجہ پر برف پڑ جاتی ہے اور جگر تھامے نہیں تھمتا، روح سرشار ہو جاتی ہے اور دماغ معطر و معنبر ہو جاتا ہے، اس پیارے کی بات ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ اپنے آپ پر پیار آنے لگ جاتا ہے۔۔۔ فاضل بریلوی نے نعت رسول ﷺ میں جو گھلاوٗ اور چاوٗ پیدا کیا ہے، جو کیفیت اور جو معنویت پیدا کی ہے، جو رنگ اور جو نور پیدا کیا ہے، اس کا جواب نہیں اور دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے، کہ جس ذات ستودہ صفات کا پیرہن کاغذی اتنا خوبصورت ہے وہ خود کتنی دلربا اور دل آویز شخصیت ہوگی (صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی) (۵۷)

اعتراضات کے جوابات

☆آج کل بعض کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی، یہ بات سراسر غلط ہے، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلویؒ مسلک حق اہل سنت ہی کے علمبردار اور موئد تھے وہ مذہبا حنفی، مشربا قادری تھے، نہ ان کا کوئی الگ مسلک تھا جو اعلیٰ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کا اور دیگر آئمہ فقہا، محدثین اور مجتہدین کا تھا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی، حضرت پیر مہر علی شاہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا احمد رضا خان قادری بریلویؒ یہ سب بزرگ ایک ہی عقیدہ و مسلک پر تھے، ان میں کوئی مسلکی اور اعتقادی فرق نہ تھا، آپ چونکہ شہر بریلی کے رہنے والے تھے، اس لیے اس شہر کی نسبت سے آپ فاضل بریلوی کے لقب سے معروف ہوئے، ان کے بعض مخالفین نے ان کی اس بریلی کی نسبت کو ان کا مسلک قرار دیا اور اس

سے لوگوں کو مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے (حافظ محمد طاہر صدیقی) (۵۸)

☆ امام احمد رضا خانؒ نے معاشرہ میں پھیلے ہوئے منکرات و بدعات اور خرافات کی بڑی شدومد سے بیخ کنی فرمائی، آپ نے عرس کے موقع پر عورتوں، مردوں کے اختلاط کو حرام قرار دیا، مزار کو ہاتھ لگانے، طواف کرنے سے روکا اور سجدہ کو قطعی حرام قرار دیا، مزارات پر چراغ، لوبان، اگربتی کے متعلق فرمایا کہ خوشبو کی میت صالح کو کوئی حاجت نہیں، اگر حاضرین کے لیے فاتحہ خوانی کے وقت قبر سے قریب خالی زمین پر لگائیں تو بہتر و مستحسن ہے، رسم کے طور پر صالحین کی قبروں پر چادر چڑھانے کو فضول قرار دیا اور فرمایا جو دام اس میں خرچ کرتے ہو وہ ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں، میت کے گھر عورتوں اور مردوں کے جمع ہو کر دعوت میت کے اہتمام کے متعلق عدم جواز کا فتویٰ دیا، فاتحہ کے لیے لازم قرار دینے کو شریعت مطہرہ پر افتراء قرار دیا، مردہ کے کھانے کے متعلق فرمایا کے وہ صرف فقراء کے لیے ہے، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں وہ منع ہے، غنی نہ کھائے، سوئم، چہلم، برسی وغیرہ کو فقط اصل روح ایصال ثواب کے طور پر جائز قرار دیا اور اس خیال کو غلط قرار دیا کہ فقط متعین دنوں میں ہی زیادہ ثواب ملتا ہے، بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنا، مرد کو سونا، چاندی، پیتل، کانسی وغیرہ کی انگوٹھی، بٹن پہننا ناجائز لکھا، عورت کے لیے پیروں سے پردے کے متعلق لکھا کہ پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو، شادی کے گانوں، باجوں، شریعت و طریقت کی الگ الگ تقسیم، گھروں میں تصویریں لگانے آلات موسیقی کے ساتھ قوالیوں کا اہتمام کرنے، ترک گاؤ کشی اور ہندو مسلم آمیزش کے خلاف آپ نے سخت آواز اٹھائی اور ان تمام مذکورہ بالا امور پر متعدد کتب اور رسائل تحریر فرمائے (سلیم اللہ جندران) (۵۹)

☆ لوگ ان (امام احمد رضا خان) کو الزام دیتے ہیں شدت کا کہ سرکار ﷺ کے گستاخوں کے لیے اور دشمنان دین کے لیے سرکار کی ناموس پر حملہ آور ہونے والوں کے لیے یہ بہت شدید تھے، گزارش یہ ہے کہ اگر آدمی کی اپنی عزت پر حملہ ہو تو اس میں شدت آتی ہے، اس کے مزاج میں تلخی پیدا ہوتی ہے، وہ جسم و جان کی تمام قوتیں بروئے کار لاکر اپنی عزت و غیرت کا تحفظ کرتا ہے اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ اس کی عزت دراصل سرکار ﷺ سے نسبت میں ہے سرکار سے نسبت ہی عزت کی علامت ہے اور سرکار سے تعلق ہی افتخار کی ضمانت ہے تو پھر وہ سرکار کی عزت و توقیر کے تحفظ کے لیے شدت کیونکر اختیار نہ کرے گا اور تحفظ کے لیے شدت کیونکر اختیار نہ کرے (حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی) (۶۰)

☆ بعض دوست کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرتؒ کی طبیعت میں عقیدے کے اعتبار سے تشدد تھا، عمومی طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اور پروپیگنڈہ کامیاب ہو جاتا ہے لیکن ہمارے سامنے وہ پس منظر اور معاملات نہیں رکھے جاتے جن حالات کی روشنی میں ہم دیکھیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ تشدد جائز اور برحق تھا، ہندوستان کے حالات ہمارے سامنے

ہیں انگریز کے دور میں بطور خاص دین اسلام کو مٹانے کی جو کوشیش ہوئی ہیں ، ان میں مخالفین کا مرکزی نقطہ مسلمانوں کے دلوں سے عشق مصطفےٰ علیہ کو ختم کرنا تھا اس کی وجوہات موجود ہیں جن کو سامنے رکھ کر کافروں اور بدگماشوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں ایمان زندہ ہے، ان کو شکست نہیں دی جاسکتی، لہذا ان کی کوششوں کا محور عشق مصطفےٰ علیہ کو ختم کرنا تھا اور آپ دیکھیں کہ جو مسائل کھڑے ہوئے ہیں ان کا تعلق نماز، روزہ، حج اور زکواۃ سے نہیں بلکہ ان کا تعلق نبی پاک علیہ کی محبوبانہ ذات تھی، وہ تو عام بشر تھے وہ آئے اور چلے گئے، ان کو تو کچھ خبر ہی نہ تھی، یہ ساری باتیں اور جتنے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، ان کا تعلق نبی پاک علیہ کی ذات پاک سے تھا، اب بین الاقوامی سطح پر ایک گھناؤنی سازش پوری شدومد سے ہورہی ہے، ہندوستان میں کافروں کی کثیر آبادی بھی اس کے ساتھ ہے اور کچھ نادان مسلمان بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں تو جب اتنی طاقت کے ساتھ حملہ ہورہا تھا، اس کو روکنے کے لیے بھی دوگنی طاقت درکار تھی، تو سوچنے کی بات ہے کہ جس شدت سے حملے ہورہے تھے، ان کے دفاع کے لیے بھی اتنی ہی شدت درکار تھی (پروفیسر جی اے حق محمد)(۶۱)

☆ یہ کہنا کہ (امام احمد رضا خان ؒ کے استاد) حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب ”مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذب صریح ہے، غلام احمد قادیانی کذاب کا کوئی بھائی غلام قادر بیگ ہو تو یقیناً وہ دیگر شخص ہے اس سے امام احمد رضاؒ کا استادی وشاگردی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے (مضمون ۔ مرزا غلام قادر بیگ کون تھے؟)(۶۲)

☆ (۱۸۵۷ء) کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے تین مکتب فکر نمایاں طور پر سامنے آئے، ایک وہ جس کی قیادت سرسید نے کی ان کا کہنا یہ تھا کہ انگریزوں کی حکومت کے ساتھ مل کر باوقار غلامانہ زندگی قبول کرلی جائے اور ایک گروہ وہ تھا جو ہندو کے ساتھ مل کر اپنے خوابوں کی دنیا کے محل تعمیر کرنا چاہتے تھے تیسرا اور آخری گروہ وہ تھا جو اس بات پر مکمل یقین رکھتا تھا کہ ہمارا تحفظ نہ انگریز کی پتلون میں ہے نہ ہندوؤں کی دھوتی میں ہے اگر ہمیں کہیں پناہ مل سکتی ہے تو سرکار بے کس پناہ علیہ کے دامن میں پناہ مل سکتی ہے، اور یہ وہ جماعت تھی یہ وہ گروہ تھا جس کی قیادت امام عاشقاں امام احمد رضا خان ؒ فرمارہے تھے (گل محمد فیضی روزنامہ پاکستان)(۶۳)

☆ ہمارے معاشرے میں یہ ایک روایت چلی آرہی ہے کہ اگر کسی فاضل شخص کے علمی، ادبی اور تحقیقی نکات کا جواب نہ بن پڑے تو اس پر الزامات کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے، اعلیٰ حضرت بھی الزامات سے نہ بچ سکے آپ پر الزام لگایا گیا کہ آپ نے تحریک خلافت وترک موالات میں انگریزوں کی پشت پناہی کی حالانکہ آپ کا موقف بڑا واضح تھا اور آپ اس وقت کی سلطنت ترکیہ کو خلافت ترکیہ، خلافت ملت اسلامیہ قرار نہیں دیتے ہیں اور اس کا

انجام بھی انہیں نظر آ رہا تھا، نیز یہ کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس نام سے کانگرس مسلمانوں کا رخ اپنے سیاسی مقاصد کی طرف موڑ رہی تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت بڑے محتاط انداز سے مسئلہ خلافت اور ترک موالات کے حق میں اقدامات کرنے کے حق میں تھے نہ کہ مخالفت، فاضل بریلوی کا محتاط رویہ بعد میں بالکل درست ثابت ہوا، جب دیکھا گیا کہ وہ کانگریس جو ملت اسلامیہ کی خلافت کے لیے ترک موالات تک کے لیے آمادہ تھی، ہند میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد خطہ پاکستان کی روادار نہ ہوئی (صاحبزادہ سلطان الطاف علی چیئرمین بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ) (۶۴)

☆ تحریک پاکستان کے لیے بھی اعلیٰ حضرتؒ کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں، آپ نے سب سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کو علیحدہ قوم قرار دے کر دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی، اس وقت کے لوگوں نے آپ پر انگریز دوستی کا الزام لگایا مگر آپ نے حضور ﷺ کے ارشاد الکفر ملۃ واحدۃ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میں انگریز اور ہندو دونوں کو دشمن سمجھتا ہوں، آپ نے مزید کہا جو لوگ انگریز کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ہندوؤں کی بھی مخالفت کرنی چاہیے (پروفیسر سید جمیل الرحمان چشتی) (۶۵)

علم کا سمندر

☆ امام احمد رضا خان بریلویؒ کی علمی اور ملی خدمات اس قدر وسیع اور متنوع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، آپ کی علمی خدمات وتحقیقات میں "فتاویٰ رضویہ" "کنز الایمان" اور "حدائق بخشش" نہایت ممتاز ہیں (سیدہ عابدہ حسین، سابق وفاقی وزیر خصوصی تعلیم وسماجی بہبود) (۶۶)

☆ انہوں (امام احمد رضا فاضل بریلوی) نے ایک کتاب بنام "الذبدۃ الذکیہ تحریم سجود التحیۃ" تصنیف کی، یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے (ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنو) (۶۷)

☆ احمد رضا کی نگارشات کا انداز مدلل تھا جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے جس سے ان کی علمی اور عقلی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے (کیلیفورنیا یونیورسٹی امریکہ کے شعبہ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا ڈی منکاف) (۶۸)

☆ دینی علوم کے علاوہ امام احمد رضا خان کو سائنسی علوم پر بھی پوری مہارت حاصل تھی، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، جفر وتکسیر، جبر ومقابلہ، مثلث، ارثماطیقی، لوگارتم اور نجوم وحساب جیسے علوم میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے، مشہور واقعہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور مشہور ماہر ریاضیات تھے، جب ان کے سامنے ریاضی کا ایک پیچیدہ مسئلہ آیا تو اس کو مولانا احمد رضا خان نے باآسانی حل کر دیا (ڈاکٹر جمیل جالبی وائس

چانسلر کراچی یونیورسٹی)(۶۹)

☆آپ کی علمی تحقیق اور مطالعہ میں وسعت و جامعیت کا یہ عالم تھا کہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے، دلائل کے سمندر بہا دیتے ہیں اور جس مسئلے پر لکھتے، اس کا کوئی گوشہ بھی ان کی توجہ سے خالی نہ رہتا تھا حتیٰ کہ پڑھنے والا خواہ کتنا ہی بڑا عالم، فاضل، محقق مفسر اور مدبر ہی کیوں نہ ہو، وہ ان کے تبحر علمی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا (حافظ محمد طاہر صدیقی لاہور)(۷۰)

☆اس دور میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان" وہ جید مفسر اور علوم فلکیات، ریاضی ہیت طبیعات، نجوم، طب، نباتات، حیاتیات، حیوانات اور اخلاقیات پر ماہر دین ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کے سائنسی علوم پر کھل کر بحث فرمائی آپ نے ثابت کردیا کہ قرآن حکیم میں ہر موضوع موجود ہے (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی)(۷۱)

☆میں ایک طالب علم ہوں اور اکثر و بیشتر وقت کتابوں کی صحبت میں گزارتا ہوں بہت پڑھا قدیم کو، جدید کو۔۔ خیال تھا کہ بہت پڑھ لیا ہے۔۔ مگر آج سے چند سال قبل جب اعلیٰ حضرت کی کتابیں پڑھنی شروع کیں تو یوں لگا جیسے اب تک تو میں ساحل پر فقط سیپیاں اکٹھی کر رہا تھا، سمندر میں کہ جس کو دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ آیت من آیات اللہ، اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس سمندر میں اٹھنے والی موج کے بارے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں سے اٹھی اور کہاں جا کر ختم ہوئی، جس طرح سمندر ہر وقت طغیانی پر ہوتا ہے، اسی طرح علم کا یہ سمندر بھی ہر وقت طغیانی کی صورت میں موجزن ہوتا ہے (مولانا کوثر نیازی)(۷۲)

سیاسی خدمات

☆مسلم لیگ نے بعد میں جو دو قومی نظریہ پیش کیا، امام احمد رضا خان" بہت پہلے اس کی طرف رہنمائی کر چکے تھے۔ اپنی سیاسی بصیرت کے پیش نظر وہ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے، ان کا کہنا تھا کہ معاملات روزمرہ کے لین دین اور تعلقات و مراسم کی بات مختلف ہے لیکن دو قوموں کے اتحاد یعنی ہندو مسلم اتحاد کی بات بالکل علیحدہ اور جدا ہے اپنی ایک عربی تصنیف میں انہوں نے صراحت کے ساتھ یہ بتایا کہ ترک موالات کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد کا جو نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ وہ غیر شرعی ہے، اگرچہ مولانا قیام پاکستان تک زندہ نہ رہے لیکن اپنی تحریروں اور تبلیغ سے قیام پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہزاروں علماء کی ایک ٹیم تیار کر گئے (ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی)(۷۳)

☆جہاں تک اعلیٰ حضرت اور ان کے مخالفین کی رائے کا تعلق ہے تو اس بارے میں دو رائے ہو سکتی ہیں لیکن اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے جب تحریک خلافت و ترک موالات سے اپنے آپ کو لاتعلق کیا تو بعد

میں آنے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ اعلیٰ حضرت کی رائے زیادہ صائب تھی کیونکہ بعد میں مسلمان سیاست جن راستوں پر چلی اور بالآخر ہندو اور مسلم اکثریت کی بنیاد پر پاکستان کے حصول اور ہندوستان کی تقسیم پر منتج ہوئی اس سے اندازہ ہوا کہ جو شخص آج سے پچاس سال پہلے ایک بات کہہ رہا تھا اور اس وقت وہ بات بڑی اجنبی محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ بات کلمہ حق تھی اور کلمہ حق کی مثال شجر طیب کی سی ہے کہ جب بیج زمین میں ڈلا جاتا ہے تو اسکی اہمیت کا احساس نہیں لیکن جب وہی بیج ایک گھنا ور درخت کی صورت میں سامنے آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بیج ڈالنے والے شخص نے اس معاشرے کے ساتھ کتنی نیکی کی تھی۔

تحریک خلافت کے دوران مسلمانوں نے ہندوؤں سے تعاون کیا تو مسلمانوں کی سوچ یہ تھی کہ چونکہ اقتدار انگریزوں نے انہی سے چھینا ہے اسی لیے تحریک کا انجام ان کی حکومت کی بحالی پر ہوگا لیکن جب انگریزوں نے برصغیر میں سیاسی معاملات شروع کیے تو یہ بات ابھر کر سامنے آئی کہ اب طاقت کے پیمانے بدل گئے ہیں اور اب سیاسی معاملات بندوق کی گولی سے نہیں بلکہ ووٹ کی طاقت سے طے ہوں گے اور جب ووٹ کے ذریعے حکومت تشکیل ہوگی تو ہندوؤں کی مستقل اکثریت مسلمانوں کی مستقل اقلیت پر دائمی برتری حاصل کرے گی۔ اس مرحلے پر مسلمانوں کو احساس ہوا کہ جس بات کو وہ آزادی سمجھ رہے ہیں وہ دراصل غلامی کے نئے دور کا عنوان ہے ۔اس لیے صرف آزادی کا مطالبہ کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک ہندو اور انگریز دونوں سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے اور جب انگریزوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ اسے تو یہاں سے رخصت ہونا ہی ہے تو پھر معاملہ بھی ایک رہ گیا کہ ہندوؤں کی متوقع غلامی سے کیسے نجات حاصل کی جائے جب تحریک خلافت مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی قیادت میں عروج پر تھی اور گاندھی جی مسجدوں تک جا کر تقریر کر رہے تھے تو اس وقت قائداعظم علامہ اقبال اور مولانا احمد رضا خان اس ساری جدوجہد سے الگ تھلگ رہے اور ان کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی سیاست کو بہرحال علیحدہ ہونا ہے۔

تحریک خلافت برصغیر میں چلنے والی تحریکوں میں تقریباً سب سے بڑی تحریک تھی، اس وجہ سے اس وقت ان کی مخالفت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کو تحریک کی مخالفت کرنے کی وجہ سے انگریز کا ایجنٹ کہا گیا مگر انہوں نے جس بات کو حق سمجھا، اس کا اظہار کیا اور پھر اس پر ڈٹ گئے غالباً انہی لوگوں کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا کہ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

تحریک خلافت کے دوران اس کے مخالفین کو اپنا دفاع کرنا مشکل تھا، یہاں تک کہ قائداعظم کو اس

بات کی توجیہہ کرنی مشکل ہو رہی تھی کہ وہ تحریک میں حصہ کیوں نہیں لے رہے بلکہ یہ سمجھا جا رہا تھا کہ محمد علی جناح نامی شخص شاید برصغیر کی سیاست میں آئیندہ کوئی کردار ادا کر ہی نہ سکے گا، اسی طرح اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کی پوزیشن شدید متاثر ہو رہی تھی اور انہیں اس وقت کے حالات میں ٹوڈی مولوی کہا جا رہا تھا لیکن اس سب کے باوجود جس شخص کا خدا پر یقین ہو اور جسے معلوم ہو کہ قیامت برپا ہونی ہے اور وہیں اپنی نیت کا حساب دینا ہے، وہ زمانے کے بتوں کے حاوی ہونے سے گھبراتا نہیں اور نہ انہیں سجدہ کرتا ہے بلکہ جس بات کو حق سمجھتا ہے، اس کا اظہار کر کے اس پر ڈٹ جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کی اصابت رائے ہمیں بعد میں معلوم ہوئی لیکن اس وقت جس طرح ان حضرات نے اپنی سیاست اور عزت کو داؤ پر لگا کر اپنے موقف کو برملا لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس نے دلوں کو حوصلہ بخشا کہ کلمہ حق اس بات کا محتاج نہیں کہ کثرت اس کا اتباع کر رہی ہے یا قلت کیونکہ قلت اور کثرت عارضی اور وقتی پیمانے ہیں۔

☆ جن حضرات نے تحریک خلافت کے دوران اس سے اختلاف کیا اور اپنی رائے ظاہر کی، تاریخ نے ثابت کیا کہ وہ بہت بڑے ولایت تھے، وہ وقت کے دھارے کے خلاف کھڑے ہو گئے اور آج تاریخ کا دھارا ان کو سلام پیش کر رہا ہے (مجیب الرحمن شامی ایڈیٹر ہفت روزہ زندگی لاہور) (۷۴)

کہا جاتا ہے کہ مسٹر گاندھی اس لحاظ سے بہترین قائد تھے کہ انہوں نے بعض مذہبی رہنمائی کے مدعی حضرات کو اپنے جال میں پھنسایا، ان سے خوب کام لیا لیکن دیا کچھ نہیں، مشہور احراری راہنما جناب شورش کاشمیری نے بالکل سچ کہا تھا کہ،

ہندوؤں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے ایام قید ان کا بینک بیلنس ہے، جب چاہیں اپنا چیک کیش کرا سکتے ہیں، جن (کانگرسی) مسلمانوں نے استخلاص وطن کی تحریک میں حصہ لیا، وہ اپنا سب کچھ گنوا چکے ہیں۔ ان کی مثال اس عورت کی سی ہے جو نوجوانی ہی میں بیوہ ہو جائے، عمر بھر روتی دھوتی رہے، بچہ جنے تو مردہ ہو۔ (۷۵)

اس کے برعکس حکیم اہل سنت حضرت حکیم موسیٰ امرتسریؒ نے بھی مسلمانوں کو کام پر لگایا ان سے لیا کچھ نہیں اور دیا بہت کچھ، ایک وقت وہ تھا جب تحریک پاکستان میں اہل سنت کی قابل فخر کارکردگی کے متعلق تحریری طور پر کوئی مواد دستیاب نہیں تھا لیکن جب حضرت قبلہ حکیم صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مذکورہ موضوع پر کافی چھپا ہوا مواد اہل سنت کو دے گئے محترم حکیم صاحب نے کنزالایمان سوسائٹی کے ذریعے تحریک پاکستان کے متعلق جو مواد شائع کروایا اس کی چند جھلکیاں ہدیہ قارئین ہیں۔

مخالفین پاکستان

☆اس حماقت اور جہالت (مخالفت قیام پاکستان) پر لوگ اب بھی نادم نہیں بلکہ قائم ہیں اور ڈھٹائی سے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کا موقف درست تھا اور ان کا یہ دعویٰ کہ ہمارے اسلاف کی یہ پیشن گوئی کہ پاکستان کبھی قائم نہیں رہ سکے گا، ہمیں سچ ثابت کرنی ہے، پاکستان میں آ کر بھی یہ لوگ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہیں (نذیر احمد غازی) (سابق) اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل) (۷۶)

☆پچھلے دنوں جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن نے شریعت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے برصغیر کی نظریاتی تقسیم کی نفی کرتے ہوئے اسے جغرافیائی تقسیم قرار دیا، یہی موقف مخالفین قیام پاکستان جناب مولانا ابوالکلام آزاد، عطاء اللہ شاہ بخاری، مفتی محمود، مدرسہ دیوبند کی مسند دار الحدیث پر براجمان مولانا حسین احمد دیوبندی کا تھا، اس وقت من حیث الجماعت دیوبند مکتبہ فکر کے پیروکاروں نے کانگریس کی تحریک متحدہ ہندوستان کے لیے تمام تر صلاحتیں صرف کیں، اب تک قومی رہنماؤں نے دل سے نظریہ پاکستان کو قبول نہیں کیا تو ان کے پیروکار معاشرہ میں اپنے ہی وطن کی نظریاتی اساس کے خلاف جوگل کھلاتے ہوں گے، یقیناً دشمن کے جاسوس اداروں کو بھی یہاں محنت کی کوئی ضرورت نہیں ہے (چوہدری حمایت علی) (۷۷)

چونکہ ہم لوگوں نے توجہ کم کی ہے، ہمارے یہاں تنظیم کی کمی ہے اور اسی تنظیم کی کمی سے حقائق سامنے آرہے اور یہاں یہ ممکن ہو گیا کہ وہ لوگ جن کے بزرگ پاکستان کے خلاف تھے وہ آج یہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان فراڈ اعظم تھا (۷۸)

اور پھر اپنے مفاد کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عورت کی حکومت ہم نے اس لیے قبول کر لی ہے کہ مسلم لیگ کی حکومت نے یہ صورت حال پیدا کر دی اس لیے ہم نے مجبوراً قبول کیا ہوا ہے چنانچہ یہاں بھی اپنے مفاد کے لیے راستہ نکال لیا، یہ وہ لوگ ہیں جو پاکستان کے نقطہ نظر کے حامی نہیں تھے، اور انہی کے بزرگوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں ہیں (۷۹)

بڑے دکھ کی بات ہے کہ یہ باتیں یہاں ہو رہی ہیں، ان باتوں کا ہمارے پاس جواب ہونا چاہیے اور جواب کے لے محنت کی، توجہ کی عمل کی اور تنظیم کی ضرورت ہے (پروفیسر ڈاکٹر منیر الدین چغتائی) (۸۰)

☆ایک طرف نعرہ لگتا تھا،

محشر میں جہنم کا کچھ ڈر نہ نہیں ہوگا

جو لیگ کے دفتر میں نام اپنا لکھا دیں گے

دوسری طرف دہلی کے ایک جلسے میں عطاء اللہ شاہ بخاری کہتے ہیں

ہاتھ میں بیڑی منہ میں پان
لے کے رہیں گے پاکستان

اور پاکستان کی توجیہ کرتے ہوئے وہ اسے ناپاکستان کہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر پاکستان بن گیا تو میں اپنی داڑھی پیشاب سے منڈوادوں گا، جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے ہند انہوں نے بھی پاکستان کی حمایت نہیں کی۔

کانگریس نواز علماء نے پاکستان کی مخالفت ہندو کو خوش کرنے کے لیے کی، رام راج کے لیے کی اور مسلمانوں کو ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم تلے اکٹھی ہونے لگی ہے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ ہم حکومت الٰہیہ بنائیں گے، یہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کی ایک چال تھی لیکن قوم نے ان کی بات سنی ان سنی کردی۔

☆ جب امرتسر جلنا شروع ہوگیا اور مسلم کش فسادات شروع ہوگئے تو یہی سید عطا اللہ شاہ بخاری جو امرتسر کے رہنے والے تھے اور جن کی ہندوؤں کے لیے بڑی قربانیاں تھیں، چاہئے تو یہ تھا، کہ ہندو گورنمنٹ ان کو تحفظ دیتی لیکن یقین کریں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، غازی عبدالرحمن اور شیخ حسام الدین، یہ تینوں میرے جاننے والے تھے اور چوتھے ڈاکٹر سیف الدین کچلو یہ سب ننگے پیر امرتسر میں اس ہندو سے جان بچا کر بھاگے جسے یہ سینے سے لگاتے تھے اور مسلمانوں کی مخالفت کرتے تھے۔

جواہر لال نہرو وزیراعظم کی حیثیت سے امرتسر آتا ہے تو امرتسر کے ڈپٹی کمشنر، آئی جی اور دوسرے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم لوگ سیف الدین کچلو اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو بھی نہیں روک سکے تاکہ ہم نمائشی طور پر ہی کہتے کہ مشرقی پنجاب کے مسلمان ہمارے ساتھ ہیں، (خواجہ افتخار احمد تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ) (۸۱)

☆ دیوبند کے کچھ طلباء اپنے کو حضرت شیخ (مولانا حسین احمد مدنی) کا مرید و متبع کہنے والے ہفتہ عشرہ قبل سے قصبہ (دریاآباد) میں وارد ہوگئے تھے، ان میں سے کچھ تو ادھر ادھر کو چلے گئے تھے، تین خاص قصبہ ہی میں مقیم تھے۔ مگر قصبہ میں کہاں، کسی مسجد کے حجرے میں، کسی مسلمان کی سرائے میں نہیں بلکہ خاص الخاص ہندو کے دھرم سالہ میں آئے تھے، مسلمانوں میں کام کرتے، مسلمانوں کے اندر تبلیغ کرتے (کہ وہ مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں مسلم لیگی امیدواروں مولانا جمال میاں بن مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو ووٹ نہ دیں) بلکہ کانگرسی امیدوار کو کامیاب کرائیں لیکن ہر وقت ان ہی لوگوں میں گھرے ہوتے جن کے خوف سے مسلمان کانگریس کو چھوڑے ہوئے ہیں

یہاں تک کہ بستی کے کسی مسلمان کے ہاں یہ حضرت جاتے بھی تو اپنے انہی میزبانوں کو ساتھ لیے ہوئے اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ کھل کر کوئی بات چیت ہی نہ ہو سکتی۔ یہ سیاسیات کی کوئی بہت ہی اونچی قسم کی حکمت عملی ہو تو ہو ورنہ ہم عاصیوں کی سمجھ میں تو یہ کسی طرح نہیں آتا کہ جس جماعت نے اتنی چڑ اور بیزاری پیدا کر دی ہے، عین اسی کو اوڑھنا بچھونا، بنالیا جائے تو یہ صورت صلہ رحمی کی ہوئی یا قطع اور قطع رحم کی (مولوی عبدالماجد دریا آبادی) (۸۲)

☆ مولانا (حسین احمد) مدنی نہ صرف مسلم لیگ کے سخت مخالف اور کانگریس کے دل وجان سے حامی تھے بلکہ جب انہیں معلوم ہوتا کہ فلاں خانوادہ کے کسی فرد نے مسلم لیگ کے کسی پروگرام کی حمایت کی ہے تو انہیں زبردست ذہنی و قلبی دھچکا لگتا، اس کا مظہر انکا وہ خط ہے جو انہوں نے مولانا ابوالحسن حیدری غازی پورہ کو لکھا، ملاحظہ ہو،

''لیگی حضرات مساجد کو اپنی جولان گاہ بنانے میں انشاء اللہ کامیاب نہ ہوں گے، کوئی خطرہ نہیں ہے، اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو پھر مسلم قوم کی بے راہروی کا علاج ہی کیا ہے، آپ نے (ہفت روزہ) مدینہ ۵ صفر کے مضمون جس کی سرخی ہے ''مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ایک عینی گواہ کے قلم سے'' دیکھا ہوگا آپ ہی فرمائیے کہ جس صوبہ میں (سندھ مراد ہے) ۷۵ فی صدی سے زیادہ مسلمان بستے ہوں اور وہ لوگ بہ نسبت دوسرے صوبوں کے بہت زیادہ مذہبی شمار ہوتے ہوں جبکہ وہاں کے مسلمانوں کی یہ انقلابی مذہبی حالت ہوگئی تو کیا امید کی جاسکتی ہے، اس الحاد اور بے دینی کی بھی کوئی حد ہے، جمعیت العلماء ہند اس طوفان اور شورش میں کیا کر سکتی ہے اور خود علماء کس حال میں ہوگئے ہیں کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گذرا کہ اسی پنڈال میں لیگ کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا اور بھر چونڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب صاحبزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محل اور مولانا عبالحامد صاحب بدایونی اور بہت سے حضرات ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے جب حالت اس درجہ بدل گئی کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت سب کے سب اس سیلاب کی نذر ہوتے جاتے ہیں تو جمعیت کے مٹھی بھر آدمی اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے، (سید نور محمد قادری) (۸۳)

☆ مولوی حسین احمد) مدنی صاحب جناب گاندھی کی پیروی میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ جو مسلمان کھدر کا استعمال نہ کرتا اس کی نماز جنازہ پڑھنا بھی گناہ عظیم خیال کرتے، آخر میں انہوں نے احباب کی فرمائش سے مجبور ہوکر غیر کھدر پوش مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت کرتا تو قبول کر لیا لیکن ان کی نماز جناشزہ پڑھنا ان کی غیرت نے قبول نہ کیا، مولانا عبدالجلیل صاحب کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔

بالکل صحیح ہے یہ میرا عمل اس وقت سے ہے جبکہ ترک موالات کی وجہ سے ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کیا گیا، اس وقت سے میں نے آج تک دیسی کپڑے پہنے اور کھدر ہی استعمال کیا، جنازہ کی نماز جبکہ اس کا کفن غیر کھدر ہوتا، پڑھنا چھوڑ دیا تھا تاکہ لوگوں کو اس سے نفرت اور دیسی مصنوعات سے الفت اور انس پیدا ہو مگر اب

کفن اگر غیر کھدر کا ہوتا ہے تو میں نماز نہیں پڑھاتا ہوں، پڑھ لیتا ہوں، نماز نہیں چھوڑتا۔، (سید نور محمد قادری) (۸۴)

☆ آج سے آٹھ دس برس قبل دہلی گیا، مولانا (ابوالکلام) آزاد کی قبر دیکھنے کی تمنا تھی، میں سب سے پہلے گاندھی کی سمادھی پر گیا وہ پھولوں سے لدی ہوئی تھی، اس کی سمادھی تو چھوٹی تھی مگر وہاں میرے قد سے زیادہ پھول پڑے ہوئے تھے، کچھ تاریخی مقامات کے بعد میں مولانا آزاد کی قبر پر گیا تو وہاں دیکھا کہ تالا لگا ہوا ہے اور گندگی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پڑی ہیں، پاس ہی چٹائی پر دو مسلمان بیٹھے تھے، ایک کے پاس بچوں کو تماشا دکھانے والی مشین تھی اور ہمارا حال بھی ایسا ہی ہوتا تھا، ہم نے بھی خوانچہ فروشی ہی کرنی تھی، یہ دودھ کی لہریں جو پاکستان میں بہہ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد قائداعظم کی فراست اور ہمت کا نتیجہ ہیں تو میں نے وہاں بیٹھے آدمیوں سے پوچھا کہ محترم اس شخص نے تو مسلمانوں کی مخالفت کر کے کانگریس پر اپنی زندگی نثار کر دی تو وہ کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی لڑکی اٹھائی جاتی ہے، یا کسی مسلمان کا خون بہایا جاتا ہے اور کسی مسلم آبادی پر حملہ ہوتا ہے تو وہ لوگ جوش میں آ کر مولانا آزاد کی قبر پر ٹوٹی جوتیاں اور گندگی پھینک جاتے ہیں کہ اس شخص نے ہمیں صحیح راستہ نہ دکھایا اور ہمیں قائداعظم کی مخالفت پر آمادہ کرتا رہا۔

میں مولانا آزاد کا ایک اہل قلم کی حیثیت سے احترام کرتا ہوں، ان کی تحریر اچھی تھی لیکن دانشور نہیں مانتا، دانشور تو علامہ اقبال تھے، جنہوں نے دور سے دیکھ لیا کہ کون اس ملک کو قائم کر سکتا ہے لیکن یہ تو کشتی کو الٹی طرف لے جانے والے لوگ تھے۔

قائداعظم مولانا ابوالکلام آزاد کو کانگریس کا شوبوائے کہتے تھے، گاندھی نے قائداعظم کو ایک خط لکھا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں اور مولانا آزاد بھی ساتھ ہوں گے، تو قائداعظم نے فرمایا کہ آپ آ جائیں لیکن مولانا آزاد کو ساتھ نہ لائیں میں اس سے نہیں ملنا چاہتا، یہ مسلمانوں کا لیڈر نہیں، آپ ہندوؤں کے لیڈر ہیں، ہندو لیڈر کی حیثیت سے مجھے ملیں، پھر جب مولانا آزاد کانگریس کے صدر ہو گئے تو قائداعظم کو خط لکھا کہ میں ملنا چاہتا ہوں، قائداعظم نے کہا تم کانگریس کے شوبوائے ہو اس لیے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا اور آپ نہیں ملے (خواجہ افتخار احمد تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ) (۸۵)

☆ جناب قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی پاکستان اسلام آباد سینٹ آف پاکستان کی لابی میں سینٹر اقبال حیدر سے اس وقت خفا ہوئے جب مولانا عبدالستار خان نیازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال حیدر نے کہا کہ اس مرد درویش نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی، آپ کے رہنماؤں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور اس نظریاتی تحریک کے راستے میں ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں، اتنے الفاظ سن کر قاضی

صاحب اچھل پڑے اور فرمایا کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں، آپ کا دماغ ٹھیک نہیں ہے، اسے ہسپتال میں داخل کراؤ، قاضی صاحب اس حد تک بے قابو ہو گئے کہ وفاقی وزیر قانون این ڈی خان کو باقاعدہ میدان میں اتر کر پوری قوت سے حالات معمول پر لانے میں بڑی کوشش کرنا پڑی، مگر فکر مولانا مودودی کے مجاہد بڑی دیر تک بڑبڑاتے رہے، بے شک یہ انداز قاضی صاحب جیسے رہنماؤں کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ بیچارے تو درکنار، جماعت (اسلامی) قائداعظم محمد علی جناح کے ادنیٰ سپاہی کے برابر بھی مرکزی رہنماؤں کو شعور نہیں دے سکی، میاں طفیل محمد اور نعیم صدیقی، مولانا، فتح محمد، مولانا جان محمد عباسی جیسے رہنما قاضی حسین احمد پر جھوٹ بولنے اور بد دیانتی کا الزام بے شمار دفعہ لگا چکے ہیں، دل لگتی بات تو یہ ہے کہ بعض تاریخی اور علمی غلطیوں پر جماعت اسلامی کو برملا دست بردار ہونا پڑے گا، اگر ایسا نہ کیا گیا تو بڑے بوڑھے سے لے کر بچوں تک سب کا بلڈ پریشر بھی ہوتا رہے گا ورنہ بے تدبیری سے مرض پریشان کن کا علاج کرتے کرتے مرض بڑھتا ہی رہے گا لیکن یہ بھی خدا کے غضب کی ایک صورت ہے (چوہدری حمایت علی) (۸۶)

قائداعظم محمد علی جناحؒ

☆ جن جماعتوں نے قیام پاکستان کے وقت پاکستان کی مخالفت کی تھی، آج وہی جماعتیں محب وطن کہلا رہی ہیں اور جنہوں نے قائداعظم محمد جناح کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے، آج وہ سب سے بڑے محب وطن بنے بیٹھے ہیں؟ روح پاکستان کے یہ حریف آزادیٔ وطن کے درخشندہ باب اور آفتاب پر الزام تراشی کر کے اپنی تنگ نظری کا اعتراف کر رہے ہیں ورنہ قائداعظم کی عظمت تو ایک امر مسلمہ ہے۔ (حافظ محمد طاہر صدریقی) (۸۷)

☆ کہا جاتا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے اکثر کٹر مخالفین نے جن میں ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں، پاکستان کی مخالفت ترک کر دی تھی (۸۸) اور اس کی ترقی و بہبود کے دل سے خواستگار تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد بھی مولانا (حسین احمد) مدنی کا جوز اویہ نگاہ اور عقیدہ تھا۔ وہ ذیل کے خط سے اظہر من الشمس ہے، مولانا عبدالرحیم صاحب کو تحریر کرتے ہیں۔

''سنی مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ضروری ہے مگر ایک ایسی جمہوریت جب کہ اسلامی حکومت نہیں ہے، کسی طرح ادعیہ کی مستحق ہو سکتی ہے جن کے مستحق سنی مسلمان ہیں ہاں اس لحاظ سے کہ رہون البلیتین اگر اس کا ثبوت ہو جائے تو البتہ مستحق ہمدردی ہو سکتی ہے مگر کانگری صوبوں میں کفار اصلی برسر اقتدار ہیں، پاکستان میں ملاحدہ اور مرتدین کا اقتدار ہے، دینی حیثیت سے دونوں کا فرق ظاہر ہے، کانگری صوبوں میں انگریزی اقتدار برائے نام اور اسی کو رفتہ رفتہ مٹایا جا رہا ہے اور پاکستان میں اس کو ترقی دی جا رہی ہے، ہاں وہاں کے سنی مسلمانوں

کے ساتھ یقیناً ہماری پوری ہمدردی از بس ضروری ہے۔۔۔۔ جینا (قائداعظم محمد علی جناح) خود اپنے کو رافضی بتاتا ہے اگر ایسے شخص کیلئے مولوی ابراہیم دعا کرانا چاہتے ہیں تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، وہ خود جانتے ہیں کہ آیا شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں (۸۹)

آپ کا فرمانا کہ حکومت تو بہر حال اسلامی ہے، تعجب خیز ہے'' (سید نور محمد قادری) (۹۰)

☆ قائداعظم جب (لندن) سے واپس آ گئے تو نہرو نے نعرہ لگا دیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، ایک ہندو اور دوسرے انگریز۔۔۔ قائداعظمؒ نے شہادت کی انگلی لہراتے ہوئے کہا کہ جواہر لال نہرو غلط کہتا ہے، ہندوستان میں دو نہیں ایک تیسری طاقت بھی بستی ہے جس کا نام مسلمان اور مسلم لیگ ہے۔ قائداعظم کا یہ فرمانا تھا کہ کانگریس کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے قائداعظم کی کردار کشی شروع کر دی اور ہمارے ہی مسلمان بھائی جن کے ماتھوں پر بڑے بڑے محراب لگے تھے اور چہروں پر لمبی لمبی داڑھیاں تھیں وہ ہندو کے آلہ کار بن گئے اور یہ ریکارڈ کی بات ہے اور ماہنامہ کنزالایمان کے ''تحریک پاکستان'' نمبر میں یہ سب موجود ہے، اس میں حوالے دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان علمائے کرام اور مجلس احرار اسلام کے لوگوں نے کس طرح ہندو کانگریس سے پیسے لیے اور آپس میں بانٹنے اور پاکستان کی مخالفت کی اور مخالفت ہی نہیں کی بلکہ قائداعظم کو کافراعظم کہا اور وہ شخص جس نے یہ کہا، اس کا نام مظہر علی اظہر ہے اس زمانے میں لوگ اسے ادھر علی ادھر بھی کہتے تھے۔ وہ آج لاہور کے ایک قبرستان میں برائے نام دفن ہے، اس کی قبر کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور جس کو وہ کافراعظم کہتا تھا، اس کے مزار کی طرف تو ذرا دیکھیں جہاں صبح و شام قرآن خوانی ہوتی ہے اور اسکی مغفرت کے لیے دعائیں ہوتی ہیں، سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے فرمایا، جو شخص ایک غلام آزاد کرے، اسے آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دی، میں اپنے بزرگوں اور دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ جس شخص نے کروڑں غلاموں کو آزادی دلائی اس کے قدموں میں کتنی جنتیں قدرت نے رکھی ہوں گی (۹۱)

قائداعظم کی عظمت کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگائیں، ایک میٹنگ ہو رہی تھی نہرو پٹیل اور ماؤنٹ بیٹن بیٹھے ہیں تو قائداعظم کی عینک مذاکرات کے دوران زمین پر گر پڑتی ہے، اب ہندو لیڈر سردار بلدیو سنگھ وغیرہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ لیڈر جھکتا نہیں ہے، آج دیکھتے ہیں، عینک اٹھانے کے لیے جھکتا ہے کہ نہیں، قائداعظم ان کی سرگوشیاں بھانپ گئے اور بڑے باوقار انداز سے جیب سے دوسرا چشمہ نکال کر لگا لیا اور ہندو لیڈروں کی قائداعظم کو جھکتا دیکھنے کی حسرت دل میں رہ گئی (خواجہ افتخار احمد پاکستان گولڈ میڈلسٹ) (۹۲)

☆ قائداعظم نے دو قومی نظریہ کے بارآور ہونے کے لیے مسلمانوں کا علیحدہ وطن قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے،

قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مقدمہ کی پیروی کے لیے قابل و تجربہ کار وکیل تلاش کرتا ہے بلا تمیز غیرے کہ وہ وکیل ہندو ہے یا مسلمان یا عیسائی، اب ہمارا مقدمہ انگریزوں اور ہندو کے ساتھ ہے، مسلمانوں نے قائداعظم کو اس مقدمہ میں اپنا وکیل بنالیا ہے، پھر ان کی ذات پر کیچڑ اچھالنا اور رکیک وسوقیانہ حملے کرنا کیا معنی ماسوائے ذاتی کدورت وحسد کے، یہ تو ایک اصولی بات تھی، اب رہی میری عقیدت، اگر چراغ لے کر ڈھونڈوں تو مجھے ہندوستان میں ایک بھی جناح صاحب ایسا ایماندارن والا مسلمان ایسی نظر نہیں آتا جو ایس خدمت اسلام بجا رہا ہو (امیر ملت حضرت پر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ) (۹۳)

☆ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے، ترجمہ، جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، ان کے واسطے رحمن بہت جلد محبت پیدا کرے گا (سورہ مریم) یعنی مخلوق کے دل میں محبت پیدا کرے گا، تم بتلاو، ہے کوئی مائی کا لال مسلمان جس کے ساتھ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان قائداعظم ایسی والہانہ محبت رکھتے ہوں یہ تو قرآن شریف کا فیصلہ ہے، اب رہی میری عقیدت تم اس کو کافر کہو، میں تو اس کو ولی اللہ کہتا ہوں (امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ) (۹۴)

سنی علماء و مشائخ

☆ مولانا غلام محمد ترنم امرتسریؒ نے تحریک پاکستان میں مثالی کردار، ادا کیا اپنی جادو بیانی کے ذریعے دوقومی نظریہ مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزیں کیا، ملک گیر دورے کر کے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا، ہر سال انجمن تبلیغ الاحناف کے جلسوں میں تحریک پاکستان کے موضوع پر تقاریر کی جاتیں، ۱۹۴۶ء میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی حضرت محدث علی پوری اور حضرت کچھوچھوی نے تحریک پاکستان کے حق میں ایسی مدلل اور پر مغز تقاریر کیں کہ امرتسر میں کانگرسی اور احراری مولویوں کا طلسم ٹوٹ گیا، (محمد صادق قصوری) (۹۵)

☆ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ دوقومی نظریئے کے زبردست مبلغ تھے اس نظریئے کی عملی تعلیم آپ کو حضور سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ کے کردار اور تعلیمات میں نظر آئی۔۔۔ آپ نے مسلم لیگ کے سٹیج سے قیام پاکستان کے لئے منعقدہ جلسوں میں بے شمار تقاریر کیں اور اسلامیان برصغیر کے دل و دماغ میں دوقومی نظریئے کے حوالے سے پاکستان کی عظمت اور اہمیت اجاگر کی، آپ نے ۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والے اس تاریخ ساز اجتماع میں بھرپور کردار ادا کیا، یہ وہی یادگار کانفرنس تھی جس میں علماء و مشائخ اہلسنت نے پاکستان کے حق میں اپنے حتمی اور قطعی موقف کا تاریخی اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر قائداعظم محمد علی جناح بھی پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں تو ہم قیام پاکستان تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے''، (خالد جذبی) (۹۶)

☆ حضرت پیر سید محمد محدث کچھوچھوی رحمت اللہ علیہ نے تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کئے اور عوام کو مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔۔ بنارس کی آل انڈیا سُنی کانفرنس میں آپ کے خطبہ صدارت سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

''میرے دینی رہنماؤ میں نے عرضداشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے، ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ بن گیا ہے، درودیوار پر پاکستان زندہ باد'' تجاویز کی زبان میں'' پاکستان ہمارا حق ہے'' نعروں کی گونج میں'' پاکستان لے کے رہیں گے'' مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔۔۔ جن سنیوں نے (مسلم) لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے، ان کو، ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے، اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سُنی قبول نہیں کرے گا۔

آل انڈیا سُنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خودمختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہئے کہ خلافت، راشدہ کا نمونہ ہو، ہماری آرزو ہے کہ اس وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے''

''اے سنی بھائیوں اے مصطفےٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی، اب بحث کی لعنت چھوڑو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو، یہ کام اے سنیو، سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔''

''حضرات میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے، پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا وظیفہ کون سوتے، جاگتے، اٹھے، بیٹھتے، کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا، اب رہا پاکستان کا رسنیان است! یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لیے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلاخوف لومۃ لائم کردیا ہے'' (محمد صادق قصوری) (۹۷)

☆ حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضویؒ نے دوسرے اکابر علماء اہل سنت کی طرح ابتداہی سے آل انڈیا مسلم لیگ کا

ساتھ دینا شروع کر دیا، ۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے اس کی حمایت میں دارالافتاء الرضویہ سے فتویٰ جاری کیا۔ ۴۶۔۱۹۴۵ء میں مشرقی پنجاب کا تفصیلی دورہ کر کے پاکستان کے لیے راہ ہموار کی (سردار محمد اکرم بڑ) (۹۸)

☆ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۹۴۰ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، وہاں آپ نے علماء کے اجتماع میں تحریک پاکستان پر روشنی ڈالی اور کئی علماء کو اپنا ہم نوا بنایا، قائداعظم سے ملاقات کر کے نظریہ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا اور روزنامہ ''احسان'' میں نظریہ پاکستان کی حمایت میں ایک طویل مضمون پانچ قسطوں میں شائع کروایا، آپ نے قائداعظم پیر صاحب مانکی شریف اور امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ساتھ مل کر ملک گیر دورے کیے، آل انڈیا سنی کانفرنس پنجاب کے صدر کی حیثیت سے آپ نے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی ہدایت پر تنظیم سازی میں سرگرمی سے حصہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں بنارس سنی کانفرنس کے لیے بڑی سرفروشی اور جانفشانی سے جدوجہد کی (سردار محمد اکرم بڑ) (۹۹)

☆ ۹۔ اپریل ۱۹۳۸ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزارویؒ نے خطاب کیا اور مجلس اتحاد ملت کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان کیا، قائداعظمؒ اس پر بہت خوش ہوئے، (علامہ ہزاروی کی دعوت پر وزیر آباد بھی تشریف لائے) قرارداد پاکستان کے موقع پر حضرت شیخ القرآن اسٹیج پر تشریف فرما تھے (پروفیسر محمد آصف ہزاروی) (۱۰۰)

☆ تحریک پاکستان میں حضرت علامہ یار محمد بندیالویؒ کا کردار بڑا نمایاں ہے، خانقاہی نظام کو چھوڑ کر آپ نے رسم شبیری ادا کی، علماء و مشائخ اہل سنت کے شانہ بشانہ آپ نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک فتویٰ جاری کیا کہ ''مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے، اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے'' مزید فرمایا، ''مسلم لیگ کو ووٹ دینا مسجد کو ووٹ دینا ہے اور یونینسٹ کو ووٹ دینا مندر کو ووٹ دینا ہے۔''

آپ کے فتویٰ کے اثر سے ہزاروں لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تو علاقہ کے امراء و روساء کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اور کہا، آپ یا تو مسلم لیگ کی حمایت ترک کریں یا پھر علاقہ چھوڑ جائیں، دھمکیاں بھی دیں اور لالچ بھی مگر اس مرد آہن کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش نہ آئی، فرمایا فقیر اپنا جھونپڑا تو کہیں اور بنا سکتا ہے مگر مسلم لیگ کی حمایت ترک نہیں کر سکتا (ڈاکٹر صاحبزادہ انوارالحق بندیالوی) (۱۰۱)

☆ تحریک پاکستان میں جناح صاحب اور مسلم لیگ کو حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہؒ کا پورا پورا تعاون حاصل تھا، آپ کی مجاہدانہ کوششوں نے تحریک پاکستان کا کام بہت آسان کر دیا اور آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ

پاکستان ضرور بن کر رہے گا اور اس کی بارگاہ خداوندی سے منظوری ہو چکی ہے، حضرت امیر ملت محدث یگانہ علی پوری نے نہایت ہی پر جوش انداز میں تحریک پاکستان کی حمایت فرمائی، ۱۹۴۰ء میں سری نگر میں قائد اعظم جب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے قائد اعظم کو دو جھنڈے عطا فرمائے، ایک کا رنگ سبز اور دوسرے کا سیاہ تھا، آپ نے فرمایا کہ سبز رنگ مسلم لیگ کا ہے اور سیاہ رنگ کفر اور کانگریس کا ہے، فیصلہ تم کرو، کس کا ساتھ دو گے، اس فرمان کی تعمیل میں آپ کے ۴۰ لاکھ مریدوں نے اور عقیدت مندوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیا (محمد ذاکر حسن) (۱۰۲)

☆ قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے، اور پاکستان کے لیے جو کوشش آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام تھا لیکن میں سو سال سے زیادہ عمر کا ضعیف ناتواں ہوں، میرا بوجھ آپ پر آن پڑا ہے، میں آپ کی مدد کرنا اپنا فرض تصور کرتا ہوں میں اور متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے، آپ مطمئن رہیں (مکتوب حضرت امیر ملت محدث علی پوری بنام قائد اعظم محمد علی جناح) (۱۰۳)

☆ جب تحریک خلافت کے بعد شدھی کی تحریک چلی تو امام احمد رضا خان کے ماننے والے ہی تھے جنہوں نے ہندوؤں کا مقابلہ کیا، ایک قومی نظریئے اور دو قومی نظریے کی جنگ جب ۱۹۴۰ء تک پہنچی تو اس وقت بھی، امام المسلمین امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے پیروکاروں نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے ذریعے مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا اور یہاں تک کہا کہ اگر قائد اعظم بھی پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں تو علماء اہل سنت پاکستان بنا کر دم لیں گے۔

اہل سنت نے اس وقت لیگ کا ساتھ دیا جب کانگریس اور ہندو نواز پاکستان دشمن علماء یہ بات کہتے تھے کہ جو مسلم لیگ کا ساتھ دے گا، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا جائے گا اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا ان حالات میں پیر سید جماعت علی شاہ صاحبؒ نے اعلان کیا، مسلمانو یہاں دو جھنڈے ہیں، ایک اسلام کا، دوسرا کفر کا، اگر تم اسلام کا جھنڈے تھامنا چاہتے ہو تو مسلم لیگ کا جھنڈا تھام لو، یہ امام (احمد رضا خان فاضل بریلویؒ) کی فکر کا، ان کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ کے بعد بھی آپ کے معتقدین کے قدم اکھڑے نہیں، انہوں نے ہر گمراہ تحریک کا زبردست طریقہ سے مقابلہ کیا (گل محمد فیضی) (۱۰۴)

حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ اور کنز الایمان سوسائٹی کی شروع کی ہوئی تحریک اب بھی جاری ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ سوسائٹی کی ہر ممکن مدد کی جائے تا کہ نوجوانوں کے حوصلے بلند رہیں اور وہ بدستور اپنا جہاد جاری رکھیں، اس کے علاوہ انفرادی طور پر بھی اہل سنت کے لکھنے والوں کو اپنا تحقیقی سفر جاری رکھنا چاہئے، ہماری دلی دعا ہے کہ اہل سنت حضرت قبلہ حکیم اہل سنتؒ کے نقش قدم پر چلتے رہیں اور انہیں دوبارہ

سوجانے کا مرض لاحق نہ ہوجائے، آمین

وماعلینا الا البلاغ۔

فہرست مقالات، امام احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کے متعلق

۱۔ احمد شہزاد نصیب: امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۱

۲۔ ادارہ: ارشادات امام احمد رضا۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۳ء

۳۔ ادارہ: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء

۴۔ ادارہ: امام احمد رضا کانفرنس کی قراردادیں ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء

۵۔ ادارہ: امام احمد رضا کانفرنس کے فوری اثرات ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء

۶۔ ادارہ: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۲ء

۷۔ ادارہ: PEARL OF THE EAST ماہنامہ کنزالامان لاہور جولائی ۱۹۹۳ء

۸۔ ادارہ: فرمان امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان بریلوی ماہنامہ کنزالایمان لاہور جون ۱۹۹۳ء

۹۔ ادارہ: نویں امام احمد رضا کانفرنس۔۔۔، ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۵ء

۱۰۔ اقبال احمد اختر القادری ڈاکٹر: امام احمد رضا کا اسلوب تحقیق، ماہنامہ کنزالایمان لاہور جون ۱۹۹۷ء

۱۱۔ اقبال احمد اختر القادری: امام رضا احمد کانفرنس، ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۷ء

۱۲۔ اقبال احمد اختر القادی: امام العلوم امام احمد رضا خان ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء

۱۳۔ الطاف حسین بیگ مرزا: امام احمد رضا کانفرنس کی مکمل روئیداد ماہنامہ کنزلایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء

۱۴۔ اللہ بخش عقیلی: حضرت مولانا احمد رضا خان ماہنامہ کنزالایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

۱۵۔ انعام الحق کوثر۔ ڈاکٹر: امام شعروسخن ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۹ء

۱۶۔ پریشان خٹک پروفیسر: امام رضا خان ahmad ماہنامہ کنزالایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء

۱۷۔ جمیل جالبی : وائس چانسلر کراچی، یونیورسٹی، مولانا احمد رضا خان بریلوی
ماہنامہ کنزالایمان لاہور جون ۱۹۹۴ء

۱۸۔ حمایت علی چوہدری: امام احمد خان کا نظریہ تعلیم ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۶ء

۱۹۔ حمایت علی چوہدری: گیارھویں سالانہ قومی امام احمد رضا کانفرنس ماہنامہ
کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۷ء

۲۰۔ رشید محمود، راجا: اعلیٰ حضرت اور نعت گوئی۔۔۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۱۔ رضوانہ جاوید: امام احمد رضا کانفرنس کی مکمل روئیداد ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء

۲۲۔ زین الدین ڈیروی: اشاریہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۳ء

۲۳۔ زین العابدین راشدی، صاحبزادہ: لاڑکانہ میں پہلی امام احمد رضا کانفرنس

کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۶ء

۲۴۔ سرفراز علی زیدی، سید: کوثر نیازی کی اعلیٰ حضرت سے وابستگی ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء

۲۵۔ سلیم اللہ ایم اے: کنز الایمان (انگلش) ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۲ء

۲۶۔ سلیم اللہ جندران امام احمد رضا خان بریلوی، ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۹ء

۲۷۔ شرف الدین قاضی: الٹے بانس بریلی کو۔۔۔۔۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۶ء

۲۸۔ شکیل احمد: امام احمد رضا کانفرنس کی مکمل روئیداد ماہنامہ کنز لایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء

۲۹۔ صابر حسین شاہ بخاری: سید امام احمد رضا، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی نظر میں

ماہنامہ کنز الایمان لاہور۔ جولائی ۱۹۹۷ء

۳۰۔ صابر حسین شاہ بخاری: روئیداد امام احمد رضا کانفرنس اسلام آباد

ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۵ء

۳۱۔ طارق محمود عزیز: امام احمد رضا کانفرنس ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۵ء

۳۲۔ عبدالقادر: دوسری امام احمد رضا کانفرنس ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۷ء

۳۳۔ عبداللہ جان، مولانا: کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء

۳۴۔ عشرت حسین مرزا: LIFE OF A SAINT ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۲ء

۳۵۔ علی احمد اصغر سندھیلوی: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک پیغام ماہنامہ الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۶ء

۳۶۔ علی احمد اصغر چشتی: شرح کلام رضا۔۔۔۔۔۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۴ء

۳۷۔ غزالہ کونین صابری: فاضل بریلوی تاریخ ساز شخصیت ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء

۳۸۔ غلام دستگیر: اعلیٰ حضرت کی سیاسی خدمات، ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۷ء

۳۹۔ غلام مصطفیٰ مصطفوی: مولانا احمد رضا خان کی سیاسی بصیرت ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۲ء

۴۰۔ لیاقت علی نیازی، ڈاکٹر: قرآن سائنس اور امام احمد رضا بریلوی ماہنامہ الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۲ء

۴۱۔ محمد ارشد القادری علامہ :دل کی آشنائی ، ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۲ء

۴۲۔ محمد اسحاق رحمانی: ڈاکٹر خدمت اساتذہ کا تصور اور امام احمد رضا

ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۵ء

۴۳۔ محمد آفتاب عالم: کنز الایمان پر اعتراض کا تحقیقی جائزہ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۶ء

۴۴۔ محمد اکرم رضوی ،صوفی: کنز الایمان پر پابندی اور ایک اہل حدیث کے تاثرات

کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۱ء

۴۵۔ محمد انور سعیدی: اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۶ء

۴۶۔ محمد خالد جذبی: حضرت امام احمد رضا بریلوی ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۵ء

۴۷۔ محمد خان قادری، مفتی : ختم نبوت اور امام احمد رضا خان ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

۴۸۔ محمد رضوان یونس :امام احمد رضا کانفرنس کی مکمل روئیداد ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء

۴۹۔ محمد رضوان یونس : کنز الایمان کانفرنس کی مکمل روئیداد ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۱ء

۵۰۔ محمد سرفراز خالد :اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۲ء

۵۱۔ محمد سعید: حکیم رئیس ہمدرد، IMAM AHMED RAZA

DEVOTED HIS LIFE FOR ISLAM اکتوبر ۱۹۹۲ء

۵۲۔ محمد سلیم اللہ خان: اعلیٰ حضرت کا تحریک پاکستان میں حصہ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۴ء

۵۳۔ محمد طاہر القادری صدیقی: اعلیٰ حضرت بریلوی کی نماز، ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۴ء

۵۴۔ محمد طاہر صدیقی، حافظ: الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی ماہنامہ کنز لایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء

۵۵۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: مرزا غلام قادر بیگ کون تھے۔

ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری، ۱۹۹۴ء

۵۶۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر: امام احمد رضا اور زبان عربی، ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۵ء

۵۷۔ محمد مسعود احمد: نگارشات عزیزی ۔۔۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

۵۸۔ محمد مظفر عالم، پروفیسر: مولانا احمد رضا خان بریلوی کی میلاد نگاری،

ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۵ء

۵۹۔ مدد علی قادری، ڈاکٹر: IMAM AHMED RAZA NAATS

ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء

۶۰۔ مظفر حسین خواجہ: امام احمد رضا اور علم تکسیر ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۳ء

۶۱۔ معین الدین، خواجہ: امام احمد رضا کا عشق غوثیت ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۳ء

۶۲۔ مقصود احمد: فتاویٰ رضویہ پر تبصرہ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۱ء

۶۳۔ م۔ک۔۔۔۔، کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۵ء

۶۴۔ ناصر عزیز، گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء

۶۵۔ نذیر فریدی ابوطیب صاحب کنز الایمان ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۲ء

۶۶۔ نوشاد عالم چشتی: کنز الایمان اور تحفظ عظمت الوہیت ورسالت:
ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء

فاضل بریلوی کے بعض عقیدت مندوں کے متعلق مقالات

۶۷۔ اقبال احمد اختر القادری ڈاکٹر: شہید محبت مولانا سید ریاست علی قادری ماہنامہ
کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۲ء

۶۸۔ اقبال احمد اختر القادری: علامہ شمس الحسن بریلوی ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۷ء

۶۹۔ صابر حسین شاہ بخاری: تعارف عبد القیوم طارق سلطان پوری ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء

۷۰۔ محمد سعید مجاہد آبادی، علامہ عبد الحکیم خان اختر شاہ جہاں پوری ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۳ء

۷۱۔ محمد عبد اللہ قادری: سیدہ آہ فاضل یگانہ جناب سید نور محمد قادری ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل
۱۹۹۷ء

۷۲۔ محمد کمال بٹ، حافظ پروفیسر مولوی حاکم علی۔۔۔۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۷ء

۷۳۔ نوشاد عالم چشتی: علامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۴ء

فہرست مقالات تحریک پاکستان

۱۔ ادارہ: تحریک پاکستان نمبر کی اشاعت پر دانشور حضرات کے تبصرے، ماہنامہ کنز الایمان لاہور
ستمبر ۱۹۹۶ء

۲۔ ادارہ: تحریک پاکستان نمبر کی اشاعت پر علماء و مشائخ کے خطوط ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء

۳۔ ادارہ: تحریک پاکستان نمبر کی اشاعت پر رسائل وجرائد کے تبصرے ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر
۱۹۹۶ء

۴۔ ادارہ: تحریک خلافت و ترک موالات نمبر کی اشاعت پر تاثرات، ماہنامہ کنزالایمان لاہور مارچ ۱۹۹۵ء

۵۔ ادارہ: حضرت مدنی میاں کی پاکستان آمد اور تقریروں پر پابندی ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۲ء

۶۔ ادارہ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۵ء

۷۔ نظریہ پاکستان سے انحراف۔۔۔۔۔۔۔۔ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۵ء

۸۔ ادارہ: یوم آزادی پاکستان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۲ء

۹۔ آفتاب احمد نقوی، ڈاکٹر: فروغ نظریہ پاکستان ضرورت واہمیت ماہنامہ کنزالایمان لاہور جون ۱۹۹۵ء

۱۰۔ انوار الحق بندیالوی، ڈاکٹر: مجاہد تحریک پاکستان ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء

۱۱۔ ٹی، ایم۔ بٹ۔ٹونیشن تھیوری (انگلش) ماہنامہ کنزالایمان لاہور مارچ ۱۹۹۳ء

۱۲۔ ٹی، ایم۔ بٹ قائداعظم اینڈ پاکستان (انگلش) ماہنامہ کنزالایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۲ء

۱۳۔ حمایت علی چوہدری: تاثرات تحریک پاکستان نمبر کے متعلق ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۶ء

۱۴۔ حمایت علی چوہدری، دل کی بات، (مخالفین پاکستان) ماہنامہ کنزالایمان لاہور مارچ ۱۹۹۶ء

۱۵۔ خالد جذبی: امام اہل سنت (علامہ سید احمد سعید کاظمی) ماہنامہ کنزالایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء

۱۶۔ رفیع اللہ شہاب: دی قائد اینڈ نیشنلٹ علماء (انگلش) ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۵ء

۱۷۔ زین الدین ڈیری: استدراک (تحریک پاکستان نمبر کے متعلق) ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۶ء

۱۸۔ زین الدین ڈیروی، تحریک پاکستان اور مخالف وموافق علماء ماہنامہ کنزالایمان اگست ۱۹۹۵ء

۱۹۔ زین الدین ڈیروی، تحریک خلافت و ترک موالات ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۴ء

۲۰۔ شجاعت علی سید، ایمبسڈر ہوٹل سے الحمراء ہال تک ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۶ء

۱۲۔ طارق محمود عزیز، تحریک پاکستان نمبر کی تقریب رونمائی ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء

۲۲۔ طارق محمود عزیز، تحریک خلافت و ترک موالات نمبر کی تقریب رونمائی ماہنامہ کنزالایمان لاہور مارچ ۱۹۹۵ء

۲۳۔ عارف محمود بٹ۔ حضرت الحاج لطیف احمد چشتی ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۷ء

۲۴۔ عبدالحق ظفر چشتی: حضرت شیخ القرآن کانفرنس ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۵ء

۲۵۔ عبدالحئی بانکا: چشتی مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالغنی چشتی ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۳ء

۲۶۔ غلام مرشد: قائداعظم اور قرآن مجید۔۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۵ء

۲۷۔ محمد اکرم بٹر سردار: مفتی اعجاز ولی خان رضوی ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۷ء

۲۸۔ محمد اکرم بڑ، سردار، مولانا ابوالحسنات قادری کی سوانحی جھلکیاں ماہنامہ کنزالایمان لاہور جنوری ۱۹۹۷ء

۲۹۔ محمد ذاکر الحسن: حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، ماہنامہ کنزالایمان لاہور مئی ۱۹۹۴ء

۳۰۔ محمد سلیمان: قائداعظم کا روحانی مقام ماہنامہ، کنزالایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

۳۱۔ محمد صادق قصوری پیر سید محمد محدث کچھوچھوی ماہنامہ کنزالایمان لاہور سمبر ۱۹۹۲ء

۳۲۔ محمد صادق قصوری: پیر محمد ہاشم جان سرہندی۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۳ء

۳۳۔ محمد صادق قصوری: مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۱ء

۳۴۔ محمد صادق قصوری، مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی ماہنامہ کنزالایمان لاہور مارچ ۱۹۹۳ء

۳۵۔ محمد صادق قصوری: مفتی سید مسعود علی قادری ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۳ء

۳۶۔ محمد صادق قصوری ملا شور بازار کابلی، ماہنامہ کنزالایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء

۳۷۔ محمد صادق قصوری: مولانا آزاد سبحانی۔۔۔۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور جون۔ ۱۹۹۳ء

۳۸۔ محمد صادق قصوری: مولانا غلام محمد ترنم امرتسری ماہنامہ کنزالایمان لاہور جولائی ۱۹۹۳ء

۳۹۔ محمد طاہر صدیقی، حافظ: ۱۴ اگست کا دن ہمیں کیا سبق دیتا ہے ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء

۴۰۔ محمد کمال بٹ، حافظ: حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۷ء

۴۱۔ محمد مردان شاہ، سید: حضرت پیر محمد شاہ بھیروی۔۔۔۔، ماہنامہ کنزالایمان لاہور فروری ۱۹۹۷ء

۴۲۔ مظاہر اشرف الاشرفی ڈاکٹر: محدث اعظم کچھوچھوی ماہنامہ کنزالایمان لاہور جنوری ۱۹۹۵ء

۴۳۔ نور محمد قادری سید: تحریک پاکستان اور مولانا حسین احمد مدنی۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اپریل ۱۹۹۶ء

حواشی

۱۔ پندرہ روزہ ندائے اہل سنت لاہور یکم تا ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۹

۲۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۶۸ء ص ۱۵

۳۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء اشاعت خصوصی ص ۲۷

۴۔ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور ۹ فروری ۱۹۷۹ء ص ۸

۵۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء ص ۱۴۔

۶۔ ایضاً ص ۱۴

۷۔ ایضاً ص ۱۴

۸۔ ماہنامہ الفاروق کراچی، صفر المظفر ۱۴۱۳ھ ص ۲۱

۹۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء ص ۳۳

۱۰۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص ۲۹

۱۱۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۴

۱۲۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۵ء ص ۲۰

۱۳۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۵

۱۴۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۵

۱۵۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۳

۱۶۔ ایضاً ص ۲۱

۱۷۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء ۱۳

۱۸۔ ایضاً ص ۷

۱۹۔ ماہنامہ کنزالایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۶

۲۰۔ بڑے بڑے اہل علم حضرات کو فاضل بریلوی کے متعلق بہت کم معلومات حاصل تھیں بلکہ بعض تو سرے سے انہیں جانتے ہی نہ تھے۔

☆ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب نے ایک تقریر میں اعتراف کیا کہ "پہلے مجھے یہ اندازہ تھا یا کچھ لوگوں سے جو سنا تھا کہ مولانا ایک مذہبی عالم تھے اور ایک مذہبی عالم کی حیثیت سے انکا اپنا ایک خاص مسلک اور انداز تھا بس اتنی سی

بات تھی جو ایک مدت تک میرے ذہن میں رہی (ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۴)

☆ ممتاز اسکالر علامہ جی۔اے حق محمد نے فرمایا "مجھے یاد پڑتا ہے غالباً ۷۶۔۱۹۷۵ء میں ہم نے اے ٹی آئی کے زیر اہتمام "یوم رضا" منانے کا پروگرام بنایا، میں نے انجمن طلباء اسلام کے کارکنان کو جناب جسٹس انوار الحق صاحب کے پاس بھیجا کہ اس موقع پر وہ تشریف لاکر ہماری محفل کی رونق دوبالا کریں، جب کارکنان جسٹس موصوف کے پاس دعوت نامہ لے کر گئے تو آپ نے یہ کہہ کر شمولیت سے انکار کر دیا کہ میں امام احمد رضا کو بالکل نہیں جانتا، ان کے بارے میں کیا کہوں گا (ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۵ء ص ۴)

اس قدر غلط تاثر پھیلایا گیا تھا کہ مخالفین اہل سنت کے بزرگوں کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریبات میں تو سربراہ مملکت تک تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن فاضل بریلوی کی یاد میں ہونے والی تقریب کو "فرقہ وارانہ" تقریب قرار دیکر اعلیٰ حکام کو اس میں شرکت نہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا تھا (ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۶)

۲۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۷۔۸

۲۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مئی ۱۹۹۴ء ص ۴

۲۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۰

۲۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۱۹۹۷ء ص ۲۲

۲۵۔ ایضاً ص ۲۴

۲۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۱۳۔۱۴

۲۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۲ء ص ۴

۲۸۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۶

۲۹۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۵ء ص ۱۷

۳۰۔ ماہنامہ قائد مراد آباد ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ کمال نمبر ص ۴۸

۳۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۱ء ص ۷

۳۲۔ ایضاً ص ۷

۳۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء ص ۲۶

۳۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۷ء ص ۴۰

۳۵۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۸

۳۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۱ء ص ۷

۳۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۷

۳۸۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۱ء ص ۱۰

۳۹۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۷ء ص ۲۹

۴۰۔ ایضاً ص ۲۶

۴۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء ص ۲۰

۴۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۲ء ص ۹

۴۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۸

۴۴۔ ماہنامہ کنز الایمان اگست ۱۹۹۴ء ص ۱۶

۴۵۔ ایضاً ص ۲۴

۴۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۷ء ص ۴۰

۴۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۵ء ص ۲۷

۴۸۔ ایضاً ص ۲۷

۴۹۔ ایضاً ص ۲۷۔۲۸

۵۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۷ء ص ۲۶

۵۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۱ء ص ۴

۵۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء ص ۱۲

۵۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۹ء ص ۱۵

۵۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۵ء ص ۱۶

۵۵۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۵ء ص ۱۲

۵۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۴

۵۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۸۔۱۹

۵۸۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۲۰۔۲۱

۵۹۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۹ء ص ۱۲۔۱۳

۶۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء ص ۱۵

۶۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۵ء ص ۲۹

۶۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۱۹۹۴ء ص ۲۲۔ ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں دیکھیے مضمون ''ختم نبوت اور امام احمد رضا خان'' از مفتی محمد خان قادری'' مشمولہ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء ختم نبوت نمبر ص ۳۰)

۶۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۷

۶۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۵ء ص ۳۱

۶۵۔ ایضاً ص ۲۴

۶۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۷ء ص ۴۱

۶۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۷ء ص ۲۵

۶۸۔ ایضاً ص ۲۹

۶۹۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۴ء ص ۱۵

۷۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۴ء ص ۲۱

۷۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ء ص ۶

۷۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۷

۷۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جون ۱۹۹۴ء ص ۱۵

۷۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۵ء ص ۱۷۔۱۸

۷۵۔ شورش کاشمیری۔ پس دیوار زنداں، مطبوعات چٹان لاہور ص ۳۷۴

۷۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۵ء ص ۲۰

۷۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۶ء ص ۲۱

۷۸۔ اشارہ ہے مفتی محمود صاحب کے صاحبزادے مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے اس بیان کی طرف، جہاں تک پاکستان کی اساسیت کا سوال ہے تو یہ فراڈ اعظم تھا جو اسلام کے نام پر کھیلا گیا، پاکستان کا وجود اسلام کے لیے قطعاً نہ تھا بلکہ مغربی سیاسی سسٹم کو بچانے کے لیے اس کو غلط ہاتھوں کے ذریعے وجود میں لایا گیا، یہ سب فراڈ تھا۔ جو اسلام کے نام پر کھیلا گیا (روزنامہ خبریں لاہور ۷ مارچ ۱۹۹۴ء)

۷۹۔ مفتی محمود صاحب نے کہا تھا کہ ''خدا کا شکر ہے، ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔'' (محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ، کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان، مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۴)

۸۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۱۶

۸۱۔ ایضاً ص ۲۱۔۲۳

۸۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۶ء ص ۱۵

۸۳۔ ایضاً ص ۱۵۔۱۶

۸۴۔ ایضاً ص ۱۶۔۱۷

۸۵۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۲۔۲۳

۸۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مارچ ۱۹۹۶ء ص ۲۱

۸۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء ص ۲۰

۸۸۔ سنا اور پڑھا ہم نے بھی یہی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ابوالکلام آزاد نے اس کی مخالفت ترک کر دی تھی لیکن جناب شکیل احمد ضیاء نے تحریر فرمایا ہے کہ۔ ''مولانا آزاد کو پاکستان کے نظریے اور خود پاکستان سے اس قدر نفرت تھی کہ دم مرگ انہوں نے اس مسلم مملکت کے حق میں کلمہ خیر نہیں کہا۔۔۔۔۔۔ مولانا آزاد پاکستان کو ناپاک قرار دیتے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے یورپ جاتے ہوئے کراچی کے فضائی مستقر پر قیام کے دوران ائر پورٹ پر موجود پاکستانی حکام کی درخواست پر بھی طیارے سے نیچے اتر کر پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں کیا'' شکیل احمد ضیاء ابوالکلام آزاد کے انکشافات شبل پبلی کیشنز کراچی ۱۹۸۸ء ص ۷۔۸)

۸۹۔ مولوی حسین احمد دیوبندی نے محض قائداعظم محمد علی جناحؒ سے سیاسی اختلاف کی بناء پر انہیں شیعہ قرار دیکر دائرہ اسلام سے خارج بتایا ورنہ نہ تو قائد محترم شیعہ تھے (دیکھیے ماہنامہ کنز الایمان لاہور قائداعظم نمبر) اور نہ ہی خود مولوی صاحب کے عقیدہ کے مطابق شیعہ غیر مسلم ہیں ''ایک دفعہ ترمذی کے درس میں خوارج اور شیعہ کے متعلق ایک افغان متعلم کے استفسار کے جواب میں (مولوی حسین احمد دیوبندی نے فرمایا) ''تکفیر ایشاں جائز نیست'' (ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۴ جنوری ۱۹۵۸ء مدنی نمبر ص ۳۲)

۹۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۶ء ص ۱۷

۹۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۰۔۲۱

۹۲۔ ایضاً ص ۲۲

۹۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۲۲

۹۴۔ ایضاً ص ۳۰

۹۵۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جولائی ۱۹۹۳ء ص ۲۹

۹۶۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اپریل ۱۹۹۳ء ص ۱۳

۹۷۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۱۱۔۱۲

۹۸۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۷ء ص ۳۶

۹۹۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۱۹۹۷ء ص ۳۰

۱۰۰۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور فروری ۱۹۹۵ء ص ۲۹

۱۰۱۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۶ء ص ۲۲۔۲۳

۱۰۲۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور مئی ۱۹۹۴ء ص ۹

۱۰۳۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور جنوری ۲۰۰۰ء ص ۲۱

۱۰۴۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء ص ۷

ایک تاریخ ساز شخصیت حکیم اہلسنت

ابوطیب سائیں نذیر حسین فریدی اوکاڑا اینٹ

موت کا ایک دن متعین ہے وہ کسی صورت آگے پیچھے نہیں ہو سکتی جب قدرت کی طرف سے بلاوا آجاتا ہے تو بندہ کو دار فنا سے دار بقا کی طرف جانا پڑتا ہے اور وہ اس راہ پر گامزن ہو جاتا ہے جس راہ سے واپسی کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ بندہ پیوستہ خاک ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناپید ہو جاتا ہے۔ مگر بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں۔ انہیں ایسی زندگی عطا ہوتی ہے جس پر لاکھوں دنیوی زندگیاں قربان بھی کر دیں تو جی نہیں بھرتا بقول علامہ اقبال"

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

ایسی ہی ہستیوں میں ایک دلکش، پر بہار، زندہ دل، عظیم ہستی حکیم اہلسنت حضرت حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری بن فخر الاطباء صوفی باصفاء حضرت حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری مرید اول حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی بسی شریف مدفون آستانہ عالیہ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج پاکپتن شریف کا نام نامی اسمِ گرامی بھی آتا ہے۔ حکیم اہلسنت حکیم حضرت محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہ ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ ایک ادارہ تھے جس سے علماء کرام، صوفیائے عظام، ادباء شعراء غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں نے آپ کی ذات سے استفادہ کیا۔ حکیم اہلسنت ہر سال "یوم رضا" بھرپور انداز میں مناتے جس سے ملک بھر کے اہل علم و دانش۔ سکالرز اور مشائخ عظام اپنے مقالات و تقاریر کے ذریعے امام احمد رضا قادری بریلوی" کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے۔ ان علماء کرام میں دو مرتبہ حکیم اہلسنت کے پیر بھائی اور میرے پیر طریقت حضرت الحاج ابو النصر علامہ منظور احمد شاہ صاحب مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال بھی "یوم رضا" کے جلسہ میں شریک ہوئے۔ جہاں انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر ایمان افروز خطاب فرمایا۔

اس کے علاوہ حکیم اہلسنت نے مجلس رضا کے زیر اہتمام سینکڑوں رسائل و جرائد اور کتب شائع کر کے اندرون ملک اور بیرون ملک لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیے غرض اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کو جس طرح آپ نے تقاریر و تحریر کے ذریعے متعارف کرایا شاید ہی کوئی ایسا ادارہ یا کوئی شخصیت ہو جس نے متعارف کروایا ہو۔ اس بات پر وہ افسوس کرتے کہ جو کام علما اہلسنت کے کرنے کا تھا وہ مجھے کرنا پڑا۔ علماء مشائخ اپنے فرائض سے [illegible] غافل ہیں کہ وہ اپنے مسلک کی اشاعت میں بھی کس قدر ہچکچاتے ہیں۔ حکیم اہلسنت [illegible]

اسلام مسلک حق اہلسنت اور فکر رضا کی اشاعت میں گزری وہ اپنے ہم عصر علماومشائخ کو اس سلسلے میں احساس ذمہ داری دلاتے رہے کہ وہ اٹھیں اور مسلک رضا کا پرچم لیے جذبہ عشق رسول ﷺ کے ساتھ پوری دنیا پر چھا جائیں مگر ہمارے علماء ومشائخ نے حکیم اہلسنت کے اس پیغام کو نہ سمجھا۔ اپنی اپنی انا کی خاطر آپس میں دست وگریبان رہے اور باہمی نااتفاقی سے غیروں نے فائدہ اٹھایا جس کے نتیجے میں آج ملک پاکستان کے ہر تعلیمی ادارے اخبارات، میڈیا اور سرکاری ذرائع ابلاغ میں وہ لوگ سرگرم عمل ہیں جن کو یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ گویا

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

حکیم اہلسنت بڑے ادیب محقق اور مورخ تھے، آپ کی تحریر کے ایک ایک لفظ سے عشق رسول کے چشمے پھوٹتے تھے آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے ان سے اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق سیراب ہوئے۔ آپ کے پاس جو بھی کوئی مضمون نگار یا مصنف آتا اور وہ اپنی نگارشات آپ کو دکھاتا تو اس کی نہ صرف اصلاح فرماتے بلکہ حوصلہ افزائی فرماتے اس کو تحریر میں مزید نکھار پیدا کرنے کی نصیحت فرماتے۔ جتنا کچھ ہوسکتا ترمیم واضافہ فرماتے جس سے مضمون کی افادیت بڑھ جاتی ملک کے کسی حصے میں کوئی انجمن یا ادارہ یا کتب خانہ قائم ہوتا تو آپ ان کو تعریفی خط لکھتے بلکہ انکی مالی سرپرستی کے علاوہ اس ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتب خرید کر لوگوں میں فری تقسیم کرتے اس طرح کوئی رسالہ یا کتاب شائع ہوتی اور اس کا مصنف یا ناشر وہ کتاب یا رسالہ انکو بذریعہ ڈاک ارسال کرتا یا خود پیش کرتا ان کی تعریف کرتے اور کہتے کہ اس گئے گزرے دور میں آپ کی یہ کوشش ایک جہاد ہے۔ اس طرح آپ ان کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے اور وہ رسالہ یا کتاب کسی اخبار یا رسالہ کے ایڈیٹر کو تبصرہ کے لیے بھیج دیتے اور تاکید کرتے کہ یہ تبصرہ ضرور شائع ہونا چاہیے۔

چنانچہ جب میں نے قطب الوقت فرید العصر حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری بسی شریف کا معروف رسالہ "شرح ان والقلم فی فضائل سید العرب والعجم ﷺ المعروف "میلادنامہ" شائع کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا تو نہ صرف انہوں نے دعائیں دیں بلکہ میری حوصلہ افزائی کے لیے ایک سو رسالہ منگوا کر فرمایا کہ میری طرف سے میرے مرشد برحق حضور میاں صاحبؒ کی عقیدت کے ساتھ آئندہ اشاعت فنڈ میں مبلغ دوسو روپے جمع کرلو چنانچہ وہی ۷۶ سالہ قدیم رسالہ "میلادنامہ" چوتھی مرتبہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں اس طرح میں نے معراج النبی ﷺ کے موضوع پر ایک ۴۰ صفحات پر مشتمل رسالہ "شہسوار لامکان" شائع کیا جس کے آخر میں حضرت امام احمد رضا بریلویؒ کا قصیدہ معراجیہ بھی شامل کیا۔ اس پر تبصرہ حضرت حکیم اہلسنت نے خود فرمایا۔ پھر اسے ہفت روزہ فیضان لاہور میں شائع بھی کروایا۔ اس کے ساتھ بذریعہ ڈاک ایک سو رسالہ منگوا کر مختلف لوگوں اور لائبریریوں میں بھیج دیا اس سے حکیم اہلسنت کی مسلک کے ساتھ گہری وابستگی کا اندازہ لگایا

جا سکتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ قطب الوقت فرید العصر حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی فخری قدس سرہ العزیز سجادہ نشین بسی شریف (مدفون آستانہ عالیہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ پاکپتن شریف) سے شرف بیعت رکھتے تھے اور خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت مولانا علامہ ضیاء الدین مدنیؒ نے بھی آپ کو قادری سلسلہ میں خلافت عطا فرمائی۔ آپ ہی نے ''حکیم اہلسنت'' کا خطاب دیا تھا جو خاص و عام میں آج بھی اسی خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

حکیم اہل سنت ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے جن کے نور بصیرت نے لوگوں کی تاریک راہوں کو منور کیا آپ انتہائی خلیق و ملنسار اور مرنجاں مرنج شخصیت کے حامل تھے۔ جو بھی جس طبقے کا آدمی آپ کی مجلس میں بیٹھتا آپ اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہر شخص یہی خیال کرتا کہ وہ سب سے زیادہ مجھ سے ہی محبت و شفقت فرماتے ہیں۔ آپ ساری زندگی ہزار ہا انسانوں کی تالیف قلوب کا سبب بنے رہے۔۔ آپ کی زندگی کا مقصد وحید دین اسلام کی سربلندی سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و ترویج اور مسلک رضا کی اشاعت تھا۔ آپ کی محفل میں ہر وقت شعر و سخن اور تاریخ و ادب کا تذکرہ چھڑا رہتا تھا۔ آپ نے آخری ایام میں اپنی لائبریری میں رکھی ہوئی پندرہ ہزار سے زائد کتب پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کو بطور عطیہ پیش کیں۔ جہاں ایک باقاعدہ ہال کمرہ آپ کے نام پر مخصوص کر کے اس میں آپ کی پیش کردہ کتب محفوظ کی گئی ہیں۔ یہ لائبریری یقیناً آپ کے لیے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے جس سے سینکڑوں طلبا اور اساتذہ کرام استفادہ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے انشاءاللہ۔

حکیم اہل سنت نے تحریک پاکستان ہو یا تحریک ختم نبوت یا تحریک نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہو ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلمانان اہلسنت اور ملت کی صحیح راہنمائی کرتے رہے آپ جس تحریک میں شامل ہوئے انہوں نے قوم کو ایک ولولہ تازہ بخشا اور وہ تحریک بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوئی آپ اہل سنت کے اتحاد کے زبردست داعی تھے آپ کی ہمیشہ کوشش رہی کہ جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اہلسنت کے تمام دھڑے متحد ہو جائیں اور اس بارے میں آخر دم تک متفکر رہے مگر افسوس کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور اہل سنت کا اتحاد نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ یکم دو اپریل 2000 میں ہونے والی انٹرنیشنل سنی کانفرنس ملتان اہل سنت کے اتحاد کا پیش خیمہ بنے اور یوں حکیم اہلسنت کا خواب پورا ہو جائے۔ (لیکن افسوس اس کانفرنس کے نتیجہ میں جماعت اہل سنت اور جمعیت علمائے پاکستان میں مزید دو گروپ پیدا ہوئے)

غرضیکہ حکیم صاحب کی پوری زندگی ذکر و فکر اور خدمت خلق میں گزری آپ کی سیرت بھی تابدار آپ کی صورت بھی آب دار۔ آپ کی ذات روشنی کا مینار آپ طریقت و تصوف کے تاجدار آپ کا عزم مثل کہسار،

آپ سراپا شفقت وغمگسار، آپ کی نگاہ حیا بار، آپ کی مسکراہٹ پر جان نثار، اپنوں کے لیے باران رحمت کی پھوار باطل کے لیے مثل شرار، حکمت و دانائی کا شاہکار غرضیکہ آپ کی ہر ادا شاندار اور طرح دار تھی گویا کہ حکیم اہلسنت'' جامع الصفات شخصیات میں سے تھے ان کی انسان دوستی تجر علمی، جود وسخا اور عشق رسول ﷺ پر کچھ لکھنے کے لیے وقت درکار ہے۔

سفینہ چاہے اس بحر بیکراں کے لیے

آپ کی سیرت وحالات زندگی پر انشاء اللہ دوبارہ کسی دوسری نشست پر قلم اٹھاؤں گا فی الحال اسی پر اکتفا کرتا ہوں

گر قبول ہے افتد زہے عز و شرف

حضرت حکیم اہل سنتؒ نے تقریباً ۷۲ سال کی بھرپور دینی علمی و عملی زندگی گزار کر ۲۲ نومبر ۱۹۹۹ کو وصال کچھ اس انداز سے فرمایا کہ جس پر اہل ایمان رشک کناں ہیں۔ امام اہلسنت مولانا امام احمد رضا خان بریلویؒ نے فرمایا ہے کہ

واسطہ پیارے کا مولیٰ جب کوئی سنی مرے
یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں کہ وہ مومن مرا
فرش سے ماتم اٹھے کہ وہ طیب وطاہر گیا

حضرت علامہ اقبال لاہوریؒ نے بھی خوب فرمایا ہے کہ۔

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

حضرت حکیم اہلسنت محمد موسیٰ امرتسریؒ نے اس طرح وفات پائی کہ حسن خاتم سے مشرف ہوئے۔

حضرت حکیم اہل سنت'' اخلاق محمدی کے مظہر تھے دوست دشمن عزیز واقارب، عقیدت مندوں اپنوں بیگانوں سب سے اخلاق کریمانہ فرماتے تھے آپ بیماروں کی عیادت کرتے حاجت مندوں کی حاجت برلاتے سائل کو واپس نہ لوٹاتے یتیم پر شفقت، مسکین پر رحم فرماتے آپ غریب پرور اور مہمان نوازی جیسے اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ کے مالک تھے اور علم وعمل کے پیکر شریعت وطریقت کا آئینہ تھے۔ غرضیکہ انہوں نے روحانی طاقت و کرادر گفتار ایثار وقربانی خلوص و ہمدردی، اسلامی بھائی چارہ کی فضا میں رہ کر بھرپور زندگی گزار کر اپنے عقیدت مندوں، ارادت کشوں کو داغ مفارقت دے کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد انا الیہ راجعون

آپ کا مزار والدہ صاحبہ کے پہلو میں دربار پرانوار حضرت میاں میر قادری فاروقیؒ لاہور میں بنا اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین

آب تطہیر سے جس میں پودے جمے اس ریاض نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

مخدوم ملت سنائے اہلسنت

حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی قدس سرہ،

از پیر علی اصغر چشتی صابری

مجموعہ آداب واخلاق حکیم محمد موسیٰ مرحوم فخر الاطباء حکیم فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ امرتسری کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ۲۸، صفر المظفر ۱۳۴۶ (۲۷ اگست ۱۹۲۷ء) کو بمقام امرتسر (بھارت) پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید ناظرہ قاری کریم بخش مرحوم سے پڑھا۔ کتب فارسی مفتی عبد الرحمٰن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ. مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر سے پڑھیں۔ نیز حضرت علامہ مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کیا۔ کتب طب اور مثنوی حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے دو دفتر والد گرامی سے پڑھے۔ علم ریاضی کی باقاعدہ تحصیل کی اور بہی کھاتے کا حساب محمد شفیع پاندے سے حاصل کیا۔ آپ نے روحانی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت فیضیاب قبلہ میاں علی محمد چشتی نظامی بسی شریف (ضلع ہوشیار پور۔ بھارت) کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ نصیریہ فخریہ میں بیعت فرمائی۔ آپ کے والد گرامی بھی حضرت قبلہ میاں صاحب سے بیعت تھے۔ گویا آپ اپنے والد گرامی کے روحانی بھائی بھی ہیں۔

قیام پاکستان کے دوران آپ ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور تشریف لائے اور جلد ہی سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں چھ ماہ کے قیام کے بعد بحکم والدِ گرامی لاہور تشریف فرما ہو کر بیرون لوہاری گیٹ مطب قائم کیا۔ ۱۹۴۹ء میں رام گلی (آپ اسے آرام گلی فرمایا کرتے تھے) مطب قائم کر لیا۔ اس کے بعد ۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور پر تا زیست مطب فرماتے رہے۔ اسے صرف مطب کا نام دینا تو حضرت قبلہ حکیم صاحب سے ناانصافی ہے بلکہ اسے علم و عرفان کا روحانی مرکز کہنا بجا ہے۔

آپ عابد، زاہد تہجد گزار اور علم و عرفان کے منبع تھے۔ صاحب ذوق شوق۔ وسیع القلب، خوش خلق اور اشفق بزرگ تھے۔ آپ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری رقم طراز ہیں۔

حکیم صاحب نہایت وسیع القلب۔ مہمان نواز۔ علم و ادب کے شیدائی۔ پرانی قدروں کے محافظ اور مجموعہ اخلاق و آداب ہیں۔ آپ کا مطب طبی مرکز سے زیادہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔ آپ نے ۱۹۷۴ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت گنبد خضراء کا شرف حاصل کیا۔ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ شریف کی اجازت حاصل کی۔ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپکو اعزازی خلافت سلسلہ قادریہ رزاقیہ برکاتیہ رضویہ میں بھی عطا فرمائی۔ اس سے قبل آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں صاحب مجاز تھے۔

قرآن مجید ترجمہ اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ (کنزالایمان) کی ضرورت ہوتی تو حضرت علامہ مفتی سید

احمد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جا کر حاصل کرنا پڑتا۔ وہ بھی غیر مجلد ہوتا تھا۔ اور اعلیٰحضرت کی تصانیف سے میرے جیسے کم علم لوگ واقف ہی نہ تھے۔ عوام میں اعلیٰحضرت کا سلام (وہ بھی فقیر نے ۱۹۰۴ء) میں پہلی دفعہ سنا اور نعت خوان سے اس کے اشعار نوٹ کر کے اپنے روزمرہ کے پڑھے جانے والے قرآن مجید کے آخر میں لکھے۔ الحمد للہ آج تک وہی قرآن مجید یا منظوم کلام ہی معروف تھا۔ کیونکہ منبروں اور سٹیجوں پر علما اہلسنت اعلیٰحضرت کے اشعار ترنم سے پڑھتے تھے۔ یا بعد از نماز جمعہ وجلسہ مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کا نغمہ جاتا تھا۔ کبھی بھی کوئی فقہی مسئلہ یا علمی بات یا کسی کتاب کا حوالہ سننے میں نہ آتا تھا۔ حالانکہ فقیر ۱۳ سال کی عمر ہی سے علماء کرام اہلسنت کے وعظ سنتا رہا تھا نماز جمعہ بیگم شاہی مسجد۔ مسجد حضرت ابوالعالی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش" اور مسجد وزیر خان میں پڑھتا تھا گویا اعلیٰ حضرت کے علمی مقام اور تحقیقی کام سے عوام تو عوام خواص بھی بے خبر تھے۔ لاہور کے عوام زیادہ تر حضرت مولانا، عبدالقادر المعروف بہ غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ سے خوب واقف تھے۔ جہاں بھی اہل علم کے پاس حاضری ہوتی یا عوام کیساتھ بات چیت ہوتی تو لوگ مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بات کرتے۔

حضرت قبلہ حکیم صاحب مرحوم نے ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا کا قیام فرمایا اور اعلیٰحضرت کا لٹریچر چھپوا کر ملک کے کونے کونے میں بلا معاوضہ تقسیم کیا۔ بلکہ بیرون ملک بھی بھجوایا جس سے مخالفین کے قلوب واذہان میں زلزلہ آ گیا۔ الحمد للہ! آج اعلیٰحضرت کے تحقیقی کام پر اہل علم P.H.D کر رہے ہیں۔ یہ حضرت حکیم صاحب کا ہی فیضان ہے۔

"مرکزی مجلس رضا" کے زیر اہتمام نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور میں ہر سال اعلیٰ حضرت کا عرس منایا جاتا تھا جسمیں عوام کے علاوہ علماء کرام اور مشائخ عظام کا جم غفیر ہوتا ہے۔ اسے حکیم صاحب کی وسیع القلبی ہی کہا جائے گا کہ چشتی مشرب رکھتے ہوئے قادری عرس کا اہتمام فرماتے تھے۔ اخلاق اور خلوص کا یہ عالم کہ معمولی کام کرنے والوں کی بھی دلجوئی فرماتے تھے۔ یہ آپ ہی کا مقام تھا ورنہ تمام اہل علم دوسروں کا اٹھنے نہیں دیتے۔

گو الفاظ و معانی میں نہیں لیکن
ملاں کی اذان اور ہے کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی جہاں میں
گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

حکیم صاحب وہ مرد درویش تھے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جسکو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فقیر کی ملاقات محترم جناب مفتی محمد سہیل صاحب کی وساطت

ارشاد فرمایا "محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو صوفی صاحب کے عقائد احوال واقوال معلوم کرنے کے لیے رمضان ۱۳۰۹ھ کو خط لکھا تھا۔ اسی ماہ میں حضرت صدر الافاضل نے صوفی صاحب کے عقائد کے بارے میں جواب سے نوازا تھا۔ عرض کی "وہ خط کہاں سے ملیں گے۔ آپ نے اسی وقت کاغذ قلم اٹھایا۔ مولانا جلال الدین رضوی مدظلہ کا پتہ لکھ کر مجھے تھمایا۔ ان سے رابطہ کیجئے۔ میں نے مولانا کو خط لکھا۔ مولانا نے فوراً دونوں خطوط کی نقل کروا کر فقیر کو بھیج دیں۔

ایسا ہی واقعہ تذکرہ بزرگان جالندھر لکھتے وقت پیش آیا حکیم صاحب نے فرمایا "شیخ العالم حضرت شیخ درویش سبزواری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبات شریف میں مجدد صاحب کے دو خطوط مکتوب نمبر ۴۲، ۴۱ ہیں۔ حضرت شیخ درویش کے حالات میں ان دو مکتوب کو ضرور شامل فرمائیں۔ ایسے واقعات لکھتا جاؤں تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ مجھ فقیر پر حکیم صاحب قبلہ کے بہت احسانات ہیں۔

فقیر کسی مریض کو بھیجتا تو پوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو وہ مریض شاہ عالمی کا نام لیتا تو آپ اس سے دوائی کے پیسے نہ لیتے۔ فرماتے۔ "بس چشتی صاحب سے دعا کے لیے کہنا" اور اسکے علاوہ مریض کو چائے بھی پلاتے۔ فرمایا کرتے! بھئی تم شاہ عالمی سے جو آئے ہو۔ کام کرنے والے کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں کئی ماہ کے بعد حاضر ہوا۔ دیر سے حاضر ہونے کی معذرت کی۔ فرمایا آپ جو کام کرتے ہیں وہ بہت ضروری ہے۔ ملاقات ضروری نہیں۔

۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء فقیر نماز ظہر کے بعد کسی کام کی غرض سے ٹاؤن شپ چلا گیا۔ دوسرے دن نماز ظہر کے وقت آپ کی وفات کا پتہ چلا۔ فقیر یہ خبر سنتے ہی غم کا بوجھ لیکر باہر گیا اور اخبار دیکھا آہ! اس قدر محبت اور بدقسمتی کہ نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جا سکی۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۹ء داتا صاحب کی مسجد میں رسم قل میں شامل ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ رجعون

سے ۱۹۸۰ء کے وسط میں ہوئی اگرچہ ۱۹۶۸ء ہی سے مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام ہوتے میں اجلاس "یوم رضا" میں حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضری دیتا رہا۔ بس ایک حجاب سارہا ایک دن فقیر یونہی مطب میں داخل ہوا قبلہ حکیم صاحب کی نگاہیں فقیر کیطرف اٹھیں۔ ان نگاہوں میں پیار۔ شفقت تھی فقیر نے سلام عرض کیا تو جواباً سلام کہتے ہوئے فرمایا "پہلی ہی مرتبہ زیارت ہوئی ہے"۔ یہ جملہ سنکر مجھے شرم محسوس ہوئی اور دل ہی دل میں کہا مجھے بہت پہلے آپ سے ملنے کا فخر حاصل ہونا چاہیے تھا۔ میں تو بہت دیر تک آپ کی شفقتوں سے محروم رہا ہوں۔ آپ نے فوراً ہی مجھ سے میرا نام دریافت کیا۔ میں نے عرض کی "مجھے علی اصغر چشتی کہتے ہیں" اب دوسرا سوال تھا کہاں رہتے ہو؟ "عرض کی" شاہ عالمی فوارہ کے پاس ہلال احمر بلڈنگ کے عقب میں فقیر خانہ ہے"، مسکرا کر فرمایا "اچھا تو شمیم شریعت آپ نے ہی لکھی ہے" سبحان اللہ! بلا کا حافظہ تھا۔

میں نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا "تشریف رکھیں۔ میں نے آپ کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ اس وقت ایسی ہی کتاب کی ضرورت تھی۔ آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں بہت کچھ بیان کر دیا ہے اس کے فوراً ہی

بعد خمیرہ اور چائے آ گئی یہ پیار، شفقت، یہ خلوص یہ محبت اور اخلاق کی رفعت فقیر نے اپنی زندگی میں دوسری بار پائی۔ پہلی بار یہی باتیں غالباً ستمبر ۱۹۴۹ء میں جامع مسجد بیگم شاہی کے خطیب حضرت مولانا الحکیم عبد الغنی چشتی صابری دوسوہولی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھی تھیں کہ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھے اپنا بنا لیا تھا۔ الحمد للہ آج تک روحانی طور پر انہی سے منسلک ہوں۔ آپ مذکورہ 11۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں پردہ فرما گئے تھے۔ ان کی دس سالہ تربیت نے مجھے دین کا متوالا بنا دیا تھا۔ حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نے مرشد کی یاد تازہ کر دی تھی۔ فقیر گاہے گاہے حاضر ہونے لگا۔ اب تو خمیرہ، چائے کے ساتھ پان سے بھی نوازا جانے لگا۔ کتابیں۔ رسالے، پمفلٹ بلا قیمت عطا فرماتے۔ اکثر اوقات کتابوں، رسالوں، اخبار اور خطوط کی نقول کروا کر خود ہی بھجوا دیتے۔ مفید مشوروں سے نوازتے۔ جونہی حاضر ہوتا۔ مریضوں کی طرف سے ذرا توجہ ہٹا کر مجھ سے متوجہ ہوتے۔ بزرگانِ دین کے واقعات۔ علمی عرفانی گفتگو سے نوازتے۔ میں مدرسہ میں آ کر اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیتا۔ فقیر تذکرہ بزرگان چشت اہل بہشت لکھ رہا تھا تو آپ کا تعاون میری راہنمائی کرتا رہا۔ ایک مرتبہ فرمایا "آپ کے پردادا مرشدِ پاکاں حضرت سید صوفی محمد حسین حسنی حسینی سبزواری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مجدد تھے۔ حضرت صوفی صاحب کا تذکرہ اسوقت تک مکمل نہیں ہوگا۔ جب تک آپ اس میں ایک خط کا تذکرہ نہ کریں۔ میں نے عرض کی وہ کونسا خط ہے"۔ باقی ص 165 پر

شہید علم

غلام مصطفیٰ مصطفوی

زندہ دلان لاہور کے شہر وسط میں مشہور علاقہ گوالمنڈی میں ریلوے روڈ پر واقع امرت دھار بلڈنگ کے بالمقابل ایک دکان پر چند عقیدت مند باادب حاضر ہیں۔ دکان کے بیرونی حصہ پر ایک اکاؤنٹر پر شربت کی بوتلیں ایستادہ ہیں اور دیوار کے ساتھ لگے شوکیس میں مختلف جڑی بوٹیوں اور معجون وغیرہ کے مرتبان اور لوہے کے ڈبے رکھے ہوے ہیں۔ باہر دیوار کے اوپر چھوٹا سا ٹین بورڈ لگا ہوا ہے جس پر حکیم محمد موسیٰ لکھا ہوا ہے دکان کے اندر داخل ہوں تو درمیان میں ایک چھوٹا سا میز پڑا ہے اور دائیں جانب ایک بزرگ بارعب، سر پر کپڑے کی گول ٹوپی سادہ سے بغیر استری کے شلوار قمیض میں ملبوس دل میں گھر کرنے والی سادہ و معصوم شخصیت کرسی پر براجمان ہے انہیں حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کہتے ہیں سر جھکائے اشارے سے اپنے دائیں اور سامنے دو لکڑی کے بنچوں پر بیٹھنے کیلئے کہیں گے۔ اگر آپ مریض ہیں تو اپنے پاس بلا کر مرض معلوم کر کے فوراً دوائی لکھ کر پرہیز کے بارے میں بتا کر فارغ کر دیں گے اور اگر آپ ویسے ملنے یا کوئی معلومات لینے یا برائے عقیدت آئے ہیں تو فوراً خادم کو چائے لانے کے لئے کہیں گے چائے کے ساتھ خمیرہ گاؤزبان بھی کھانے کیلئے پیش کریں گے۔ مصروفیت کی یہ کیفیت ہے کہ ساتھ ساتھ مخلص نوجوانوں سے ڈاک کے لفافوں پر پتے لکھواتے جا رہے ہیں جن کے ذریعے جوابات بھجوا رہے ہیں۔ مجلس رضا کی کتابیں بھجوا رہے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ جس وقت بھی حاضر ہوں گے انہیں بے حد مصروف پائیں گے اذان سنتے ہی نماز کی ادائیگی کے لیے ساتھ والی مسجد میں نماز ادا کرنے چلے جاتے اور اگر علماء فضلا کا رش ہوتا تو جلدی سے وضو کر کے مطب میں ہی نماز ادا کر لیتے۔ لوگوں سے باتیں بھی کر رہے ہیں۔ نسخہ بھی تحریر کر رہے ہیں اور منہ میں اوراد وظائف جاری رہتے ہیں جو شخص جس نیت سے مطب میں داخل ہوتا شافی جواب پا کر مسئلے کا حل حاصل کر کے شاد کام واپس ہوا میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو ان سے ناراض ہو کر گیا ہو۔ ہر ایک سے بڑی شفقت دل جوئیانہ انداز اور خصوصی التفات کے ساتھ کا ہمکلام ہوتے۔ مایوسی ان کے ہاں گناہ تھی۔ ان کی نگاہ عالمانہ ہمیشہ بلندی کی جانب رواں دواں رہتی۔ بولتے تو دل میں اتر جاتے اور ہمیشہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا دیتے۔ اور جب میں کبھی ہاتھ چھونے لگتا تو ہاتھ فوراً ہاتھ کھینچ لیتے۔ گھٹنوں کو چھونے لگتا تو ایک دم پرے ہٹ جاتے ہمیشہ خوش پیشانی سے ہاتھ بڑھا کر سلام کہتے یا جواب دیتے۔ علم کی پیاس بجھانے والوں کو ٹھنڈا ٹھار کر کے روانہ کرتے۔ علم ہو کہ عمل رزم ہو کر بزم وہ ہر میدان میں پامردی حوصلہ مندی، دھیمے پن اور باوقار کردار کا مظاہرہ کرتے۔

گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑائیں تو یہ کوئی سن ۸۰ والی دھائی تھی جب کہ مولانا عبدالستار نیازی اصلی جمیعت العلماء پاکستان (جسے بعد میں شومئی قسمت سے اپنی اپنی تسکین کی خاطر یا حصول اقتدار کی خاطر یا حصول اقتدار یا غیروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے چار دھڑوں میں تقسیم کر دیا گیا) جنرل سیکرٹری ان دنوں اسلام پورہ لاہور میں رہائش پزیر ہوتے تھے۔ حکیم صاحب کے مطب پر ایک شخص ایک پیکٹ لئے حاضر ہوتا ہے اور سلام پیش کرنے کے بعد یوں گویا ہوتا ہے 'یہ پیکٹ مولانا ستار نیازی صاحب نے بھیجا ہے' حکیم صاحب پوچھتے ہیں 'بھائی اس میں کیا ہے میز پر رکھ دو' نہیں جناب حکم ہے کہ اسے میں آپ کے ہاتھ میں دوں' بولے' بھئی آخر کیا ہے جو تم مجھ ہی دینا چاہتے ہو' وہ بولا' جناب ایک شخص دبئی میں کام کرتا ہے۔ وہ مولانا کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ دو لاکھ روپے ہیں آپ ان کو کسی اچھے نیکی کے کام میں خرچ کر دیجئے' مولانا نے آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر بعد پورے پاکستان پر نظر دوڑانے کے بعد بولے' یہ پیکٹ ابھی حکیم محمد موسیٰ کے پاس پہنچا دو میری نظر میں اس وقت اس خطیر رقم کا بہترین مصرف اس سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا' اس لئے یہ رقم آپ کے پاس لیکر آیا ہوں۔ حکیم صاحب بولے اسے اپنے پاس رکھو میں اسے ہرگز ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور مولوی مقبول صاحب کو (جنہوں نے مجلس رضا اور اس کے اثاثہ جات پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور جو حکیم صاحب کے بلڈ پریشر اور بینائی ضائع ہونے کا سبب بنے اور جن کے منفی کارناموں کا ذکر اکثر دلدوز غم و ندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کیا کرتے تھے) بلوا کر مذکورہ 2 لاکھ روپے (جن کی قدر اب دس لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی) مجلس رضا کی کتب کی اشاعت و طباعت کیلئے کاغذ کی خریداری کیلئے گپت روڈ بھیج دیا۔ یہ تھا دیانت و امانت کا عظیم مظاہرہ۔ 2 لاکھ روپے جیسے آئے بغیر چھوئے ویسے ہی باہر نیک کام کیلئے بھجوا دیئے۔ ہے کوئی مائی کا لال جو ایسا کردار پیش کر سکے۔ حکیم سچ بولتے، وعدہ کرتے تو اسے پورا کرتے اور امانت میں کبھی خیانت نہ کرتے حکیم صاحب (مرحوم و مغفور) جن کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے ایسے پاکباز اور معاملات میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل شخصیت کو جتنا بھی خراج عقیدت پیش کیا جائے کم ہے۔ ۱۹۷۱ میں میرا ان کے ہاں آنا جانا شروع ہوا۔ میں نے نوٹ کیا کہ ان کی جان پرسوز بس اس بات پر تڑپتی اور پھڑکتی رہتی تھی کہ دین حق مسلک امام احمد رضا چار دانگ عالم میں پھیل جائے۔ بدمذہب لوگوں کو اللہ تعالیٰ راہ راست پر لے آئے۔ جس کے لئے وہ مجلس رضا کے تحت بے شمار اعلیٰ پایہ کی کتب لکھوا کر شائع کرواتے کہ یہی ان کی زندگی کا مشن تھا۔

حکیم صاحب قبلہ مریضوں سے دو روپے دوائی کے لیتے۔ زیادہ دوائی مفت دیتے۔ جتنے پیسے کماتے آنے جانے والوں پر خرچ کر دیتے۔ مطب پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا جن میں زیادہ تعداد پڑھے لکھے دینی تڑپ رکھنے والے نوجوانوں کی ہوتی۔ مطب پر ملازم رکھنے کی نوبت ہی نہ آتی نوجوان عقید تمند ہی نسخے تیار کرتے۔

ارادت مند ہی لکھائی چھپائی کا کام انجام دیتے وہی کتابیں بک پوسٹ کرتے ۔میاں زبیر قادری اور ہمایوں سعید ہی پیش پیش تھے ۔آخری سالوں میں ماہنامہ مہر وماہ کے مدیر فدا حسین فدا بھی ان کے ہاں براجمان رہتے گویا حکیم صاحب ایک ادارہ تھے ۔فکر رضا کے امین اور مجلس رضا کی شکل میں ایک ایسا مظبوط ,فعال اور لوگوں کی سوچ سے بھی بالاتر ادارہ قائم کر دیا کہ حکیم صاحب امر ہو گئے ۔

حکیم صاحب کی مجلس رضا کے قیام سے پہلے بک سٹال ,لائبریری یا گھر کی بیٹھک میں صرف اور صرف غیر مقلد علماء یا شیعہ فقہ کی حامل کتابیں نظر آتی تھیں مسلک کے کسی چیمپین کو یہ توفیق نہ ہوتی کہ دین حنیف اور فرقہ بندی سے پاک کتابیں تصنیف و تالیف کر کے میدان عمل میں آتا ۔یہ عظمت حکیم موسیٰ کی قسمت میں لکھی تھی اور انہوں نے اس جان جوکھوں والے کام میں تصنیف و تالیف کا ڈول ڈالا اور دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار حضرات بطور ادیب و شاعر حکیم صاحب کے گرد جمع ہو گئے جیسے ستارے چاند کے گرد جھرمٹ بنا لیتے ۔پھر کیا تھا حکیم صاحب کا نام پاکستان کے شہروں اور دیہات سے نکل کر بھارت ,ترکی , کینیڈا ,برطانیہ اور امریکہ تک جا پہنچا ۔میں سمجھتا ہوں کہ حکیم صاحب کچھ بھی نہ کرتے صرف مجلس رضا کی شائع شدہ کتب کا کریڈٹ ہی اتنا عظیم ہے کہ جس کی گرد کو نام نہاد ملاں اور پیر نہیں پہنچ سکتے جس طرح حالی کی مسدس بقول سر سید احمد خان ان کی نجات کیلئے کافی تھی اس طرح مجلس رضا کی کتب بھی حکیم صاحب کی نجات کیلئے کافی ہیں انہوں نے بے شمار حضرات کو ادیب و شاعر بنا دیا ۔ذہنی بالیدگی بخشی ۔فکر کے کینوس کو وسیع کیا ,دل و دماغ کو پاک صاف کر کے بہار جانفزا کا پیغام پہنچایا ۔وہ دو رکعت کے اماموں ,بے حضور ملاؤں اندھے لولے لنگڑے بھکاریوں کی طرح زندگی گزارنے والوں عالموں کے سخت مخالف تھے ۔ان کی نظر میں مولوی امام اور پیر کا رتبہ بہت بلند تھا بشرطیکہ وہ صحیح العقیدہ باعمل اور درست گائیڈ کرنے والے ہوں وہ بے عمل ,خوش نما بنگلوں میں رہائش پزیر ,لمبی لمبی کاروں اور جہازوں میں سفر کرنے والے پیروں کے خلاف تھے وہ ان میں داتا گنج بخشؒ ۔غوث الاعظمؒ ,خواجہ ہند الولی , بابا فرید گنج شکرؒ اور میاں میرؒ کے کردار کی جھلک دیکھنے کے آرزو مند تھے ۔یہ بات قابل توجہ ہے کہ جو علماء کرام اور پیران عظام حکیم صاحب کے معیار پر پورا اترتے تھے ان کی بہت عزت کرتے ۔کھلاتے پلاتے ان سے خط و کتابت کرتے مشورے لیتے اور دیتے ۔

الغرض حکیم صاحب کا عمل الحب للہ اور البغض للہ ہوتا تھا ۔

حکیم صاحب بلند حافظہ کے مالک تھے ۔چھوٹے چھوٹے واقعات بمعہ تاریخ دن اور وقت ازبر تھے ۔امرتسر کے حالات واقعات اکثر سنایا کرتے ۔فارسی عربی اردو کے متبحر عالم تھے ۔کشف المحجوب کا دیباچہ ان کی تحقیق علمیت کا زندہ ثبوت ہے ۔کردار نگاری اور محاکاتی فضا کی تصویر کشی خوب کرتے ۔مولانا غلام محمد ترنم پر بھی

ایک یادگار کتابچہ انہوں نے تحریر فرمایا تھا۔

حکیم صاحب کے حکم پر میں مجلس رضا اور سنی رائٹر گلڈ کا رکن بنا تھا۔اور ان کے اصرار پر مدرسہ نعمانیہ کی انتظامیہ میں شامل ہوا تھا۔ان کے ارشاد پر میں نے 'مجدد ملت اور امام اعظم اور عشق رسول اور عظمت صحابہ کرام مضامین لکھے تھے' اہل سنت میں ایسے باکمال لوگ خال خال نظر آئیں گے جو ادیبوں و شاعروں کو مسلک حقہ پر لکھنے کی ترغیب دیتے ہوں۔یہاں تو بس دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں مہک مہک کر اشعار پڑھے جاتے ہیں جلسے جلوس میلے ٹھیلے منعقد کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔یہ کریڈٹ حکیم موسیٰ کو ہی جاتا ہے کہ انہوں نے ہر سال پاک صاف یوم رضا منانے کا اہتمام کیا اور اہل قلم حضرات کو دین پر لکھنے پر آمادہ کیا (امام احمد رضا اور درست عقائد پر کتب لائبریوں اور بک سٹالوں پر نظر آتی ہیں۔) یونیورسٹی کی سطح پر امام احمد رضا چیر کا قیام عمل میں آیا۔

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حکیم صاحب بے حد شفیق ،ملنسار ،کم مگر ستھرا بولنے والے ،ایک ایک لفظ ناپ تول کر ادا کرنے والے۔ ہر جملہ میں فکر انگیز ریسرچ کی جھلک ،معلومات کا بے بہا خزانہ دائم آمادہ متواضع اور باہمت انسان تھے ۔مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب وہ سائیکل پر شاد باغ سے داتا دربار اور وھاں سے مطب تشریف لاتے۔سائیکل پر ہی میاں میر قبرستان جاتے جہاں ان کے والدین محو استراحت ہیں اور خود اپنے لئے بھی وہیں جگہ مختص کی تھی۔

اعلحضرت کے چشم و چراغ مولانا اختر رضا خان لاہور اولین مرتبہ تشریف لائے تو حکیم صاحب کے حکم پر واہگہ بارڈر پر ان کا استقبال کیا اور جلوس کی شکل میں لاہور لائے۔ میری درخواست پر حکیم صاحب مولانا صاحب کو میرے غریب خانہ پر لے کر آئے فرمانے لگے کھانے پینے اور تحفے تحائف کے بجائے نقدی سے خدمت کریں اور کروائیں اور ان کے حکم کی تکمیل کی گئی۔ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ایک نابینا نعت خوان لاہور تشریف لائے۔میں نے دعوت پیش کی۔فرمانے لگے کہ حافظ صاحب کھیر اور حلوہ بہت پسند کرتے ہیں اس لئے یہ ضرور پکایا جائے۔حافظ صاحب ناچیز کے گھر میں تشریف لائے اور حکیم صاحب کی فرمائش اور میری درخواست پر نعتیں سنائیں آخر میں غریبانہ کھانے پر بہت خوش ہوئے۔

میں نے انہیں بہت کم غمزدہ اور غصہ میں دیکھا۔ہاں ایک دو مرتبہ ان کی عجیب کیفیت دیکھی۔پہلی دفعہ جب مولوی مقبول صاحب نے چاہ میراں میں مجلس رضا کے دفتر پر قبضہ کر لیا اور ٹیلیفون اپنے نام پر منتقل کروا لیا اور دوسری مرتبہ جب مجلس رضا کا دفتر بیرون شیرانوالہ گیٹ مولانا ہزاروی کی دعوت پر مسجد سے ملحقہ جگہ پر مجلس رضا کا دفتر قائم ہوا

ایک صبح سلام کی غرض سے حاضر ہوا تو بہت غصہ میں پایا ہر ایک سے جھگڑتے اور اپنے آپ کو برا بھلا

کہتے کہ مولوی مقبول گروپ ٹرک میں چار لاکھ روپے کی کتابیں ڈال کر بغیر اجازت لے گئے ہیں مجلس رضا کو بیخ وبن سے اکھاڑ گئے ہیں۔ وہ دن ایسا منحوس ثابت ہوا کہ اس کے بعد حکیم صاحب مرحوم کو میں نے کبھی نارمل نہیں دیکھا ہائی بلڈ پریشر میں مبتلا ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی مجلس رضا یا بریلوی مکتب فکر کا نام لیتا تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے۔ مطب پر جو شخص ان کے پاس بیٹھتا وہ سہما سہما اور گھبرایا ہوا۔ میاں زبیر اور ہمایوں صاحب سب کو مجلس رضا کے بارے میں تذکرہ کرنے سے منع کرتے۔

پچھلے دو تین سالوں سے حکیم صاحب مطب پر بہت کم وقت دیتے۔ انہیں ایک اور غم سے بھی پالا پڑا اور وہ تھی ان کے داماد کی ناگہانی موت۔ چونکہ حکیم صاحب کی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے وہ اپنے داماد سے بہت محبت کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی صحت دن بدن گرنے لگی اور پھر اہل سنت کا یہ نایاب اور انمول ہیرا جس کی چمک دمک سے اہل سنت اور فکر امام احمد رضا میں روشنی رواں دواں تھی۔ اپنی آب وتاب کو خاکی پیکر میں سمیٹے 17 نومبر 1999ء کو دارلفنا سے دارالبقا کی جانب منتقل ہو گیا۔ اللہ بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں سچ وفید ولے نہ ازدلے ما

حکیم محمد موسیٰ مرا نہیں وہ زندہ ہے اس لئے کہ وہ شہید علم وفضل ہے اور علم وفضل کو کبھی موت نہیں آتی بقعول شاعر مشرق

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

جب تک صحابہ کرام کی عظمت قائم ہے، جب تک امام ابوحنیفہ، غوث الاعظم، داتا گنج بخش اور امام احمد رضا کا نام اور کام زندہ ہے حکیم محمد موسیٰ زندہ رہے گا ان کا مشن زندہ رہے گا

اکیلا ھی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اب یہ فرض ہے کہ جس پروجیکٹ کا ڈول حکیم محمد موسیٰ نے ڈالا تھا اس مشن کو احباب، ارادت مند، مقتدر پیران عظام، باوقار علما کرام تحریر وتقریر کے حاملین جاری رکھتے ہوئے اسے اوج ثریا تک پہنچا دیں کہ اندھیارے بڑھ رہے ہیں اب بچ وحق مذہب کو مٹانے کی سکیمیں روبہ عمل ہیں

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا عشق مصطفیٰ، اہل سنت کی فلاح، امتزاج علم وعمل اور تبلیغ مسلک حقہ بذریعہ تحریر وتقریر پر جاری رہنا چاہیے اس میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ شہید علم وادب، شہید عشق مصطفیٰ حکیم محمد موسیٰ حیات جاودانی

پا گئے کیونکہ

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

نتیجۂ فکر:
ابوالطاہر فدا حسین فدا
ایڈیٹر ماہنامہ مہر و ماہ لاہور

ضربِ کلیم

محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے حضور منظوم خراجِ تحسین

وہ میرا ہمدمِ دیرینہ، دل نواز ندیم
رفیق و محسنِ ملت وہ ایک بطلِ عظیم

عطا کیا اُسے فطرت نے وہ مقامِ بلند
نہ تھا زمانے میں ایسا کوئی فطین و فہیم

بجا تھا ماضیٔ روشن پہ اس کا فخر و ناز
ترشح قول و عمل میں تھی اُسکی فکرِ قدیم

جدید دور میں فقر و غنا کا اِک پیکر
حضورِ حق سے ودیعت ہوئی تھی طبعِ سلیم

کہاں مجال کہ اُس پہ ہو سترش کوئی
ہو جس پہ حضرتِ یزداں کی نگہ لطفِ عمیم

اُسی پہ حشر میں ہو گی نگاہِ ربِّ غفور
کہ جان و دل سے جو ہو گا محبِّ دُرِّ یتیم

فدا وہ موسیٔ دوراں تھا مردِ حق آگاہ
نوائے حق لیے باطل تھی جس کی ضربِ کلیم

سرمایہ ملت حکیم محمد موسیٰ رح

میاں نعیم انور چشتی نظامی

یہ 55 ریلوے روڈ لاہور ہے یہاں ایک چھوٹا سا مطب ہے دواخانہ سے متصل ایک چھوٹی سی نشست گاہ ہے اس میں ایک معمولی سی کرسی میز اور دو عدد بینچ دیواروں کے ساتھ پڑے ہیں دو عدد سٹول وہ بھی بیٹھنے کے کام آتے ہیں موجود ہیں دو عدد معمولی سی الماریاں ہیں جو دیواروں میں پیوست ہیں بس یہی سامان کاروبار حیات یہاں پڑا ہے حسب معمول یہ مطب صبح تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کھلتا ہے دیکھنے کو تو یہ مطلب ہے مگر یہاں ہر وہ کام ہوتا ہے جو خیر و بھلائی علم و حکمت فروغ علم اور نہ نجانے اسی طرح کے کتنے کام ہیں جو خلق خدا کی خدمت کے جذبہ کے تحت کیے جا رہے ہیں۔

معمولی سی کرسی اور میز پر ایک انتہائی سادہ اور عام سے لباس میں ملبوس عجز و نیاز کا مجسمہ محبت اور اخوت کا پیکر انکساری میں لاجواب علم و فضل کا شاہکار تحقیق و تحریر کا منبع معرفت و حقیقت کا شناسا روحانی اقدار کا علمبردار درویش چارہ ساز صوفی باکمال شخص براجمان ہے ایک طرف مریضوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں تو دوسری طرف بڑے بڑے دانشور علم و حکمت میں یکتا فلسفی محقق حضرات تشریف فرما ہیں، ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے علما و مشائخ بھی تشریف رکھتے ہیں اور تدریس و تحریر سے وابستہ حضرات جن میں پروفیسر صاحبان اور طلبا و طالبات کہ جن کا تعلق کالج اور یونیورسٹیوں سے ہے بھی بیٹھے ہیں صحافی ادیب اور شاعر حضرات بھی آئے ہوئے ہیں طلبا و طالبات میں بیشتر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے شامل ہیں ان میں ملکی و غیر ملکی طالب علم بھی ہیں۔ غرضیکہ ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے رہتے ہیں اس مطب کے خط و کتابت کا سلسلہ بھی بڑا وسیع ہے کہ اندرون ملک اور بیرونی ممالک سے ڈھیروں خطوط روزانہ آتے ہیں اور روزانہ تواتر کیساتھ ان کے جوابات لکھے جاتے ہیں کرسی اور میز پر براجمان شخص ان تمام آنے والے لوگوں کیساتھ بڑے انہماک کیساتھ محو گفتگو ہے ایک ضعیف العمر شخص بیک وقت کتنے کام کر رہا ہے۔

کہیں دقیق علمی نکات پر گفتگو کا سلسلہ دراز ہے تو کہیں تحقیق و تحریر چل رہی ہے طلبا و طالبات نے اپنے مسائل چھیڑ رکھے ہیں اور شافی جواب پا کر خوش و خرم ہیں ایک طرف علما و مشائخ حضرات سے حدیث و فقہ کی بات چل رہی ہے علم و عرفان کا یہ پہاڑ میدان شریعت و طریقت کا مرد میدان تمام کام بڑی مستعدی سے انجام دے رہا ہے حکمت و عرفان کے چشمے ابل رہے ہیں پیاسے سیر ہو کر جا رہے ہیں مریضوں کو دوا کیساتھ ساتھ دعا بھی دی جا رہی ہے اس مطب میں آنے کے بعد میلے کا سا گماں ہوتا ہے ملک کے طول و عرض سے آتے ہوئے علما و مشائخ حضرات جو بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں خصوصی طور پر ان کے ساتھ جو گفتگو جاری ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے یعنی بڑے بڑے صاحب علوم و فنون یہاں مشاورت کی غرض آتے ہیں، علم و فضل میں یکتا حضرات بھی راہنمائی حاصل کرتے ہیں، الغرض یہاں بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں حیران کن بات یہ ہے کہ

ایک شخص ان تمام معاملات کو بڑے احسن انداز میں چلا رہا ہے، یہ شخص تھکتا ہے نہ اکتاہٹ محسوس کرتا ہے اور نہ ہی کبھی کوئی شکوہ وشکایت اس بندے کی زبان پر آتا ہے کتاب دوستی اور فروغ علم کی جو روایت اس بندے نے قائم کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے گزشتہ پینتیس چالیس برس سے یہی معمول ہے، اس چھوٹے سے مطب میں بیٹھنے والے صدر نشین محفل کا یہ مطب کیا ہے اس کو کیا نام دیا جائے جہاں آنے کے بعد گمان ہوتا ہے کہ جیسے قرون اولی کا زمانہ پھر سے لوٹ آیا ہے راقم الحروف کے نزدیک یہ مطب حیرت کدہ ہے تحقیق وجستجو اور علم وحکمت کے متلاشیوں کے لیے حکمت کدہ ہے، طالبان علم کے لیے نعمت کدہ ہے، مریضوں کے لیے راحت کدہ ہے درماندہ حال لوگوں کے لیے شیریں کدہ ہے، بے آسرا اور غربا کے لیے عشرت کدہ ہے دانشوروں اور ادیبوں کے لیے دانش کدہ ہے عاشقان خواجگان چشت کے لیے میکدہ ہے صوفیوں اور مشائخ حضرات کے لیے آتش کدہ ہے کہ دل گرمائے جاتے ہیں یہاں آکر غرض کہ اس مطب کو کیا نام دیا جائے جہاں ہر آنے والا بامراد لوٹتا ہے کسی کو بھی مایوس لوٹا دینا اس مطب کے روح و رواں کی شان کے خلاف ہے یہ مطب کیا ہے سارے کا سارا خیر و برکت کی جگہ ہے اس مطب کے بانی مرد لاثانی کے کاموں پر متعلقین اور معترفین یکساں طور پر رشک کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

آہ آج یہ ہستی ہم میں موجود نہیں مگر اپنے کاموں کے حوالے سے اپنے عمل و کردار کے حوالے سے اس نابغہ روزگار ہستی کو اہل علم وفضل اور اہل قلب ہر زمانے میں اپنے سے جدا نہ پائیں گے ایسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں جو کارخانہ قدرت سے ہر مہارت سیکھ کر آتے ہیں اور ایک زمانے کو فیض یاب کر جاتے ہیں۔

آپ ہیں سرمایہ ملت فخر اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی جو سترہ نومبر ننانوے کو ارباب علم وفضل کو داغ مفاوقت دے گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا　　اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام
جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی　　اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مُژہ　　ظُلّہِ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
اشکباریٔ مُژگاں پہ برسے درود　　سِلکِ دُرِّ شفاعت پہ لاکھوں سلام
معنیٔ قَدْ رَاٰی مقصدِ مَاطَغیٰ　　نرگسِ باغِ قُدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا　　اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

موسویات

محمد عالم مختار حق لاہور

2000 رواں صدی عیسوی اور رواں ہزاری (ملینیم) کا آخری سال ہے جو ۳۱ دسمبر کو اختتام پذیر ہوگا اور نئی صدی اور نئی ہزاری (ملینیم) کا آغاز یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ دُنیا کے بیشتر ملکوں میں نئی صدی اور ہزاری (میلینیم) کے آغاز کا جشن نہایت جوش و خروش اور دھوم دھڑکے سے یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو منا ڈالا گیا جو نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو سیدھا سادہ ریاضی کا مسلمہ اور غیر متنازعہ اصول ہے کہ صدی کی تکمیل، سو کی گنتی مکمل ہونے پر ہوتی ہے نہ کہ ۹۹ کے عدد پر۔ اس سلسلہ میں رسالہ معاصر (مدیر عطاء الحق قاسمی) بابت جولائی ۲۰۰۰ء میں فیضان اللہ خاں صاحب کا تیر و نشتر سے بھرپور مضمون بعنوان "اکیسویں صدی کا جشن اور ہمارے وسوسے" لائق مطالعہ ہے۔ بہر حال فکر ہر کس بقدر ہمت اوست بات ہی فقرہ معترضہ سے شروع ہوئی۔ کہنا یہ ہے کہ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو نئی صدی اور نئی ہزاری قرار دینے والی قوموں میں سے بعض نے گزشتہ صدی میں جب کہ بعض نے گزشتہ ہزاری (ملینیم) میں وقوع پذیر ہونے والے عالمگیری وقائع اور عالمی شہرت یافتہ شخصیات کی حیات اور کارناموں کو حوالہ قلم و قرطاس کیا۔ ہمارے یہاں بھی ان کی تقلید میں گزشتہ صدی کی علمی و ادبی فتوحات پر بعض مقالات و مضامین اخبارات کی زینت بنے مگر گزشتہ صدی کی ملک گیر شخصیات پر خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی گوشہ سے رہا ہو کوئی مربوط کوشش سامنے نہیں آئی البتہ مولانا کوکب نورانی صاحب چیئرمین مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی گلزار حبیب ٹرسٹ کراچی نے اپنے موضوع کے اعتبار سے بیسویں صدی عیسوی کے ۲۲۰ علماء و مشائخ کی ایک فہرست بعنوان "ضبط کن تاریخ را پایندہ شو" بلالحاظ شہرت و مرتبت مرتب کی ہے۔ جس کی ایک نقل راقم کو محترم جناب پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب (مدیر ماہنامہ جہان رضا لاہور) نے فراہم کی۔ اس میں جناب محمد موسیٰ امرتسری کا نام نامی و اسم گرامی بھی شمارہ ۱۷۹ پر درج ہے۔ بذریعہ تحریر ہذا جناب مولانا کوکب صاحب سے التماس ہے کہ وہ فہرست میں مذکورین کے تعارفی خاکے سنین ولادت و ارتحال کے اہتمام کے ساتھ مرتب کر کے چھپوا دیں تو ان کے اس کارنامہ پر علمی دنیا انکی مرہون منت ہوگی۔ مولانا کوکب صاحب کو ایسے امور کی انجام دہی میں وابستگی بھی ہے اور دلچسپی بھی تو آیئے کوکب صاحب دل انگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیٰہا۔ اپنے شبدیز قلم کو مہمیز دیجئے اور یہ معرکہ سر کیجئے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

ہمارے ممدوح حکیم محمد موسیٰ صاحب بیسویں صدی عیسوی کے اصحاب فضل و کمال میں برآوردہ نظر آتے ہیں۔ وہ بیک وقت طبیب جسمانی بھی تھے اور روحانی بھی، وہ صوفی باصفا بھی تھے اور بے بدل عالم دین بھی۔ وہ محقق بے مثال تھے اور مدقق بے عدیل بھی۔ وہ محسن بھی تھے اور حکیم اہل سنت بھی۔ غرض یہ کہ ان کی ذات میں علم و

حکمت کا ایک جہان آباد تھا مگر ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ جس سے ان کی شہرت کا غلغلہ چاردانگ عالم میں بلند ہوا وہ مرکزی مجلس رضا کا قیام ہے جس کے ذریعہ انہوں نے امام احمد رضا خان بریلوی کے مسلک کو جس پر گرد فراموشی کی دبیز تہیں جم چکی تھیں اور اغیار نے اسے غلط رنگ دے رکھا تھا اسے منقح صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور سُنی جو اغیار کے پراپیگنڈہ کے سبب احساس کہتری کا شکار تھے انکے سر فخر سے بلند کر دیئے اور امام احمد رضا کی فکر کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ سچ ہے۔ ایں نعمت سرمد ہمہ کس راندہند۔ غرض جب ان کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو گئی اور خدا کی خدائی کا گوشہ گوشہ نغمات رضا سے گونج اٹھا تو اس مرد درویش نے اپنے مشن میں کامیابی کے بعد کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جس کے بعد وہ کم وبیش تیرہ برس بقید حیات رہے اور بالا آخر" لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے" کے مصداق وہ ۷ا نومبر ۱۹۹۹ء کو راہی ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را یہ بات باعث افسوس بلکہ قابل ماتم ہے کہ ہمارے ہاں شخصیت نگاری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے زندہ قومیں تو اپنے محسنین کو ان کی زندگی ہی میں محفوظ کر لیتی ہیں مگر ہم اپنے محسنین کو زندگی میں تو کیا مرنے کے بعد طاق نسیاں میں سجا دیتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بس کسی اخبار یا رسالہ میں وقتی طور پر مرحوم کے حالات "یادرفتگاں" کے کالم میں چھاپ دیتے ہیں اس میں اکثر وبیشتر تاریخ رحلت کا ذکر نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو اس طرح کہ "گزشتہ ہفتہ فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا" یا "گزشتہ دنوں فلاں صاحب راہی ملک بقا ہوئے" ۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ ہم عصر حاضر کی عبقری شخصیت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے حالات وواقعات جو اخبارات ورسائل میں ان کی وفات کے بعد چھپے اور حکیم صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں انکی نشاندہی مختلف عنوانوں کے تحت کر دیں تاکہ مستقبل کا مورخ / سکالر جو حکیم صاحب پر تحقیقی کام کرنا چاہے یہ فہارس اس کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکیں اور وہ ان کی روشنی میں اپنی تحقیقی راہ متعین کر سکے۔ یہ ایک انفرادی کوشش کا ثمرہ ہے راقم کو اپنی کم کوشی کا احساس ہے کہ بعض دیگر ماخذ کا علم ہونے کے باوجود ان تک رسائی نہ ہو سکی۔ اگر کوئی صاحب جنھیں اس موضوع سے دلچسپی ہو یا حکیم صاحب سے تعلق خاطر ہو وہ ایسے مواد کی طرف اشارہ کریں جس کا تعلق براہ راست حکیم صاحب کی ذات سے ہو تو بندہ احسان مند ہو گا اور یہ مواد بطور ضمیمہ رسالہ ہذا کے کسی آئندہ شمارے میں شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت کر دیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ

(ا) اخبار انتقال

ا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ روزنامہ جنگ لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۹۹

۲۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ روزنامہ پاکستان لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۹۹ء

۳۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ (مفصل خبر) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۹۹

۴۔ دنیائے علم وادب کی معروف شخصیت حکیم موسیٰ امرتسری لاہور میں انتقال کر گئے۔ روزنامہ نوائے وقت کراچی

۱۸ نومبر ۱۹۹۹ء۔

۵۔ حکیم موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ روزنامہ جنگ کراچی ۱۹ نومبر ۱۹۹۹

۶۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ روزنامہ دن لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹

۷۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مجلس رضا لاہور ۷ نومبر ۱۹۹۹ کو انتقال کر گئے (سکر) ماہنامہ جہان رضا لاہور نومبر ۱۹۹۹

۸۔ آہ! حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ ماہنامہ احوال و آثار لاہور نومبر ۱۹۹۹

(حکیم صاحب کا کتب خانہ ئی لاکھ کتب پر نہیں، بلکہ دس ہزار کتب پر مشتمل تھا)

۹۔ حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے (تفصیلی خبر) ماہنامہ ماہ طیبہ سیالکوٹ دسمبر ۱۹۹۹

جہاں رضا کو فیضان رضا اور صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی کو صاحبزادہ اقبال احمد فاروق لکھا گیا ہے)

۱۰۔ ایک روشن چراغ تھا نہ رہا۔ ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور شریف دسمبر ۱۹۹۹

(۲) اداریے

☆ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا سانحہ ارتحال۔ روزنامہ چٹان لاہور ۱۹۹۹۔۱۱۔۱۹

☆ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا سانحہ ارتحال۔ روزنامہ پاکستان لاہور ۱۹۹۹۔۱۱۔۱۹ (بحوالہ مضمون نذیر احمد رانجھا)

☆ آہ! حکیم اہل سنت، پندرہ روزہ الحسن پشاور یکم تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۹

☆ آہ حکیم اہلسنت ماہنامہ "لا نبی بعدی" مدینہ مسجد راوی روڈ لاہور دسمبر ۱۹۹۹

☆ چراغ بجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار۔ ماہنامہ السعید ملتان دسمبر ۱۹۹۹

☆ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحلت فرما گئے۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹

☆ بچھڑے کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی۔ ماہنامہ آواز اہل سنت گجرات دسمبر ۱۹۹۹

☆ محقق دوراں حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری انتقال کر گئے۔ ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۹

(اس شمارے میں کنز الایمان کی حکیم موسیٰ صاحب کے بارے میں خصوصی اشاعت کا اعلان بھی کیا گیا ہے)

☆ اے کلیم وادی احمد رضا۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور جنوری فروری ۲۰۰۰

☆ لاہور کا ارسطو۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ڈاکٹر شبیہ الحسن، مہر و ماہ لاہور "یادگار موسیٰ" جنوری فروری ۲۰۰۰

☆ بانگ درا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ ایک تاریخ ایک روایت۔ ماہ نامہ نوائے انجمن اسلام آباد خصوصی اشاعت فروری ۲۰۰۰

☆ موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس، مبارک حسین مصباحی ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ یوپی) فروری ۲۰۰۰

(۱۱ صفحات پر محیط اداریہ)

☆حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایک تاریخ ۔ایک روایت ۔تگ وتاز اسلام آباد جنوری ۲۰۰۰

(۳) قُل شریف

۱۔حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ختم قل آج جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش میں ہوں گے (روز نامہ نوائے وقت لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹

۲۔ختم قل حکیم محمد موسیٰ امرتسری (پوسٹر کی عکسی اشاعت) روز نامہ نوائے وقت لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹

۳۔ختم قل حکیم محمد موسیٰ امرتسری (پوسٹر کی عکسی اشاعت) روز نامہ دن لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹

۴۔کنز الایمان سوسائٹی کے زیر اہتمام مرحوم کے قل شریف کی تقریب منعقدہ مزار داتا گنج بخش لاہور سے علماء و دانشوروں کا خراج عقیدت۔روز نامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۹۹

(یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکیم صاحب کی منعقدہ تقریب قل شریف کے سلسلے میں جناب راجا رشید محمود مدیر ماہنامہ نعت لاہور سٹیج سیکرٹری اور ایک نعت خوان کی شمولیت پر احتجاجاً اپنے ساتھیوں سمیت اٹھ کر چلے گئے تھے۔ (ماہنامہ نعت لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء)

(۴) چہلم

۱۔حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی رسم چہلم کل ہوگی۔روز نامہ آواز لاہور ۲۰ جنوری ۲۰۰۰

۲۔ختم چہلم حکیم محمد موسیٰ (اشتہار کا عکس) روز نامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جنوری ۲۰۰۰

(اشتہار کا عکس روز نامہ جنگ لاہور ۲۰ جنوری ۲۰۰۰ میں بھی چھپا)

۳۔حکیم محمد موسیٰ کا چہلم آج داتا دربار میں ہوگا۔روز نامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ جنوری ۲۰۰۰

۴۔رسم چہلم روز نامہ دن لاہور ۲۱ جنوری ۲۰۰۰

۵۔حکیم محمد موسیٰ کی رسم چہلم ادا کی گئی۔روز نامہ جنگ لاہور ۲۲ جنوری ۲۰۰۰

۶۔حکیم محمد موسیٰ کی رسم چہلم عقیدت و احترام سے منائی گئی۔علماء و دانشوروں کا خراج عقیدت، نوائے وقت ۲۲ جنوری ۲۰۰۰ء

۷۔روداد چہلم حکیم محمد موسیٰ امرتسری تگ وتاز اسلام آباد جنوری ۲۰۰۰

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ راقم الحروف نے تقریب چہلم کی مکمل کاروائی ویڈیو فلم میں محفوظ کر رکھی ہے۔

(یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ بھی اس تقریب سے راجا رشید محمود صاحب مدیر ماہ نامہ نعت۔لاہور تقریب قل شریف کی طرح اپنے ساتھیوں سمیت بھری پُری محفل سے اٹھ کر چلے گئے ۔ماہنامہ نعت لاہور جنوری ۲۰۰۰)

(۵) پوسٹرز

۱۔ ختم قل شریف حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۱۹ نومبر ۱۹۹۹ بعد از نماز جمعہ بمقام مسجد داتا گنج بخش لاہور منجانب۔ خدام اہلسنت، ۲۔ جماعت اہل سنت، ۳۔ مصطفائی تحریک، ۴۔ انجمن طلبائے اسلام پاکستان لاہور

۲۔ ختم چہلم حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ بمقام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ منجانب: ۱۔ محبان حکیم اہلسنت، ۲۔ مصطفائی تحریک، ۳۔ ادارہ معارف نعمانیہ، ۴۔ مرکزی مجلس رضا، ۵۔ انجمن طلبائے اسلام ۶ کنزالایمان سوسائٹی، ۷، بزم عاشقان مصطفیٰ ۸۔ تنظیم نوجوانان اہلسنت، ۹۔ جماعت اہلسنت، ۱۰۔ بزم رضویہ، ۱۱۔ ادارہ غوثیہ رضویہ، ۱۲۔ ادارہ مظہر اسلام، ۱۳۔ سنی قلم سوسائٹی، ۱۴۔ ناموس مصطفیٰ ایکشن کمیٹی ۱۵۔ دارالفیض گنج بخش ۱۶۔ المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی

۳۔ ختم چہلم حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ بمقام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ، منجانب مجلس محبان حکیم اہلسنت (دعوتی کارڈ)

۴۔ چہلم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مسجد غوثیہ عابد ٹاؤن گلشن اقبال کراچی ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

۵۔ یوم رضا زیر اہتمام مرکزی امام احمد رضا کونسل بمقام جامع مسجد نوری، بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور مورخہ ۲۵ مئی ۲۰۰۰

(اس پوسٹر میں حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے پہلے سالانہ عرس مبارک کے اسی روز منعقد ہونے کا بھی اعلان کیا گیا ہے یاللعجب! عرس اصطلاحاً بزرگوں کی سالانہ فاتحہ خوانی کی مجلس کو کہتے ہیں جو تاریخ وفات کے روز منعقد ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے حکیم صاحب کا سالانہ عرس ۷ انومبر کو پڑتا ہے نہ کہ ۲۵ مئی کو ۔ اسے آپ مجلس تعزیت تو کہہ سکتے ہیں نہ کہ سالانہ عرس)

حکیم صاحب کی پہلی سالانہ تقریب قمری تاریخ رحلت کے حوالے سے ان کے مقام شادباغ میں مورخہ ۵ شعبان المعظم ۸ نومبر ۲۰۰۰ کو منعقد کی گئی۔

(۶) روودادیں/قراردادیں

۱۔ قرارداد تعزیت پنجاب یونیورسٹی لائبریری شاف، لائبریری شاف روم مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۹۹ (مہروماہ لاہور "یادگار موسیٰ" جنوری فروری ۲۰۰۰)

۲۔ مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی اور سواداعظم اہلسنت کے اراکین کا اظہار تعزیت از علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی (روزنامہ عوام کراچی ۱۸ نومبر ۱۹۹۹)

۳۔ جماعت اہلسنت پاکستان لاہور کی طرف سے تعزیتی اجلاس (نوائے وقت لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹)

۴۔ دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں تعزیتی اجلاس (نوائے وقت لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۹۹)

۵۔ اراکین مصطفائی تحریک پاکستان لاہور کا مشترکہ بیان (نوائے وقت لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۹۹)

۶۔ ہجویری فاؤنڈیشن لاہور کے زیر اہتمام تعزیتی اجلاس منعقدہ تضمین ہوٹل دربار مارکیٹ (مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۹۹)

۷۔ تعزیتی اجلاس منعقدہ ۹۹۔۱۱۔۲۱ رہائش گاہ حافظ محمد یونس زیر اہتمام میاں اخلاق احمد اکیڈمی شاد باغ لاہور (نوائے وقت لاہور ۲۴ نومبر ۱۹۹۹)

۸۔ دارالعلوم جامعہ فاروقیہ رضویہ گھوڑے شاہ روڈ لاہور میں ایصال ثواب کی محفل (روزنامہ جنگ لاہور ۲۶ نومبر ۱۹۹۹)

۹۔ دارالمبلغین حضرت میاں صاحب شرقپور شریف میں تعزیتی اجلاس مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۹۹ (مہر و ماہ لاہور" یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

۱۰۔ سنی علماء کونسل سواد اعظم پاکستان مرکزی جامع مسجد نور لاہور میں ہنگامی اجلاس از محمد خادم حسین شرقپوری (ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹)

۱۱۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی مجلس عاملہ کا اظہار افسوس (ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹)

۱۲۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اسلام آباد کا تعزیتی اجلاس از حافظ محمد شفیق چشتی ایڈووکیٹ

۱۳۔ جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور میں تعزیتی اجلاس زیر سرپرستی پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی (نوائے وقت ۲۰ دسمبر ۱۹۹۹)

۱۴۔ ایصال ثواب کی خصوصی مجلس بہارگاہ غوثیت مآب (بغداد شریف) مکتوب حافظ محمد فیاض احمد ادارہ معارف نعمانیہ لاہور بنام میاں زبیر احمد ضیائی ۴ دسمبر ۱۹۹۹ (غیر مطبوعہ)

۱۵۔ انجمن غلامان اولیاء اللہ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کا تعزیتی اجلاس بمقام جامع مسجد قاضی والی وارڈ نمبر ۳۔ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰

۱۶۔ ایوان درود و سلام کے زیر اہتمام محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی یاد میں جامع مسجد عکس گنبد خضریٰ (کینال برج اپر مال لاہور) میں ایک "شام" ۲۱ دسمبر ۱۹۹۹ کو بعد از نماز عصر تا شام منائی گئی آخر میں لنگر تقسیم ہوا۔ (ماہنامہ نعت لاہور فروری ۲۰۰۰)

(شیخ عبدالحمید صاحب صدر و انتظامیہ جامع مسجد عکس گنبد خضریٰ کی جانب سے دعوتی کارڈ بھی تقسیم کیا گیا اس یادگار ریفرنس کے انعقاد کی باتصویر خبر کے لیے ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ اور روزنامہ دن لاہور مورخہ جنوری ۲۰۰۰)

۱۷۔ تعزیتی اجتماع جمعیت علمائے پاکستان لاہور (نیازی گروپ) کے زیر اہتمام۔ نوائے وقت لاہور ۳۱ جنوری ۲۰۰۰

۱۸۔ دارالعلوم چشتیہ صابریہ (خانقاہ ڈوگراں) میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوئی (مکتوب نور المصطفیٰ چشتی

صاحب بنام میاں زبیر احمد ضیائی) غیر مطبوعہ

۱۹۔ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ کے مفتی اعظم ہال میں جلسہ تعزیت منعقد کیا گیا اور حکیم صاحب کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی (ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف اپریل ۲۰۰۰)

۲۰۔ دارالاخلاص ۴۹ ریلوے روڈ لاہور مہتمم ملک محمد شہزاد مجددی سیفی کے ہاں ۵ مارچ ۲۰۰۰ کو ایک تعزیتی ریفرنس ہوا جس میں حکیم صاحب کے نیازمندوں نے شرکت کی اور آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کیا گیا۔ میں بھی حاضر تھا وہاں۔۔۔

۲۱۔ ۴ اپریل ۲۰۰۰ کو ایوان اقبال میں اقبال اکیڈمی کے دفتر میں مشہور جرمن امریکن نومسلم سکالر سالم عبداللہ سے ایک ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔۔۔ محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے علم و فضل اور للٰہیت کے حوالے سے بہت باتیں ہوئیں (ماہنامہ نعت لاہور جون جولائی ۲۰۰۰)

میں یہاں بھی حاضر تھا جب:

سالم عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حکیم صاحب کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے پاس ایک روپیہ آتا تو وہ کئی گنا لوٹا دیتے۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے ان الفاظ ''وہ دیتے جاتے وہ دیتے جاتے'' کی اتنی مرتبہ تکرار کی کہ وہ بے دم ہو گئے۔ ان کا یہ انداز دل نشین حکیم صاحب کی سخاوت کا مظہر تھا۔ جب وہ بہ تکرار ''دیتے جاتے'' کہہ رہے تھے' میرا ذہن معاً غالباً امام شافعی سے منسوب اس واقعہ کی طرف منعطف ہو گیا جب انہیں رفض سے متہم کیا گیا تو انہوں نے اپنی برات میں کہا کہ ''اگر آل محمد سے محبت کرنا رفض ہے تو میں رافضی ہوں'' اور ''میں رافضی ہوں'' کی اتنی بار تکرار کی کہ ان کی سانس بھی چڑھ گی۔

(۷) تاثرات

جسٹس میاں نذیر اختر صاحب جج لاہور ہائیکورٹ۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

جسٹس ڈاکٹر محمد منیر احمد مغل صاحب/ جج لاہور ہائیکورٹ۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

صاحبزادہ محمد سلیم حماد سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت داتا گنج بخشؒ۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

شیخ الحدیث صاحبزادہ محمد حمید سیفی دار العلوم سیفیہ پشاور، باڑہ۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

محمد عالم مختار حق، لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

بشیر حسین ناظم وزارت امور مذہبیہ اسلام آباد۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

الحاج پیر محمد حسن شاہ گیلانی چک سادہ شریف گجرات

پیرزادہ محمد عثمان نوری (چیئرمین نوری فاؤنڈیشن پاکستان لاہور مشترک پیغام جہان۔ رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

ابوالاحسن محمد محبوب الٰہی رضوی چیئرمین جامعہ مسجد ٹرسٹ چونیاں ضلع قصور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

میاں نعیم انور چشتی راوی روڈ لاہور جہان رضا لاہور۔ دسمبر ۱۹۹۹ء
خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری جمعیۃ العلمائے پاکستان پنجاب۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
پروفیسر محمد سلیم لیکچرار تاریخ گورنمنٹ کالج شاہدرہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
محمد زبیر قادری مدیر سہ ماہی افکار رضا ممبئی (انڈیا) جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
ڈاکٹر ضیاء الحق شعبہ امراض چشم میو ہسپتال لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
محمد صادق قصوری ناظم مجلس امیر ملت برج کلاں ضلع قصور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
سردار محمد خاں لغاری ڈپٹی سیکرٹری اطلاعات جمعیۃ العلمائے پاکستان۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث دار العلوم نظامیہ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
علی احمد سندیلوی اخوان المومنین پاکستان راوی روڈ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
سید عارف محمود مہجور رضوی گجرات۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
مولانا محمد علیم الدین دار العلوم سلطانیہ کالا دیو جہلم۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
ریاض احمد سیفی پرنسپل سول پائلٹ کالج آف کامرس گجرات۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
سید ریاض الحسن گیلانی سنیئر ایڈووکیٹ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
برکات احمد نیاز سیالوی سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات لاہور جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
مولانا محمد صدیق ہزاروی، جامعہ نظامیہ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
پیر طریقت میاں محمد صاحب حنفی سیفی۔ آستانہ عالیہ راوی ریان شریف۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
سید مسعود الحسن گیلانی و سید مسعود الحسن ہمدانی۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
قاضی محمد مظفر اقبال مصطفوی، جامع مسجد حنفیہ رضویہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
ڈاکٹر انجم رحمانی، ڈائریکٹر عجائب گھر لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
محمد اکرام چغتائی ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ لاہور جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
محمد اکرم ربانی نیشنل بنک آف پاکستان لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
حافظ محمد زاہد رازی، ڈائریکٹر رازی فاؤنڈیشن لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
حافظ محمد شاہد اقبال نگران تنظیم نوجوانان اہلسنت بازار حکیماں بھاٹی گیٹ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
محمد عمر فاروق، مسلم کتابوی لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
پروفیسر غلام سرور رانا چوبرجی پارک لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
ضیاء المصطفیٰ قصوری گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء
ڈاکٹر ایم ایس ناز، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

محمد طفیل مدیر ماہنامہ القول السدید کرم پارک مصری شاہ لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ نعت لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

اسلم کاشمیری سابق چیف ایڈیٹر امروز لاہور۔ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹ء

سید سبط الحسن ضیغم اعوان ٹاؤن لاہور (پنجابی میں) ماہ نامہ مہر و ماہ یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

پروفیسر سرفراز سید زیدی لاہور۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

پروفیسر محمد صدیق لاہور۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

پروفیسر صاحبزادہ وحید سبحانی قادری۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

۱۳ ویں سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد مورخہ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۰ کو الحمرا ہال نمبر ۱ میں زیر اہتمام کنزالایمان سوسائٹی صدر بازار لاہور چھاونی ہوا۔ جس میں مولانا شاہ احمد نورانی سربراہ جمعیت علما پاکستان نے اپنے خطاب میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔

(۸) مشاہیر کی آراء (نئی و پرانی تحریریں)

سید شریف احمد شرافت نوشاہی (م۔۸۳۔۷۔۴) (شریف التواریخ حصہ دوازدہم ادارہ معارف نوشاہیہ ساہن پال گجرات) ۱۹۸۳ سے ماخوذ۔ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی (متوفی ۱۹۹۸۔۱۰۔۶) ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰

بشیر حسین ناظم اسلام آباد ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن (متوفی ۱۹۹۹۔۸۔۱۹) ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

سید ریاست علی قادری متوفی ۹۲-۱-۳ ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

ڈاکٹر محمد ایوب قادری م (۸۳۔۱۱۔۲۵) ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

ظہیر الدین قادری کانپور (انڈیا) ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

محمد خلیل احمد قادری علیگڑھ (انڈیا) ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

ابوسلمان شاہجہانپوری (مجلہ علم و آگہی گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ۱۹۷۰ سے ماخوذ)۔ ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار

موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰

(۹) تعزیت نامے وغیرہ

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری (تمغہ امتیاز) گجرات (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

خلیل احمد رانا جہانیاں منڈی (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد عابد حسین سیفی ناظم دار العلوم جامعہ جیلانیہ رضویہ بیدیاں روڈ لاہور کینٹ (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر سید عارف نوشاہی ادارہ معارف نوشاہیہ اسلام آباد (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

میاں محمد صادق قصوری مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں قصور (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کراچی (سن ہجری و عیسوی سے حکیم صاحب کے سال وفات کے ماوے بھی نکالے ہیں (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد عبد الستار طاہر پیر کالونی والٹن روڈ لاہور لاہور کینٹ (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

راجہ محمد طاہر خاں رضوی ایڈووکیٹ جہلم (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

صاحبزادہ واحد رضوی اٹک (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

صاحبزادہ قاری ابو الحامد محمد اکرام خاں علوی قادری رضوی اٹک (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد فاروقی نعمانی جامع مسجد امام اعظم ملتان (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

عبد الوہاب قادری حسن میڈیکل سٹور سوات (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

صوفی آفتاب اقبال بٹ سیفی گلشن راوی لاہور (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد عطاء الرحمٰن قادری ٹھوکر نیاز بیگ رائیونڈ لاہور (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

صاحبزادہ سید حامد سعید قادری چیف ایڈیٹر ماہنامہ "السعید" ملتان (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد اکرم بٹر ایم اے، ناظم اعلیٰ ادارہ نوید سحر کاہنہ نو (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد سعد سراجی دوستی مرشد بابا دائرہ دوستی خانقاہ شریف موسیٰ زئی ڈیرہ اسمٰعیل خاں (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد ریاض حسین رحمانی بابا رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

آغا محمد عمر مجددی شارع ابو الخیر کوئٹہ (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

محمد اجمل چشتی چشتیاں شریف (جہان رضا دسمبر ۱۹۹۹ء)

اخلاق احمد رضا رضوی ڈائریکٹر رضا اکیڈمی دار المطالعہ اہل سنت سہسرام (انڈیا) (جہان رضا اپریل مئی ۲۰۰۰)

محمد صابر رضوی الجامعۃ الاسحاقیہ محلہ خرادیاں جودھ پور (انڈیا) (جہان رضا جولائی اگست ۲۰۰۰)

الحاج پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ نوریہ چک سادہ شریف ضلع گجرات (مہر و ماہ

یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

ڈاکٹر سفیر اختر ایڈیٹر نقطہ نظر اسلام آباد (مہر وماہ یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء)

ڈاکٹر ساجدہ اے علوی پروفیسر تاریخ پاک وہند انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز میکگل یونیورسٹی مانٹریال کینیڈا۔(مہر وماہ یادگارہ موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

پروفیسر ڈاکٹر محمد رمضان مرزا (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

عمران نقوی کالم نگار روزنامہ نوائے وقت لاہور (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

الحاج حکیم محمد حامد نور نبیرہ فخر الاطباء (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

سید محمد فاروق القادری سجادہ نشین شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

پیر زادہ سید محمد عثمان نوری چیئرمین نوری فاؤنڈیشن پاکستان لاہور (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

سید عارف محمود مہجور رضوی، گجرات (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

ابوالعاصم محمد سلیم حماد زیب سجادہ درگاہ عالیہ داتا گنج بخش لاہور (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری نیو کیمپس لاہور (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

مشفق خواجہ کراچی (بنام محمد عالم مختار حق) (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

ڈاکٹر عارف نوشاہی اسلام آباد (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

حکیم محمد افتخار حسین اظہر قریشی (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

محمد طارق جمیل صدر علامہ اقبال ویلفیئر سوسائٹی (ماہنامہ مہر وماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰)

حافظ پیر عبدالوحید کاشمیری اور ان کے ساتھی روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۹۹

محمد اکرم رانا ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (روزنامہ پاکستان لاہور ۲۴ نومبر، نوائے وقت لاہور ۲۳ نومبر ۱۹۹۹)۔

محمد اختر رضا قادری، نزیل مدینہ منورہ (بر پشت کتاب "حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان" از جلال الدین ڈیروی دار الفیض گنج بخش لاہور ۱۴۲۱/۲۰۰۰ء)

تعزیت۔ ماہنامہ مصطفائی تحریک لاہور (انگریزی) نومبر ۱۹۹۹

اظہار تعزیت۔ ماہنامہ العلما لاہور دسمبر ۱۹۹۹

اظہار تعزیت۔ ماہنامہ آستانہ کراچی دسمبر ۱۹۹۹

اظہار تعزیت۔ ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام گوجرانوالہ دسمبر ۱۹۹۹

اظہار تعزیت۔ ماہنامہ رہنمائے صحت فیصل آباد دسمبر ۱۹۹۹

(تاریخ وفات ۷ نومبر کے بجائے ۱۷ اکتوبر تحریر کی گئی ہے)

اظہار تعزیت۔ سہ ماہی العلم کراچی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کے سترھویں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر شائع کیے گئے یادگاری مجلہ مطبوعہ جامع مسجد گلزار حبیب کراچی مرتبہ مولانا کوکب نورانی ۲۰۰۰ میں بیان کیا گیا ہے کہ بانی مجلس رضا اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے الفاظ بھی ہم عدد ہیں۔

تعزیتی نشست: دارالمطالعہ رضا اکیڈمی سہسرام (بہار انڈیا) اخلاق احمد رضوی ڈائریکٹر رضا

اکیڈمی سہسرام سہ ماہی افکار رضا ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء

تعزیت نامہ طارق سلطانپوری ۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور مارچ ۲۰۰۰ء

تعزیت نامہ مولانا غلام مصطفیٰ مجددی شگر گڑھ۔ ماہنامہ جہان رضا لاہور مارچ ۲۰۰۰ء

تعزیت نامہ۔ قاضی کلیم احمد قادری امراوتی، مہاراشٹر سہ ماہی افکار رضا ممبئی اپریل تا جون ۲۰۰۰ء

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور کی ایک تقریب میں یادرفتگاں منائی گئی۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی (مدیر جہان رضا) نے حکیم صاحب کی خدمات پر روشنی ڈالی۔

(۱۰) گشتی مراسلے

۱۔ ''ارمغان عقیدت'' کے لیے میاں زبیر احمد قادری ضیائی و محمد ریاض ہمایوں سعیدی ۵۵ ریلوے روڈ لاہور کی طرف سے مشترکہ مراسلہ (بلا مورخہ)

۲۔ ماہنامہ ''مہر و ماہ'' اندرون موچی دروازہ لاہور کے مدیر طاہر ابدال طاہر کی طرف سے مہر و ماہ کی خصوصی اشاعت ''یادگار موسیٰ'' کے لیے اپیل (بلا مورخہ)

۳۔ کنزالایمان سوسائٹی صدر بازار لاہور چھاؤنی کی طرف سے ماہنامہ کنزالایمان ''حکیم اہلسنت'' کے خصوصی شمارہ کے لیے اپیل از محمد نعیم طاہر رضوی چیف ایڈیٹر مورخہ ۲۵ جنوری ۲۰۰۰ء

(۱۱) مضامین مہر و ماہ لاہور فقید المثال شیوع ''یادگار موسیٰ'' جنوری فروری ۲۰۰۰

(اس خصوصی نمبر پر مختصر تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ اور روزنامہ جنگ لاہور ۴ فروری ۲۰۰۰۔ بعدہ اس یادگار اشاعت پر جناب سعید بدر صاحب نے ماہنامہ انوار حیدر قصور میں بھرپور تبصرہ کیا)

انسان آرزو م انسان آرزم، کذا سید اویس علی سہروردی ایڈیٹر سہ ماہی مجلہ ''سہرورد'' لاہور

حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایک عہد ساز شخصیت، اسلم کاشمیری

حکیم صاحب، محمد اکرام چغتائی ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ لاہور

محقق عصر حکیم موسیٰ حقائق کی روشنی میں ، پروفیسر محمد اقبال مجددی صدر شعبہ تاریخ گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کینٹ

آفتاب علم وحکمت، حکیم امین الدین احمد قادری خوشحالی

کتابوں کی کہانی حکیم موسیٰ کی زبانی، سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور
(مضمون ہذا پیش ازیں سہ ماہی ''خبرنامہ'' پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن پنجاب جلد نمبر۲ شمارہ نمبر۱۔۳ بابت ۱۹۹۲ء میں چھپ چکا ہے)

مرکزی مجلس رضا کا بانی ، جلال الدین ڈیروی

پیارے تایا جان، خضر محمود اخضر ابن فدا

رفتید و لے نہ از دل ما' راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ ''نعت'' لاہور
(راجا صاحب لکھتے ہیں'' پتا نہیں حکیم صاحب کے نام کے ساتھ حکیم اہلسنت کیوں اور کس کی ذہنی اپج کے تحت لکھا جانے لگا...... جواباً عرض ہے کہ قطب مدینہ حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی خلیفہ اعلی حضرت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی نے حکیم صاحب کو سند خلافت تفویض کرتے ہوئے اپنے الطاف کریمانہ سے ان کے نام کے ساتھ ''حکیم اہل سنت'' کا سابقہ ملحق کر دیا۔ اس سند کی نقل کتاب ''حکیم محمد موسیٰ ایک ادارہ ایک تحریک'' از سید محمد عبداللہ قادری داتا گنج بخش اکیڈمی بلال گنج لاہور ۱۹۹۱ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایک قاموس ایک انسائیکلو پیڈیا، سید سبط الحسن ضیغم

صاحب حکمت درویش، ابوالعاصم میاں محمد سلیم حماد سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش لاہور
(آپ (حکیم صاحب) کا بیان وکلام حضور اکرم ﷺ کے شایان شان رہا) یہ تو چھوٹا منہ بڑی بات والی بات ہے۔ غالباً میاں صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکیم صاحب قول وفعل میں آں حضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر سختی سے عمل کرتے تھے۔

مصنفین کا مرکز۔ مطب حکیم موسیٰ، میاں ظفر مقبول/ اہل سنت کا ایک روشن ستارہ۔ سردار علی احمد خان/ حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی مدیر ماہنامہ درویش لاہور (یہ مضمون بعد میں ماہ نامہ درویش لاہور کی اشاعت برائے ستمبر ۲۰۰۰ء میں بھی شائع ہوا)

حکیم صاحب سے آخری ملاقات، ڈاکٹر عارف نوشاہی

مکتوبات کا پس منظر

حکیم صاحب کے مکتوبات بنام وعالم مختار حق)۔عالم مختار حق
مرکزی مجلس رضا اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری، سید محمد عبداللہ قادری
طب وحکمت کی آبرو، حکیم عبدالباسط چشتی
قران السعدین، فداو موسیٰ کا باہمی ارتباط محمد عالم مختار حق
چہ دلاور است دزدے، مختار جاوید منہاس، مدیر حسن عمل لاہور
۵۵ ریلوے روڈ کا خان خاناں، محمد نذیر رانجھا اسلام آباد
(مضمون ہذا ماہنامہ ''نوائے انجمن'' اسلام آباد کے شمارہ برائے فروری ۲۰۰۰ میں بھی شامل ہے)
مرکزی مجلس رضا لاہور ماضی، حال، مستقبل، ظہور الدین خاں سابق سیکرٹری مرکزی مجلس رضا
دلیس پنجاب (پنجابی) راجا رسالو آفس سیکرٹری پاکستان رائٹرز گلڈ لاہور

(۱۲)۔مضامین ماہنامہ نوائے انجمن اسلام آباد خصوصی نمبر بیاد حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری فروری ۲۰۰۰

ابو الکتاب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پروفیسر محمد صدیق
پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو تفویض کتب کی کہانی سید جمیل رضوی کی زبانی، سید جمیل احمد رضوی
حکیم اہلسنت کا سفر آخرت، محمد عمر فاروق مصطفوی
(ماہنامہ سبیل الرشاد لاہور برائے فروری ۲۰۰۰ میں بھی چھپا)
ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، سید جمیل احمد رضوی
تصوف کا انسائیکلوپیڈیا، آرتھر فرینک بیولر (نومسلم سالم عبداللہ)
(امریکن نومسلم سکالر سالم عبداللہ نے ہارورڈ یونیورسٹی میں جون ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹریٹ کے لیے انگریزی میں ایک مقالہ بعنوان۔ ''پنجاب میں نقشبندی روحانی اتھارٹی۔۱۸۵۷۔۱۹۴۷'' پیش کیا۔انہوں نے اپنے مقالے کے آغاز میں حکیم صاحب کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔یہ اسی عبارت کا اردو ترجمہ ہے۔)

(۱۳) متفرق مضامین

سانحہ ارتحال حکیم اہلسنت، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ دسمبر ۱۹۹۹
انسان دوست حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، سید روح الامین ماہنامہ رزم نو گجرات جنوری ۲۰۰۰ء (حکیم صاحب کے کتب خانہ میں لاکھوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں تھیں)
حکیم محمد موسیٰ امرتسری، محمد عطاء الرحمٰن ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور جنوری ۲۰۰۰

(یہ مضمون سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے شمارہ برائے اکتوبر تا دسمبر ۹۹ ء میں بھی نقل ہوا)

حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحلت فرما گئے، ادارہ ماہنامہ فیضان مدینہ لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، قدیم خوابوں کی زندہ تعبیر، خواجہ رضی حیدر، ماہنامہ کاروان قمر کراچی، جنوری ۲۰۰۰

(یہ مضمون حکیم صاحب کی حین حیات ۱۹۸۳ میں لکھا گیا اور ہفت روزہ ملتان روڈ نیوز مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۹۰ میں شائع ہوا)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، محمد حنیف ازہر، روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم جنوری ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ مرحوم، سید سبط الحسن ضیغم، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مختار جاوید منہاس، روزنامہ جنگ لاہور (سنڈے میگزین) ۲۳ جنوری ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ کی عیسیٰ نفسی، لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی روزنامہ پاکستان لاہور ۳ دسمبر ۱۹۹۹ء

(یہی مضمون بعد میں ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور برائے جنوری ۲۰۰۰ء میں بعنوان ''شفائیں بھی ہوتی ہے'' مرتبہ محسن فارابی شائع ہوا)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، محمد سراج الدین شریفی، سہ ماہی الکوثر سہسرام (بہار، ہندوستان) جنوری تا جون ۲۰۰۰ء

(مضمون حکیم صاحب کی حین حیات ہی لکھا گیا مگر طباعت پہلی مرتبہ وفات کے بعد ہوئی)

آہ حکیم محمد موسیٰ، سعید بدر، ماہنامہ انوار حیدر قصور فروری، مارچ، ۲۰۰۰ء

خوشبو کی حکمت، رائے محمد کمال، اخبار اہلسنت لاہور فروری مارچ، ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری، قمر یورش، ماہنامہ احوال و آثار لاہور مئی ۲۰۰۰ء

سرمایہ ملت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی، میاں نعیم انور چشتی نظامی، روزنامہ الصبح لاہور ۲۶ اگست ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم، حکیم سید امین الدین احمد ماہنامہ مجلہ طبیہ لاہور فروری ۲۰۰۰ء

خداداد تشخیصی صلاحیتوں کے مالک حکیم محمد موسیٰ امرتسری حکیم عبدالماجد چشتی مجلہ طبیہ لاہور فروری ۲۰۰۰ء

حکیم صاحب امر ہیں۔ سید قاسم محمود۔ سہ ماہی سہرور دلاہور۔ نومبر ۲۰۰۰ء

حکیم محمد موسیٰ کی کتاب دوست مورخ، سید سبط الحسن ضیغم۔ پنجابی مہینہ وار لہراں لاہور۔ نومبر ۲۰۰۰ء

مضون ہذا میں بعض باتیں محلِ نظر حقائق کے سراسر منافی اور قابلِ گرفت ہیں جس کے مناسب جواب کے لیے ہم حکیم صاحب کے روحانی جانشین میاں زبیر احمد ضیائی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ۔ مبارک پور (اعظم گڑھ یوپی) کے جون کے شمارہ میں حکیم صاحب پر دو مضمون چھپے مگر پرچہ سر دست دستیاب نہ ہونے کے سبب مضامین کے کوائف درج نہیں کئے جا سکے۔

جلال الدین ڈیرومی صاحب نے اپنے مکتوب بنام مدیر السعید میں حکیم صاحب پر تحریر کیے گئے اپنے پانچ مقالات کے کوائف بیان کئے ہیں۔ جواباً مدیر السعید نے حکیم صاحب پر نمبر چھاپنے کے عندیہ کا اظہار کیا ہے (ماہ نامہ السعید

(۱۴)۔ قطعاتِ تاریخ

(ہر قطعہ نگار یا تاریخ گو کا صرف ایک ایک مادہ تاریخ نمونتہً درج کیا جا رہا ہے)

سردار علی احمد خاں، مداح شاہ ذی شان از جہاں رفت ۱۴۲۰ھ ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

ابو الطاہر فدا حسین فدا، منبع فیض عمیم محمد موسیٰ ۱۴۲۰ ماہ نامہ مہر ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

(روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۹۹ء یہ قطعہ تاریخ چھپ چکا ہے مگر اس میں چھ اشعار تھے اور یہ دس اشعار پر مشتمل ہے)

صابر براری، خلد میں نادر محفل ہیں محمد موسیٰ ۱۴۲۰ھ ماہ نامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

(یہ قطعہ تاریخ موصوف کی کتاب تاریخ رفتگان جلد سوم (۱۹۴۷ تا ۱۹۹۹) ایوان ادب کورنگی کراچی ۲۰۰۰ میں بھی شامل ہے)

نوحہ فارسی، ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری زعیش وعشرت نام ونشاں نماند ۱۹۹۹ء

(اس نوحہ میں چار مادہ ہائے تاریخ شامل ہیں) ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

ملک محمد شہزاد مجددی' پروردہ فضل وکمال ۱۴۲۰ھ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

(ماہ نامہ فیضان مدینہ لاہور برائے جنوری ۲۰۰۰ میں بھی شائع ہوا)

سید محمود مجبور رضوی (ایک قطعہ دو مادے) فرشتہ منش حکیم اہل سنت ۱۹۹۹ء ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

طارق سلطانپوری حسن ابدال (چار قطعات) گلبن خیر واتقا ۱۴۲۰ھ ماہنامہ مہر و ماہ لاہور یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰ء

متین کاشمیری (دو قطعات و ۱۳ مادے) فیاض زماں مستور شد ۱۹۹۹ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹

(ان میں سے چودہ مادہ ہائے تاریخ کتاب اثبات المولد والقیام از شاہ احمد سعید مجددی مطبوعہ میاں اخلاق احمد اکیڈمی شاد باغ لاہور ۱۹۹۹ کے آخر میں اور دو قطعات ماہنامہ مہر و ماہ لاہور ''یادگار موسیٰ'' جنوری فروری ۲۰۰۰ء میں شامل ہیں۔

محمد حسن خاں میرانی نوشاہی محلہ کجل پورہ بہاولپور (ایک قطعہ اور دو مادے) عالم علم سلوک حضرت موسیٰ حکیم ۱۹۹۹ء

شمیم صبائی متھراوی (دو مادے) موسیٰ امرتسری چلے فردوس ۱۴۲۰ ماہنامہ قومی زبان انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی مئی ۲۰۰۰ء

دکتر محمد حسین تسبیحی رہا (وفات نامہ فارسی) چار مادہ ہائے تاریخ ماہنامہ مہر و ماہ یادگار موسیٰ جنوری فروری ۲۰۰۰

عالی تبار خاندان ۱۴۲۰ھ

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کراچی (۳۴ مادہ ہائے تاریخ) روح پرور چشمہ محبت ۱۴۲۰ء جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۹

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مدیر اعلیٰ کنزالایمان دہلی

مصرعہ ثانی سے پہلے کرادالفظ صیدا آہ بندہ حق تھا وہ یارب داخل جنت ہوا

۱۰۰+۱۸۹۸=۱۹۹۸ (جہانِ رضا مارچ ۲۰۰۰)

(حکیم صاحب کا سال وفات ۱۹۹۹ ہے نہ کہ ۱۹۹۸)

یہ قطعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ میں بھی شائع ہوا

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ایم اے بریلی شریف (۱۰ دہ ہائے تاریخ) فدائے مصطفیٰ، فدائے رضا ۱۴۲۰ھ جہان رضا لاہور مارچ ۲۰۰۰ء

یہ مادے سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء میں بھی شائع ہوئے۔

(۱۵) منظوم خراج عقیدت

۱۔ تحفۂ اخلاص و مودت (۷ اشعار) ابوالطاہر فدا حسین فدا ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

مقطع غلام خواجہ و غوث اعظم گدائے شہنشاہ دو عالم

فدایہ محبوب پاکبازاں ہے خضر صورت فرشتہ سیرت

یہ قطعہ پیش ازیں ماہ نامہ مہر و ماہ کی خصوصی اشاعت ''تذکار فدا'' بابت اگست ۱۹۹۹ء میں بھی چھپ چکا ہے

۲۔ خراج عقیدت (۱۲ اشعار) بے چین رجپوری بدایونی ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

مقطع: بے چین کی ہے یہ دعا بدرگہ ملطف رحمن

در صحن جنت شاد باد محمد موسیٰ

۳۔ (۸ اشعار) مفتی ضیاء الدین ضیاء (مفتی کشمیر) ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

تجلی بہ موسیٰ چو برطور شد

جہانے کزاں نور مسرور شد

۴۔ (۱۲ اشعار) بشیر حسین ناظم ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

مطلع = اے نقیب مسلک عشق و ادب مرد حکیم

حب احمد سے فروزاں ہے ترا قلب سلیم

۵۔ (۷ اشعار) ڈاکٹر جاوید گلزار ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

ترا وجود ڈھال تھا فتنوں کے سامنے

جاری رہے ہم پر ترا فیضان تیرے بعد

۶۔(۱۹ اشعار) حامد غازی آبادی منشی فاضل ماہنامہ مہر و ماہ لاہور (یادگار موسیٰ) جنوری فروری ۲۰۰۰ء

مطلع = علم و حکمت کا خزینہ جن کو بخشے وہ طبیب

حق تعالیٰ کرتا ہے بیشک انہی کو خوش نصیب

۷۔ نذر عقیدت (۱۷ اشعار) حکیم سید محمد خرم ریاض رضوی ماہنامہ مجلہ طبیہ لاہور فروری ۲۰۰۰ء

مقطع = وہ ریاض جنت الفردوس میں پیہم رہے

ساقی کوثر کی نگہ ناز میں خرم رہے

(۱۶) کتب برائے ایصال ثواب بروح پر فتوح جناب حکیم محمد موسیٰ ؒ

حکیم صاحب کے نیاز مندوں نے اپنی اپنی بساط بھر ان کی روح کو ایصال ثواب کے لیے مختلف پیرائے استعمال کیے اور یوں اپنی عقیدت و مودت کے ارمغان ان کی حضوری میں پیش کیے۔ بعض نے مجالس تعزیت منعقد کر کے جبکہ بعض دوستوں نے، محافل قرآن خوانی کا اہتمام کر کے مرحوم کی مغفرت کے لیے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ بعض اہل ثروت نے مرحوم کی مغفرت کے لیے کتابیں چھپوا کر یا خرید کر بطور صدقہ جاریہ فی سبیل اللہ تقسیم کیں۔

راقم الحروف نے ایک مدت مدید سے اپنے مرحوم اعزہ و اقارب کے لیے ہر صبح فاتحہ خوانی کا وظیفہ اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے حکیم صاحب نے ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ کو داغ مفارقت دیا اگلی صبح (۱۸ نومبر) سے ہی میں نے انہیں اپنے مرحومین میں دعا کے ساتھ شامل کر لیا۔ خدا چاہے تو دم واپسیں تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے کوئی صبح اس اثنا میں ایسی نہیں آئی جب دوسرے عزیزوں اور محبوں کے ساتھ آپ کو دعا میں یاد نہ کیا ہو

از دست فقیر بے نوا نا ید ہیچ

جز ایں کہ بصدق دل دعائے بکند

ذیل میں حکیم صاحب سے منسوب ایسی ہی معلومہ کتب کا تعارف خوانندگان گرامی کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ یادگاری کتابچہ۔ حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری خلیفہ قطب مدینہ، بانی مجلس رضا لاہور

مصنف: محمد عالم مختار حق، مجلس رضا عابد ٹاؤن گلشن اقبال کراچی ۱۹۹۹

(راقم کے مضمون "یوم رضا کی کہانی اشتہارات کی زبانی" مطبوعہ جہان رضا لاہور بابت نومبر ۱۹۹۹ کا ری پرنٹ)

۲۔ خاک حجاز کے نگہبان صلاح الدین محمود، دار الفیض گنج بخش لاہور ۱۹۹۹ء

(کتاب ہذا پیشتر ازیں مرکزی مجلس رضا لاہور کی جانب سے ۱۹۸۴ میں شائع ہوئی تاہم نئے ایڈیشن میں میاں محمد زبیر صاحب گنج بخشی ضیائی کا مفید مقدمہ شریک اشاعت ہے)

۳۔ احکام رمضان المبارک۔ مبلغ اسلام علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی القادری (والد میاں نورانی صاحب) مسلم کتابوی لاہور ۱۹۹۸ء

(۸ دسمبر ۱۹۹۹ کو شاد باغ لاہور میں حکیم صاحب کی تقریب چہلم میں دار الفیض گنج بخش لاہور کی جانب سے تقسیم کیا گیا۔ ۱۰ دسمبر کو رمضان المبارک کی آمد کے پیش نظر تقریب چہلم پیش از وقت منعقد کی گئی۔

۴۔ حکیم اہل سنت اور تحریک پاکستان۔ جلال الدین ڈیروی۔ دار الفیض گنج بخش لاہور ۱۴۲۱/ ۲۰۰۰ء

(پایان کتاب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا مضمون ''مولانا شاہ احمد رضا خاں اور انکے رفقا کی سیاسی بصیرت'' بھی شامل ہے جو مقالات یوم رضا (حصہ اول) دار المصنفین اندرون بھاٹی گیٹ لاہور ۱۹۶۸/ ۱۳۸۸ھ سے ماخوذ ہے مگر مضمون پر حکیم صاحب کا نام آہنی کاتب سے نظر انداز ہوگیا ہے)

۵۔ تذکرہ حضرت داتا گنج بخش و تعارف کشف المحجوب، حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مصطفائی تحریک پاکستان لاہور ۲۰۰۰ء۔

(بتقریب چہلم منعقدہ جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ، مورخہ ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء بروز جمعۃ المبارک تقسیم کیا گیا)

۶۔ حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری، سید رضی حیدر، نشرح فاؤنڈیشن گلشن اقبال کراچی ۲۰۰۰ء (انتساب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام جنہوں نے حضرت داتا صاحب کے شہر لاہور میں رہتے ہوئے مسلک اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے لیے عالمی سطح پر خدمات انجام دیں)

۷۔ شمیم جالندھر المعروف بہ تذکرہ اولیائے جالندھر۔ ابو مظہر علی اصغر چشتی صابری جالندھری مدرسہ تنویر الاسلام کوچہ سدھو مصر اندرون شاہ عالمی لاہور ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء اس تذکرہ کے ۳۲۵ نسخے بذریعہ مرکزی مجلس رضا نعمانیہ بلڈنگ ٹیکسالی گیٹ لاہور تقسیم کئے گئے بحوالہ ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۲۰۰۰ جولائی اگست ۲۰۰۰۔

۸۔ سات مسائل۔ مفتی محمد رضوان الرحمٰن فاروقی بزم عاشقان مصطفیٰ زبیر سٹریٹ فلیمنگ روڈ لاہور ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء

۹۔ اثبات المولد والقیام۔ شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، ترجمہ مولانا محمد رشید نقشبندی، میاں اخلاق اکیڈمی ۳۳۳ شاد باغ لاہور ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء

(کتاب کے آخر میں متین کاشمیری صاحب کے حکیم صاحب کی وفات پر کہے ہوئے دو قطعات، ۱۲ مادہ ہائے تاریخ درج ہیں)

۱۰۔ اربعین حنفیہ۔ ابو یوسف محمد شریف متوطن کوٹلی لوہاراں۔ سیالکوٹ۔ دار الفیض گنج بخش حکیم محمد موسیٰ روڈ (ریلوے روڈ) لاہور ۱۴۲۱ء/ ۲۰۰۰ء (حکیم صاحب کے پہلے سالانہ یوم منعقدہ بختیار لیبر ہال نسبت روڈ

لاہور مورخہ ۱۹ نومبر ۲۰۰۰ء کے موقع پر تقسیم کی گئی)

۱۱۔ نوافل باجماعت پڑھنا مکروہ ہے (پمفلٹ) محمد شہزاد مجددی سیفی۔ دارالاخلاص ریلوے روڈ لاہور (غیر مورخہ) (حکیم صاحب کی پہلی سالانہ تقریب خیم شریف جو قمری تاریخ رحلت کے مطابق۔ ۸ شعبان ۱۴۲۱ھ (نومبر ۲۰۰۰ء کو شاد باغ لاہور میں بعد نماز عصر منعقد ہوئی کے موقع پر پمفلٹ تقسیم کیا گیا۔)

(۱۷) اخباری بیان

۱۔ اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔ غلام صادق شاہدرہ ٹاؤن لاہور۔ نوائے وقت لاہور ۱۱ فروری ۲۰۰۰

(حکومت سے حکیم صاحب کے پسماندگان کے تحفظ کی اپیل)

۲۔ حکیم محمد موسیٰ مرحوم کے مشن کو زندہ رکھا جائے۔ بیوہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نوائے وقت لاہور ۱۷ فروری ۲۰۰۰ء

نوٹ: اپیل بعد میں ماہ نامہ سبیل الرشاد لاہور کے شمارہ برائے اپریل ۲۰۰۰ء میں بھی نقل ہوئی

(مندرجہ بالا اپیل کا ردعمل)

حکیم صاحب کے فکروفن کی پیش رفت کے لیے اقدامات:

۱۔ تشکیل ''مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' رائل پارک لاہور مورخہ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۰ء کنوینر سید اویس علی سہروردی ماہ نامہ نعت لاہور برائے نومبر ۲۰۰۰ء، آفس سیکرٹری ظہور الدین خان

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

میاں عطا اللہ ساگر وارثی

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے
واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے
کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

موت---آہ موت یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس سے آج تک کسی کو نہ جرأت انکار ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے یہی وہ منزل ہے کہ جہاں سے گذرنا ہر ذی روح کا فرض ہوتا ہے۔ نبی ہو یا ولی گناہگار ہو یا زاہد دوست ہو یا دشمن ہوشیار ہو یا دیوانہ بہرحال موت کا ہاتھ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس کا یہ عمل فطرت الٰہیہ اور حکمت کاملہ کی طرف سے یہ فرض خاص کے طور پر ہوتا ہے۔ موت سب کی ایک ہی طرح کی موت ہوتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں زہر اگر ایک جگہ باعث ہلاکت ہے تو دوسری جگہ یہی آب حیات کا کام دیتا ہے انسان فطرتاً معصوم پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ منشاء الٰہیہ کے خلاف بغاوت کر کے اپنی اعمال زندگی کو تاریک اور تاریک تر بنا لیتا ہے روح کی لطافت و پاکیزگی کا بڑا انحصار جسمانی اعمال و صفات پر ہوا کرتا ہے انہیں اعمال کے اثرات مرتب ہو کر ایک باطنی مشکل اختیار کر لیتے ہیں جن کو عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتی ہیں لیکن خواص ہر وقت اور ہر لحظہ مشاہدہ نظری کر سکتے ہیں وہی نماز ہے جو ایک متقی پرہیز گار ایک سوختہ جان ایک زاہد سالوس ایک سراپا گناہگار اور ایک غافل مطلق پڑھتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب نمازیں ایک ہی نوعیت کی ہیں حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمت دار بقا کو سدھار گئے ان کی ذات اہل علم حضرات کیلئے باعث فخر تھی۔ ہماری تہذیب میں علم و فضل والے جن خاندانوں کا ذکر اہمیت رکھتا ہے ان میں ایک مشہور و معروف حکیم قبلہ محمد موسیٰ علیہ رحمہ کا ہے جو کہ امرتسر (بھارت) کے رہنے والے تھے جب پاکستان معرض وجود میں آیا یہ امرتسر سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور لاہور رام گلی نمبر ۲ میں آ کر سکونت اختیار کی۔ اس مذکورہ رام گلی نمبر ۲ میں مطب بھی کرتے تھے۔

جناب حکیم محمد موسیٰ بذات خود اور ان کے والد ماجد حضرت میاں علی محمد خاں صاحب چشتی نظامی علیہ الرحمت بسی شریف ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے دامن گرفتہ تھے حضرت میاں صاحب نے بذریعہ درس و تدریس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کے چمن کی بہت زیادہ آبیاری فرمائی آپ بہت بڑے عالم فاضل اور

میدان طریقت کے شہسوار تھے چشتی نظامی سلسلے کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کیلئے دامے، درمے، قدمے سخنے خدمات سرانجام دیں۔

آپ صاحب دل صاحب نظر کے علاوہ اہل قلم بھی تھے آپ نے علم شریعت و طریقت پر بہت زیادہ کتابیں لکھیں ان کتابوں سے آج بھی ایک دنیا مطالعہ کر کے روحانی فیوضات سے استفادہ کر رہی ہے اور قیامت تک اہل سلاسل ان کی تصانیف کی فیوض و برکات ۔سے ہمکنار ہوتی رہے گی۔

بزرگے دیرم اندر کی سارے

قناعت کردہ از دنیا بغارے

حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمتہ ایسے بزرگوں سے نہیں تھے جو دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ کے کسی گوشے میں چھپ جائیں بلکہ وہ اس عقیدے کے قائل تھے

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

حکیم صاحب اور ان کے والد ماجد درویش صفت، درویش سیرت، درویش صورت گفتگو میں شیرینی اور لطافت طریقت نظامیہ کے دوسرے لفظوں میں علمبردار صحافی مصنف، مورخ سینکڑوں طالب علموں، پروفیسروں اور دانشوروں کے استاد تھے ان کی دینی و دنیاوی مشکلات رفع کرنے مین دامے درمے گریز نہ کرتے تھے۔

مضمون نگاری میں وہ طرز پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی ان کا حلقہ احباب جو سو فیصدی خواندہ تھے وہ آپ کو روحانی و دنیاوی پیشوا سمجھتے تھے انکا موضوع سخن زیادہ تر تاریخ اسلامی یا اہل سلاسل کی طریقت پر ہوتا تھا۔ تاریخی معلومات نوک یہ زبان تھیں یعنی جب اپنے مطب میں بیٹھتے تھے جہاں ان کے پاس مریضوں کا اکثر جمگھٹا رہتا تھا وہاں ان کے حلقہ احباب بھی آموجود ہوتے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ہر مقام سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن ان کا سلوک دونوں کے ساتھ یکساں ہوتا تھا۔ مریضوں کا دھڑ دھجی سن رہے ہیں۔ دوائیں تجویز کرکے نسخے لکھے جا رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے احباب کی بھی دلجوئی اور رہنمائی کیلئے موضوع گفتگو پر گفت و شنید ہو رہی ہے۔ مجال ہے کہ موضوع سے ہٹ کر بات کریں۔

جناب عشق کی تعلیم ہی نرالی ہے

سبق انوکھا انوکھی کتاب کیا کہنا

(حضرت بیدم وارثی)

راقم الحروف نے جب اول اول اپنے سلسلہ طریقت وارثیہ کے متعلق ایک کتاب ''خیرالوارثین'' کے نام سے لکھی میرے ایک بزرگ برادر طریقت خادم شاہ وارثی کی وساطت سے حکیم صحابؒ کو خبر ہوگئی خادم شاہ وارثی سے فرمانے لگے میاں صاحب سے کہنا مجھے آکر ملیں اور اپنی تصنیف بھی ساتھ لیتے آویں - خیر میں وقت نکال کر انکے مطب ریلوے روڈ پر چلا گیا اور اپنی تصنیف کو بھی ساتھ لیتا گیا اور ان کی خدمت میں پیش کردی انہوں نے ''خیرالواثین'' کا بڑے غور سے مطالعہ کیا اور بہت خوش ہوئے تاکید فرمایا وارثیہ سلسلے پر مزید کام ہونا چاہیے-

نشان آشناداری بیانزدیک من بنیش

اس کے بعد دو چار سال میں تذکرہ شعرائے وارثیہ لکھا میں نے حکیم صاحبؒ سے گذارش کی کہ آپ اس پر تقریظ لکھ دیں انہوں نے میری اس درخواست کو قبول و منظور فرمایا اور دو تین دن میں تقریظ لکھ کر مجھے دے دی فرمایا! خوب لکھا مجھے قلبی مسرت ہوئی - اس مذکورہ تذکرہ میں میر ولی وارثی کی شاعری کے متعلق پڑھ کر فرمانے لگے کہ میر ولی وارثی امرتسر کے رہنے والے تھے اب خدا جانے کہاں ہیں بٹوارہ ہوا ہجرت کے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوئی - تقریظ میں پیش گفتار کا آغاز

حمد محمود لے کہ در جملہ صور
شد با نوار محمد جلوہ گر

تذکرہ ہذا میں اولیاء اللہ اور خدام اولیاء اللہ کے حالات بابرکات کا ایک حسین و جمیل موقع ہے چنانچہ حضرت ساگر وارثی کی یہ پیش کش صرف وارثی حضرات کے لئے ہی نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے حالات بابرکات سے دلچسپی رکھنے والے اور تاریخ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے ایک بیش بہا تحفہ اور اردو ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہے - مسلمانوں کی تاریخ کو صحیح کرنے کے لیے مجاہد علماء مشائخ عظام صوفیہ صافید نمازیوں اور شہیدوں کے تذکروں کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے - مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کی تباہ کاریوں اور وہاں کے خانقاہی نظام کی بربادی مساجد و مقابر کے انہدام لاکھوں نفوس کی شہادت کتب خانوں کے ضیاء وغیرہ پر بھی بہت زیادہ کام ہونا چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں اور مورخین تک یہ حقائق پہنچ سکیں اب میاں ساگر وارثی کے فرائض میں شامل ہے کہ ''تذکرہ مشائخ جالندھر'' بھی مرتب فرمائیں - جناب قبلہ حکیم صاحبؒ نے میری ایک اور کتاب ''محبوب الوارثین'' پر پیش گفتار بھی لکھا اور قطعہ تاریخ طباعت بھی لکھا ہے-

قبلہ حکیم صاحبؒ ہر اہل قلم کی حوصلہ افزائی دلجوئی کرتے تھے - وہ خود بھی خوب سے خوب کی تلاش میں رہتے تھے - وقت کا ضیاء ان کے خیال میں بہت بڑا گناہ تھا اپنے ہر ملنے والے کو تلقین کرتے تھے کہ آگے بڑھو تاکہ

آنے والی نسلیں تمہارے کارناموں کو یاد رکھیں۔

بقول!

اٹھو بھی! دیر کیا ہے
یہ نقش پا ہے وہ قافلہ ہے

''مشائخ جالندھر'' پر کتاب تو لکھی گئی مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کا قلمی نسخہ ہی جناب حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ بہت خوش ہوئے قبلہ حکیم صاحب'' مرد آہن تھے اپنے قوی ارادوں کی تکمیل کے لیے پیچھے نہیں ہٹے

جیتے جی سر نہ اٹھے یار کے در سے بیدمؔ
کہ مزہ آتا ہے اس در پہ جبیں سائی کا

(حضرت بیدم وارثیؒ)

میں جب جب بھی ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کوئی نہ کوئی کتابچہ رسالہ یا کتاب جو کہ مذہبی تاریخی یا تاریخ اسلام کے موضوع پر ہوتی تو ضرور عنایت فرماتے میں نے کبھی بھی ان کے ارادوں میں تبدیلی نہیں دیکھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے بیانگ دہل کہہ جاتے تھے۔

ع! نقش وہ چھوڑ جسے زمانہ بھلا نہ سکے

آپ نے اپنی ذاتی لائبریری کی تمام کتب رسالہ جات جس میں سینکڑوں قلمی نسخے اور طبی کتب بھی شامل تھیں پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری کو بطور تحفہ دے دیں۔ جس سے آج بھی صاحب ذوق حضرات ادیب، ریسرچ سکالر استفادہ کرتے ہیں حکیم صاحبؒ کے لیے ارباب ذوق حضرات کے قلوب میں جو عشق و محبت رچا بسا تھا اس کی یادیں دلوں سے نکلنا محال ہیں۔

میں ان سے اس کے سوا اور کیا چاہوں
میں یاد کرتا ہوں وہ یاد آتے جاتے ہیں
اب کون پھر کے جائے تیری جلوہ گاہ سے

جناب قبلہ سید جمیل حسین رضوی صاحب چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور نے آپ کے ذخیرہ کتب کی تین جلدوں میں فہرستیں تیار کر کے کتابی شکل میں چھپوا دیں ---- نام نیک رفتگاں ضائع مکن

حکیم صاحب قبلہ علیہ الرحمتہ کے ہاں آخری حاضری غالباً تین دن پہلے وصال سے قبل ہوئی دو چار شخصیتیں اور بھی بیٹھی ہوئیں تھیں ہمایوں صاحب سے کہا چائے منگوائی جائے۔ چائے آ گئی ہم سب نے چائے نوش کی۔ اسکے بعد

سلسلہ گفتگو شروع ہو گیا فرمانے لگے امرتسر (بھارت) میں ایک مسجد مولانا خیر الدین صاحبؒ کی تھی وہ مسجد بہت پرانی تھی اس مسجد نے بڑے بڑے علماء زمانے کو دیئے آج یہ حالت ہے کہ لوگ ان کے ناموں اور کارناموں سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی پروفیسر ایسا مل جائے جو پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو میں اسکو تمام دستاویزات جو مسجد سے متعلق ہیں دے دوں۔ تاکہ یہ سعادت اس کو حاصل ہو جائے پھر مجھے فرمانے لگے کہ اصغر علی چشتی صاحب نے جالندھر کے متعلق ایک کتاب لکھ کر چھپوائی ہے میں نے اس کا مطالعہ بڑے غور سے کیا ہے آپ بھی جا کر ان سے ایک نسخہ طبع شدہ لے آئیں اس میں زیادہ بزرگوں کا ذکر نہیں ہے اس میں فتح علی مبارک علی قوال کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔ آپ نے جو مخطوطہ مشائخ جالندھر کا دیا تھا میں نے اسے پنجاب یونیورسٹی لاہور کو اپنے ذخیرہ کتب کے ساتھ ہی دے دیا تھا۔

دانستہ نہیں ہے سہل و مشکل سیماب
جیسی ہو زمین ویسے ہی گل کھلتے ہیں

چائے کے بعد دو شخصوں (۱) نے جانے کیلئے پر تولے اور کچھ نے جھجکتے ہوئے اپنے انداز میں کہا کہ حضرت قبلہ حکیم صاحبؒ ہم آپ کی تصویر اتارنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو تو ہمارے پاس کیمرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تصویر کھینچ لیں دونوں نے باری باری حکیم صاحبؒ کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں کھنچیں جب وہ رخصت ہوئے تو فرمایا کہ حضرت قبلہ پیر شرافت نوشاہیؒ کے پوتے تھے۔ اس کے بعد دو شخص اور تشریف لائے ایک نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہا مگر حکیم صاحبؒ نے ہاتھ جھٹک کر کہا بھائی صاحب میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس کے بعد میں نے بھی اجازت چاہی تو کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے مصافحہ کیا اور فرمایا

یار زندہ صحبت باقی

چار دن کے بعد ۱۷ نومبر 1999 کے اخبار نوائے وقت میں خبر پڑھی کہ "حکیم محمد موسیٰ امرتسری وفات پا گئے ہیں۔

قافلہ سالار سفر کر گیا
قافلے کو زیر و زبر کر گیا

(۱) ان میں سے ایک ڈاکٹر عارف نوشاہی تھے اور دوسرے سید شرافت نوشاہیؒ (المتوفی ۱۹۸۳) کے پوتے مسعود الظفر نوشاہی تھے۔ اس ملاقات کی تفصیل ڈاکٹر عارف نوشاہی کے مضمون "حکیم صاحب سے آخری ملاقات" مشمولہ ماھنامہ "مہر و ماہ" لاہور کے خصوصی شمارے "یادگار موسیٰ" (جنوری فروری 2000) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ملاقات 9 نومبر 2000 کو ہوئی تھی

حضرت شاہ ضیاء الدین قادری رحمتہ اللہ علیہ
(مرشد حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ)

سید محمد عبداللہ قادری

حضرت شیخ العرب والعجم شاہ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی علیہ الرحمہ خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قادری (م ۱۹۲۱ء) قدس سرہ العزیز کا وجود مسعود اس تاریکی کے دور بن مینار نور کی حیثیت رکھتا تھا حضرت رحمتہ اللہ علیہ اسلاف کی یاد اور اخلاف کے لئے سایہ رحمت تھے اگرچہ ان کا سایہ اب بھی ہے مگر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے

حضرت شیخ العرب والعجم کی ذات اور بابرکات مسلمانوں (خصوصاً اہل سنت و جماعت) کے لئے رحمت ومحبت کی علم بردار تھی اور وجہ تسکین قلب تھے علم وفضل کے ہمالہ اور اخلاق واخلاص کا عمدہ نمونہ تھے۔

ستمبر ۱۹۸۱ء تا نومبر ۱۹۸۳ء راقم الحروف (سید محمد عبداللہ قادری ولد سید نور محمد قادری) کو حکیم محمد موسیٰ امرتسری (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) بانی محرک مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے ہاں رہنے کا موقع میسر رہا۔ حکیم صاحب کے مطب ۵۵ ریلوے روڈ لاہور کے اوپر والے کمرہ میں رہتا تھا۔ دفتر سے فارغ ہونے کے بعد ان کے پاس بیٹھا رہتا تھا اور اس عرصہ کے دوران بہت ہی اہم شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں اور بہت سوں کے متعلق سنا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے میں نے جو کچھ حضرت شیخ العرب والعجم شاہ ضیاء الدین احمد قادریؒ کے متعلق سنا وہ درجہ ذیل ہے۔

حضرت شیخ العرب والعجم علیہ الرحمتہ کا وجود بابرکت دنیائے سنت کے لئے صد رحمت تھا دنیا بھر سے جو عاشق رسول ﷺ حج بیت اللہ شریف اور زیارت گنبد خضرا کے لئے حاضر ہوتا تو اس کے لئے حضرت صاحبؒ کے در اقدس کا دروازہ شب وروز کھلا رہتا۔ حضرتؒ ہر آنے والے شخص سے محبت وشفقت سے پیش آتے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا مہمان سمجھتے تھے ہر لحاظ سے اس کی دیکھ بھال کرتے خواہ وہ مالی ہو یا جسمانی جن خوش بختوں کو حضرتؒ کے ہاں ایک لمحہ کے لئے بھی حاضری کا موقع ملا۔ ان کی عظیم شخصیت باتوں اور اس پرکیف ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے

☆ آخری دور میں جب حضرت شاہ ضیاء الدین قادریؒ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے تو آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدظلہ العالیٰ (خسر حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی) فرمانے لگے سرکار آپ کو بغرض علاج مدینہ شریف سے باہر لے چلتے ہیں۔ ارشاد فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ کیوں کہ میں ۶۰،۷۰ سال سے یہ آس لے کر

بیٹھا ہوں کہ مجھے موت مدینہ طیبہ میں آئے اب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا آخری وقت مدینہ شریف سے باہر آئے آخر اس عاشق رسول ﷺ کی یہ آرزو بھی پوری ہوگئی اب آپ جنت البقیع میں استراحت فرمائیں۔

☆ حافظ سردار محمد صاحب (نابینا) شیخ العرب والعجم علیہ الرحمت کے ہاں منعقد ہونے والی میلاد شریف میں ہر روز نعت شریف پڑھتے۔ اسی وجہ سے حضرت صاحبؒ نے حافظ صاحب موصوف کو اپنے دولت کدہ کے نزدیک ہی کمرہ لے کر دیا تھا محفل میلاد شریف بلاناغہ ہر رات اپنے وقت مقرر پر شروع ہو جاتی مختلف ممالک سے آمدہ نعت خواں حضرت آقائے نامدار ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے رحلت سے چند ہفتے قبل بغرض علاج ہسپتال رہے تو حسب معمول محفل میلاد وہاں بھی منعقد ہو جایا کرتی تھی

☆ حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے بتایا کہ ۱۹۷۳ء میں جب میں زیارت حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوا تو شیخ العرب والعجم نے مجھے بہت سی نعمتوں سے نوازا۔

حکیم صاحب سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اس سے پہلے حکیم صاحبؒ اپنے خاندان کے روحانی پیشواز بدۃ العارفین فرید العصر میاں علی محمد خان نظامی فخری سجادہ نشین بسی شریف (ہوشیار پور) سے سلسلہ چشتیہ میں ۱۹۳۸ء میں بیعت ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت حاجی علم الدین صاحب نے از خود قصیدہ بردہ شریف کی اور دیگر اجازتیں عطا کیں۔

قیام مدینہ شریف (جو تقریباً پونے تین ماہ رہا) کے دوران حضرت شیخ العرب والعجم کے علاوہ متعدد شیوخ سے کسب فیض کیا۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

☆ شیخ محمد حسین رمزی الیمنیؒ خلیفہ حضرت خواجہ ضیاء معصوم مجددی مدفون چار باغ افغانستان کو مکمل دلائل الخیرات شریف سنا کہ اس کی اجازت حاصل کی اور ساتھ ہی قصیدہ بردہ شریف سنا کہ اسکی اجازت حاصل کی اور ساتھ ہی شیخ الدلائل حضرت شیخ محمد ہاشم شقرون نے بھی دلائل الخیرات شریف کی اجازت کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ حضرت باباجی غلام رسول جالندھری المعروف بہ باباجی بلیاں والے

☆ حضرت حافظ خیر محمد سندھی

☆ حضرت شیخ سید محمد علی جلسی جو زیارت وقت مسجد نبوی شریف میں گزارتے تھے

☆ حضرت شیخ فہمی آفندی شاذلی کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر فیوض و برکات کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے حضرت شیخ فہمی آفندی قدس سرہٗ نے مہر نبوت کے تعویذ کی اجازت بھی رحمت فرمائی۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی فخری رحمتہ اللہ علیہ۔ نے راقم الطور سید محمد عبداللہ قادری کو بھی قصیدہ بردہ شریف کی اجازت سے نوازا تھا۔ اس تحریر کی عبادت کچھ یوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ بردہ شریف جس کی اجازت مجھے میرے مشائخ کرام سے حاصل ہے میں برخوردار سید محمد عبداللہ قادری سلمہ اللہ تعالیٰ کو اسکی اجازت دیتا ہوں ہنگامی اور وقتی ضرورتوں بچوں اور بیماروں کو دم کرنے کے لئے

۱) محمد سید الکونین والثقلین = والفریقین عرب ومن عجم

۲) ہو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعتہ = لکل ہول من الاہوال مقتحم

اول وآخر درود شریف

شعر نمبر ایک کا تعویز بسم اللہ شریف لکھ کر گلے میں ڈالیں دوسرا پانی میں بھگو کر پلائیں

احقر محمد موسیٰ عفی عنہ

۲ نومبر ۱۹۸۳

حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادریؒ۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر نہایت درجہ مہربان تھے اور ھمیشہ آپ کو الطاف کریمانہ سے نوازتے۔ حکیم صاحبؒ کو 'حکیم اہل سنت' کا خطاب حضرت صاحبؒ نے ہی دیا تھا۔ خلافت بھی عطا فرمائی۔

حب حکیم مدینہ شریف میں قیام پزیر تھے ان ہی دنوں حضرت مولانا پیر غلام قادر اشرفی رحمتہ اللہ علیہ (مدفون لالہ موسیٰ ضلع گجرات) بھی وہاں موجود تھے۔

بلا ناغہ ہر رات حضرت شیخ العرب والعجم کی محفل میں حاضر ہوتے اور ان کے ملفوظات وارشادات سے مستفیض ہوتے۔ اسی دوران افریقہ کے ایک شخص نے قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین قادری سے بیعت کی درخواست کی تو

حضرت نے فرمایا کہ وہیں کسی سے بیعت لینا اس جواب سے وہ شخص بے حد افسردہ ہوا۔ اور اس نے مولانا اشرفی کو اپنا ماجرا کہہ سنایا۔

چنانچہ مولانا غلام قادری اشرفی صاحب نے اس شخص سے کہا کے کل رات پھر حاضری دینا تمہاری مراد پوری کرنے کے لئے کوئی تدبیر کریں گے۔ اختتام محفل پر مولانا اشرفی صاحب نے حضرت شیخ العرب والعجم سے عرض کیا! غریب نواز۔ افریقہ کا ایک شخص قادری سلسلے میں داخل ہونے کے لئے حضور سے التجا کر رہا ہے آپ فرماتے ہیں وہیں کسی سے رابطہ پیدا کریں تو مہربانی کر کے اس بزرگ کا نام پتا بتا دیں۔ جس سے وہ بیعت کرے یہ سن کر حضرت صاحب خاموش رہے تو پھر مولانا اشرفی صاحب نے عرض کیا! غریب نواز اگر آپ کسی مرد کامل کی نشان وہی نہیں فرماتے تو وہ کیا کرئے اور اگر وہ کسی بدعقیدہ کے چنگل میں پھنس گیا تو پھر کیا ہوگا یہ سن کر حضرت صاحب نے فرمایا لاؤ وہ شخص کہاں ھے۔ چنانچہ مولانا اشرفی صاحب کے اشارے پر وہ حضرت کے

سامنے حاضر ہو گیا اور اسے حضرت کی غلامی کی ابدی سعادت نصیب ہوگئی۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری سے بے حد عقیدت تھی ہر وقت حضرت صاحب کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے۔ آپ کو اپنے مرشد سے جتنی محبت و عقیدت تھی اسکا اندازہ صرف اور صرف صاحب طریقت ہی سمجھ ہی سکتے ہیں

۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری نے اذان جمعۃ المبارک کے وقت رحلت فرمائی اور اپنے مقصد کو پالیا اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

حضرت شاہ ضیاء الدین قادریؒ کی وفات کے بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری کئی ماہ تک افسردہ رہے۔ ہر روز ان کے لئے فاتحہ خوانی کرتے۔ حضرت صاحبؒ کی تاریخ وصال کے کچھ مادے حکیم صاحب نے نکالے۔ حکیم صاحب مادے لکھوائے جاتے تھے اور راقم السطور سید محمد عبداللہ قادری لکھتا تھا۔ مادے ملاحظہ فرمائیں۔

'غم صاحب کرم'	'رخصت قطب'	'طیب شیخ معظم'	'یگانہ آفاق شیخ اکبر'
۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ
پاک ادا عاشق رسول خدا	فرد عالم ظل الٰہی	آہ آہ غم قطب اکبر ہے	
۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	۱۴۰۱ھ	

حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادریؒ کے چہلم کی تقریب منانے کے لئے ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو مرید کے میں۔ پیر بہاؤ الدین سہروردی صاحب نے جامع ظفریہ میں ایک جلسہ منعقد کروایا۔ جسکی صدارت الحاج پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب نواسہ حضرت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، سیالکوٹ نے فرمائی۔ میری ڈائری کا ایک ورق ملاحظہ ہو

۲۹۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو میں اپنے دفتر سی ایم پی لاہور کینٹ گیا۔ سہ پر کو مطب حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری پر پہنچا رات کو حکیم صاحب محمد اختر محمد اصغر (دونوں مطب حکیم محمد موسیٰ پر کام کرتے ہیں) اور راقم الطور سید محمد عبداللہ قادری، چند دوسرے احباب کے ہمراہ مرید کے گئے۔ تعزیتی جلسہ بہ سلسلہ چہلم حضرت شاہ ضیاء الدین قادریؒ۔ شروع ہوا۔ جسکی صدارت حضرت پیر سید حیدر حسین شاہ علی پوری سیالکوٹ نے فرمائی۔

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی نے تقاریر کیں

☆ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب نے بڑی پر مغز تقریر کی۔ تقریر کے دوران حضرت شاہ ضیاء الدین احمدؒ کی ایک کرامت بیان کی۔

"میں 'محمد عبدالستار خان' انگلینڈ سے سیرت کانفرنس میں شرکت کے بعد واپس لوٹا تو مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے

اترا تو میرا صندوق جہاز میں ہی رہ گیا مجھے بہت پریشانی ہوئی میں نے حضرت صاحب سے کہا کہ حضرت میرا صندوق گم ہوگیا۔ میرے سارے کپڑے اور آپ کے لئے کچھ تحائف لایا تھا وہ بھی اسی میں ہیں۔ تو حضرت نے جواب دیا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں انشاء اللہ کل تک صندوق مل جائے گا۔ میرا ایمان ھے اور میں علماء (یعنی بزرگوں) کی کرامتوں کا قائل ہوں۔

☆ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب نے بھی حضرت صاحب کے بارے میں تقریر کی۔ حضرت شاہ ضیاء الدین احمد مدنی۔ مولانا نورانی صاحب کے دادا خسر ہیں۔ نورانی صاحب فرمانے لگے اس وجہ سے میرے ساتھ بہت پیار کرتے۔ جلسہ کے اختتام پر حضرت پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب نے تقریر کی اور دعا مانگی۔

'مجھے مولانا ضیاء الدین صاحب کے پاس جانے کا کئی بار اتفاق ہوا ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی کے ۷۵ سال مدینہ شریف میں گذارے ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ حج کر کے آتا ہے تو اسے بڑا خوش قسمت سمجھا جاتا ہے۔ جس شخص نے اپنی زندگی کے ۷۵ سال در نبی پاک ﷺ میں بسر کئے ہوں وہ بھی مواجہ شریف کے سامنے اسکا کیا حال ہوگا۔ میں (حیدر حسین) اور حضرت صاحب نے تقریباً ۱۳ حج اکھٹے کئے تھے کئی سوئمرے پیدل چل کر نے کا موقع ملا۔ ایک بار مجھے ۸ ماہ مدینہ شریف میں رہنے کا موقع سیر ہوا۔ مولانا ضیاء الدین احمد صاحب مجھے ہر بدھ نماز مغرب کے بعد جنت البقع میں حضرت عباس علمبردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرقد انور لے جاتے تھے۔ ایک دن دوران گفتگو مجھے حضرت صاحب فرمانے لگے۔

مجھے تابش قصوری بڑا عزیز ھے نیک برخوردار ہے تابش صاحب اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت۔ وہ بڑا خوش قسمت ھے جسے آپ یاد فرما رہے ہیں۔ میں حضرت شاہ ضیاء الدین احمد کے متعلق جتنا بھی بیان کروں وہ کم ہوگا میرے بس کا روگ نہیں۔ حضرت صاحب میں کئی صفات تھیں۔ انہوں نے ساری عمر بخدیوں کے پیچھے ایک دفعہ بھی نماز ادا نہیں کی۔ مجھے وہ وقت یاد آتا تھا کہ عشاء کے بعد کا وقت ہوتا تھا۔ تو محفل نعت خوانی و درود وسلام شروع ہوجاتی تھی (جو روزانہ کا معمول تھا) ایک دفعہ حضرت پیر حافظ سید جماعت شاہ صاحب" محدث علی پوری نے حضرت مولانا ضیاؤالدین ضاحب سے کہا کہ حضرت ایک بار آپ سیالکوٹ تو چلیں۔ مولانا فرمانے لگے۔ آپ مجھے اس بات کی ضمانت دیں اگر میں سیالکوٹ میں فوت ہوگیا تو مجھے آپ مدینہ شریف میں دفن کردیں گے میں مولونا کی کیا کیا بات سناؤں۔ جتنا بھی بیان کروں گا وہ تھوڑا ہوگیا۔

حضرت صاحب میں وہ خوبیاں موجود تھیں۔ جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ ضیاؤ الدین احمد قادری" کے فرزند ارجمند حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو تادیر سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حکیم محمد موسیٰ ۔۔۔۔۔ دا مدح مولوی

تحریر: راجا رشید محمود
(ایڈیٹر ماہنامہ ''نعت'' لاہور)

محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ اور انسان کو درد دل ہی کے لئے پیدا کیا گیا۔۔۔ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں۔۔۔

حکیم صاحب جہاں انسانیت کا درد محسوس کرتے تھے، دکھی انسانیت کی تکلیفیں دور کرنے کیلئے سستے علاج کا اہتمام کرتے تھے، اپنے طور پر غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور دیگر مستحقین کی اس طرح مدد کرتے تھے کہ بائیں ہاتھ کو یا سامنے والے شخص کو بھی پتا نہیں چلنے دیتے تھے،۔ وہاں مسلمانان عالم کی حالت زار پر کڑھتے بھی تھے۔ بین الاقوامی معاملات کے علاوہ اسلامی ممالک کی کمزوریوں، ناکردہ کاریوں اور اجتماعیت کے شعور کے فقدان کے حوالے سے تنقید بھی کرتے تھے۔ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون سا اسلامی ملک کسی غیر اسلامی بلکہ اسلام دشمن ملک کا غاشیہ بردار ہے اور کون سی اسلامی مملکت کس دوسری اسلامی مملکت کی کس اشارے پر مخالفت کرتی ہے۔ اخوت کے ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تصور کی بھد ہوتے دیکھ کر انہیں تکلیف ہوتی تھی اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

کسی بھی درد مند باشعور اور دانشور پاکستانی کی طرح انہیں قیام پاکستان کی غرض و غایت کا علم تھا، پاکستان کی سابقہ اور موجودہ سیاست سے واقفیت تھی، ملک کی سالمیت اور استحکام کے لئے پیدا ہونے والے خطرات عموماً وہ پہلے ہی بھانپ لیتے تھے اور درد مند پاکستانیوں کے سامنے اپنا درد دل بیان بھی کرتے تھے۔ پاکستان میں بسنے والے مختلف طبقوں میں موجود خامیوں اور خوبیوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ دوسرے ممالک کے علاوہ، پاکستان کے مقدس مقامات کی اہمیت ان پر عیاں تھی، پاکستان بھر میں موجود مزارات اور صاحب مزار ہستیوں کے بارے میں ان کی معلومات بھرپور تھیں۔ مختلف مسالک اور مذاہب کے لوگ ان سے علمی طور پر کسب فیض کرتے تھے۔ ملک کے جرائم پیشہ اور غلط کار لوگوں کے متعلق بھی ان کا علم حیران کر دیتا تھا۔

لاہور کو اور لاہور کی تاریخ کو وہ جانتے ہی تھے۔ گوالمنڈی (جہاں ان کا مطب تھا) کا اور چھور ان سے پوشیدہ نہیں تھا۔ ملک بھر کے کسی بھی شہر، قصبے، گلی کوچے میں کوئی پڑھا لکھا ہوتا، انہیں ان میں سے پیشتر کے بارے میں ضروری معلومات حاصل رہیں۔ دنیا میں عام طور پر اور پاکستان، بھارت میں خاص طور پر جہاں جہاں ذخیرہ کتب موجود تھے، حکیم صاحب کو ان میں موجود اہم کتابوں کے بارے میں بعض صورتوں میں اتنی معلومات

ہوتی تھیں کہ مالکوں یا منتظمین کو اتنا کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نزدیک انسان لائق تکریم تھا، وہ مسلمان کی عزت کرتے تھے، اور ان میں سے جو شخص علم اور تصنیف و تالیف سے جتنا متعلق ہوتا، حکیم صاحب اس کی توقیر میں اسی کے حساب سے اضافہ فرماتے، یا اضافہ فرماتے رہتے تھے۔ وہ چشتی نظامی تھے لیکن نقشبندیوں اور دیگر سلاسل کے متوسلین پر ان کی توجہ میں کبھی کمی نہیں آئی بلکہ اس سلسلے میں ان کی خدمات اس قدر وقیع ہیں کہ اتنی شاید ان سلاسل تصوف کے آجکل کے بڑوں کے کھاتے میں نہ نکلیں۔

حکیم محمد موسیٰ اہل سنت و جماعت تھے، جنہیں عرف عام میں ''بریلوی'' کہا جاتا ہے، انہوں نے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ پر جس طرح کام کیا، جن نامساعد حالات میں ''مرکزی مجلس رضا'' بنائی، جن ناگفتہ بہ حالات میں اسے چلایا، جس طرح لکھنے والوں سے تشویق و تحریک کے ذریعے عظمت رضا کے مختلف پہلوؤں اور متنوع گوشوں پر کام کروایا، اور جس طرح ''مرکزی مجلس رضا'' پر پہلے بے ایمانی اور کرپشن کے سائے پائے اور پھر اسے تباہ ہوتے دیکھا، وہ جاننے والوں سے تو پوشیدہ نہیں مگر اسے چھپانے والے زیادہ فعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

لیکن حکیم صاحب کی اتنی فعال بریلویت کے باوجود ان کی شخصیت کسی یک رخے پن کا شکار نہیں ہوئی اور ان سے استفادہ کرنے والے اہل علم اور ارباب تحقیق میں ہر مسلک اور مذہب کے لوگ شامل رہے ہیں۔ انہوں نے جہاں محمد دین کلیم قادری کو ''مورخ لاہور'' بنا دیا، وہاں محمد صادق قصوری کو قیام پاکستان کی ریسرچ کا کام سونپ دیا۔ ان کے پاس اگر بریلوی استفادہ علم کے لئے آتے رہتے تھے تو ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری جیسے دیوبندی محقق اور پروفیسر محمد اسلم جیسے ''خارجی'' بھی ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

میں ''تحریک ہجرت ۱۹۲۰'' پر کام کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں مجھے ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر کے اس زمانے کے پرچے دیکھنے تھے، حکیم صاحب نے مشہور اہل حدیث خاندان ''مالواڈہ'' کی باقیات سے بات کی اور مجھے ان کے پاس گلبرگ بھیج دیا۔ حکیم صاحب کا حوالہ ان کے لئے اتنا مضبوط تھا کہ انہوں نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

فی زمانہ صاحب اخلاص لوگوں کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ یہ ''مس فٹ'' ہیں۔ علم والے ہیں تو مولویوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ اچھے طبیب ہیں تو دوسرے طبیبوں کو ان کا ذکر شاق گزرتا ہے۔ مریضوں کو سستی دوائیں دیتے ہیں تو مہنگے طبیبوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یوں، کہ معاشرے کی قدریں بدل گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن و احادیث کی تعلیمات کے مطابق گفتگو کرتا ہے یا سچ لکھتا ہے تو گردن زدنی ٹھہرتا ہے۔ ہر

مولوی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بناتا ہے اور اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ جمعہ کی اور عیدین کی نماز بھی پڑھاتا ہے۔ اجتماعیت کا شعور بیدار کرنے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے کا حضور ﷺ کا حکم اس کے مفادات کو نقصان پہنچاتا ہے، اس لئے ناقابل قبول ہے۔ اہل سنت و جماعت کا تو ہر مولوی اب پیر بھی ہے اور نعت خواں بھی ۔کیونکہ دونوں راستے جلب منفعت کی چوٹیوں کی طرف نکلتے ہیں۔

حکیم صاحب نے ایک زمانے تک مولویوں کو قریب سے دیکھا، اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کی بڑی تعداد دین فروشی کے راستے کی راہی ہے۔ پیروں میں جن کو حکیم صاحب نے اسلاف کی راہوں پر چلتے دیکھا، ان کی تکریم میں کبھی کمی نہ کی، ان کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا اور اچھے اسلوب میں ان کا تذکرہ لکھا۔ لیکن عقابوں کے نشیمن پر قابض ہونے والے زاغوں کے خلاف اپنی زبان کو کبھی نہ روکا۔

اسی طرح علماء حق ہمیشہ ان کی مدحتوں کا ہدف رہے لیکن علماء سو جنہیں علماء کرام کی بجائے ''علماء کرائم '' کہنا بجا ہے، ان کے خلاف حکیم محمد موسیٰ کی زبان بگٹٹ رہی۔ آگہی کی کیفیت ان کی زندگی کے آخری کئی برسوں پر محیط ہے۔ جن دنوں کئی مولویوں نے حکیم صاحب پر اپنی للّٰہیت اور دین کے ساتھ محبت کا سکہ بٹھا رکھا تھا، حکیم صاحب مولویوں کو حق کی ضربوں سے بچانے کی سعی بھی کرتے رہے لیکن جب حقیقتوں نے کشف حجاب کیا، صورتوں کے پیچھے چھپی ہوئی اصلیتیں بے نقاب ہوئیں، بڑے بڑے جگادری مولویوں کے کرتوت سامنے آئے تو حکیم صاحب ان کی حمایت سے تائب ہو گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ دو قومی نظریے کے پرچارک تھے۔ ایک صحافی نے ان سے سوال کیا کہ پہلے تو وہ نظریہ قومیت کے داعی تھے، اب یہ تبدیلی کیا ہے۔ تو قائد علیہ الرحمہ نے جواب میں فرمایا کہ میں کبھی پرائمری میں بھی پڑھتا رہا ہوں۔

جب محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مولویت کے موجودہ کردار پر پی ایچ ڈی کی تو پرائمری کے نظریات ماند پڑ گئے۔ آئینوں نے ہو بہو عکس ظاہر کر دیے اور وہ شخص جس کا کردار آئینہ تھا، جس کے کردار میں دراڑ تو کیا، کبھی بال بھی نہ آیا تھا، اس نے حق گوئی اور بطلان باطل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

میں ایک بار پھر واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ غلط کار مولویوں کا ذکر ہے۔ وہ جن کی گفتار و کردار میں یگانگت نہیں، جو حق کو چھپانے کی اہلیتیں اور حوصلہ رکھتے ہیں، جو جھوٹ سے منع کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ جو منافقت کے خلاف تقریریں کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں اور اپنے اعمال میں اس کی دراندازی نہیں روکتے۔ جو لوگوں کو تو امانت و دیانت کا سبق دیتے ہیں، خود اس کے خلاف چلتے ہیں۔ جو لوگوں کو نیکی کی تبلیغ کرتے ہیں اور خود چندہ ڈکار جاتے ہیں۔ ''قال قال رسول اللہ ﷺ'' کی صدا جن کی تجوریوں کی شکم پری کا باعث بنتی

ہے۔ جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اپنے مفادات یا ان لوگوں کے مفادات کے باعث سبوتاژ کرتے ہیں جن سے اجرت لے کر تبلیغ کی مزدوری کرتے ہیں۔ علماء حق کی توہین تو نہ زمانہ کرسکا ہے، نہ تاریخ کرسکی ہے۔ نہ حکیم صاحب مرحوم کرتے تھے۔ نہ میں یا کوئی اور کرسکتا ہے۔ اور اگر کوئی کرتا ہے تو چاند کے منہ پر تھوکنے کی احمقانہ خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

حکیم صاحب کو جونہی یہ احساس ہوا کہ وہ "علماء" کے نام سے دھوکا کھاتے رہے ہیں اور اس دھوکا دہی کے زیر اثر، سچ بولنے والوں کو بولنے سے منع کرنے کی غلطی کرتے رہے ہیں، تو انہوں نے احقر کو ایک خط لکھا۔ خط یہ تھا:

"جناب محمد حسین تسبیحی (ایران) نے علامہ محمد حسین عرشی امرتسری مرحوم کا فارسی مجموعہ کلام "نقش ہائے رنگ رنگ" طبع کرنے کی تیاری کی اور اس کا مسودہ میری نظر سے گزرا تو میں نے تسبیحی صاحب سے کہا کہ نظم "در مدح مولوی" خارج کردیں۔ انہوں نے بادل ناخواستہ میرا مشورہ قبول کرلیا۔ عرشی صاحب کے مجموعہ کلام کو طبع ہوئے دس بارہ برس گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں مجھ پر حقیقت مولویان عصر واضح ہوجانے کے بنا پر میرا ضمیر ملامت کرتا ہے کہ میں نے یہ نظم طباعت سے رکوا کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ تلافی مافات کے لئے اس نظم کو طبع کروا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"اسی طرح مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم مرحوم ومغفور نے مبنی بر حقائق ایک طویل مقالہ لکھا جس کا نام تھا "علماء سوء کی بدکرداریاں"۔ میں نے پورا زور لگا کر اس کی اشاعت رکوائی۔ علامہ اقبال احمد فاروقی سے کہا کہ میاں کلیم کو اس جرات رندانہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ ان کے دیگر دوستوں سے بھی ان کا گھیراؤ کروایا۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر اس مقالے کو پھاڑ دیا۔ مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم مرحوم میری اس "کامیاب مہم" پر ہمیشہ شکوہ کناں رہے۔ حتی کہ مرض وفات میں بھی ایک مرتبہ انہوں نے میری اس غلطی کا ذکر کیا۔ عرشی صاحب کی نظم تو میرے پاس موجود ہے، اس لئے نذر قارئین ہے مگر میاں صاحب کا مقالہ میں نے خود ان سے ضائع کروا دیا تھا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ یہ غلطیاں صرف اس لئے ہوئیں کہ اس وقت مجھے علماء سوء کی پہچان نہ تھی"۔

راقم المسطور نے حکیم صاحب کی یہ تحریر ہفت روزہ "ملتان روڈ نیوز" لاہور کی ۲۷۔ اپریل ۱۹۹۰ کی اشاعت میں "میری دو غلطیاں" کے عنوان سے چھاپ دی۔ اس کے ساتھ ہی نظم "در مدح مولوی" از عرشی امرتسری بھی چھپی (ص ۲)۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ "مورخ لاہور محمد دین کلیم مرحوم کی تمام کاوشیں لاہور کے حوالے سے سامنے آئیں۔ زیر گفتگو کتاب بھی انہوں نے اسی حوالے سے قلم بند کی تھی اور "ملتان روڈ نیوز" کے مدیر

اعزازی (راجا رشید محمود) کو خود کئی بار اس کا نام ''علماء لاہور کی بدمعاشیاں'' بتایا تھا۔
نظم ''در مدح مولوی'' یہ ہے:

دیں را بہ کفر ضم کہ کند؟ مولوی کند
در جام شہد سم کہ کند؟ مولوی کند
سر بر در صنم کہ نہد؟ مولوی نہد
روتابی از حرم کہ کند؟ مولوی کند
در سینہ اے کہ ہست دل آہنیں نہاں
بر طفل و زن ستم کہ کند؟ مولوی کند
رزق کدام منحصر آمد بر افتراق
ما را جدا ز دم کہ کند؟ مولوی کند
آں کیست کز نفاق سرشتند طینتش؟
شرم از خدائے کم کہ کند؟ مولوی کند
توحید را گذاشتہ و دادہ داد شرک
سر پیش غیر خم کہ کند؟ مولوی کند
نعمانؒ و شیخ شبلیؒ و خواجہ جنیدؒ را
با کفر متہم کہ کند؟ مولوی کند
ب پردہ سنج زمزمہ مدحت عرب
دل مایل عجم کہ کند؟ مولوی کند
اندر دلے کہ خندہ ابلیس مضمر است
در بزم چشم نم کہ کند؟ مولوی کند
شب تا سحر وظیفہ تسخیر و اعتکاف
بر چہرہ درم کہ کند؟ مولوی کند
بر امت محمد ﷺ و قرآن و علم و عقل
از مرگ خود کرم کہ کند؟ مولوی کند

نظم کے آخر میں یہ وضاحت بھی درج تھی: ''مولوی نام کے بعض بزرگ واقعی اسم با مسمیٰ ہیں۔ لیکن اکثریت ان

پیشہ وروں کی ہے جن کی "مدح" اس نظم میں کی گئی ہے اور انھی کو بزرگوں نے علماء سو کہا ہے۔"

افادہ عام کے لئے نظم کا مفہوم بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(دین کو کفر کے ساتھ کس نے خلط ملط کیا؟ شہد کے پیالے میں زہر کس نے گھولا؟ تکبر کے دروازے پر سر رکھ کر حرم سے سرتابی کون کرتا ہے؟ کس کے سینے میں پتھر کا دل ہے؟ عورتوں اور بچوں پر ظلم کون کرتا ہے؟ کس کے رزق کا انحصار افتراق اور فرقہ بندی پر ہے۔ ہمیں ٹکڑوں میں کس نے بانٹ دیا؟ کس کی سرشت پر نفاق کی عملداری ہے؟ وہ کون ہے جسے شرم خدا نہیں؟ جو توحید کو چھوڑ کر شرک کی داد دیتا اور غیر اللہ کے آگے سر جھکاتا ہے؟ حضرت امام اعظم، شیخ شبلی، جنید بغدادی رحمہم اللہ تعالیٰ پر کفر کے فتوے کس نے لگائے؟ وہ کون ہے جسکی زبان تو عرب کی مدح کرتی ہے مگر اس کا دل عجم پر مائل ہے؟ وہ کون ہے جو مجلسوں میں تو روتا نظر آتا ہے مگر اس کے دل میں شیطان خندہ زن ہوتا ہے۔ وہ جو ساری ساری رات مال کمانے کی خاطر تسخیر کے وظیفے اور اعتکاف کرتا ہے، کون ہے؟ وہ کون ہے جسکی موت حضور ﷺ کی امت پر، اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر اور علم و عقل پر کرم واحسان کے مترادف ہو۔۔۔ یہ مولوی ہی تو ہے۔)

محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کو ملنے والے جانتے ہیں کہ جھوٹ اور منافقت سے انہیں دشمنی تھی۔ وہ صاف گو آدمی تھے۔ مولویوں کی سرپرستی کرتے رہے تو کرتے رہے۔ جب دھند چھٹی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ملمع اور تصنع میں حقیقت واصلیت کی تلاش بے کار مشق ہے۔ حقائق ان پر وا ہوئے تو انہوں نے ایک سچے مسلمان کی طرح اپنی غلطی کو تسلیم بھی کر لیا اور پھر زندگی کے آخری دم تک اس کی تلافی بھی کرتے رہے۔

مولوی کی "کارکردگیوں" کے حوالے سے کوئی تحریر ان تک پہنچتی تھی، تو وہ اسے ارباب علم وتحقیق تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں نے انہیں ان کی "غلطیوں" کے زمانہ میں کہا تھا: حکیم صاحب! وہ وقت دور نہیں جب "انجمن انسداد مولویت" بنے گی۔ صدر آپ ہونگے، سیکریٹری میں ہوں گا۔

انہوں نے کبھی اس انجمن کے قیام کا اعلان تو نہ کیا۔ عہدیداروں کی نامزدگی کا کیا سوال۔۔۔ لیکن عملاً وہ مجھے اس باب میں زندگی کے آخری ایام تک اپنا سیکرٹری سمجھتے رہے۔ کئی بار مجھے اس موضوع پر نظمیں بھی بھجوائیں۔ ابو معاویہ نصیر بن عبدالعزیز کی ایک نظم بھی انھوں نے مجھے بھجوائی تھی۔ (انہوں نے چند اور دوستوں کو بھی اس کی فوٹو سٹیٹ ارسال کی تھی) اس کے چند اشعار دیکھیے:

مولوی جب مالوی ہوجائے ہے
اور بھی سرتالوی ہوجائے ہے

دامن زر کی مقدس چھاؤں میں
خوب استدلالوی ہوجائے ہے
چھینا جھپٹی کی ریاضت کے لئے
خود گرو گھنٹالوی ہو جائے ہے
کر کے بربادی زر اخلاق کی
کالوی کنگالوی ہوجائے ہے
جب زباں دانی پہ اترانے لگے
گالوی نقالوی ہوجائے ہے
بارہا جوش خطابت میں نصیر
بھونپوی بھونچالوی ہوجائے ہے

۱۹۹۲ء میں امام احمد رضا کانفرنس میں شمولیت اور تقریر کے لیے محمد نعیم طاہر رضوی (مدیر اعلیٰ ماہنامہ "کنز الایمان") نے کوثر نیازی کو دعوت دی تو مرحوم نے خدشہ ظاہر کیا کہ آپ لوگ کسی جاہل مولوی کو صدارت دیں گے اور میرے لئے کسی جہالت مآب کی صدارت میں تقریر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ محمد نعیم طاہر نے وعدہ کیا کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ صدارت کسی صاحب علم ودانش ہستی کی ہوگی۔ اس وعدے کو نبھانے کے لیے انھیں اور راقم السطور کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے، ان کے ذکر کی تو ضرورت نہیں مگر محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کی صدارت میں کوثر نیازی نے جو تقریر کی اور جن الفاظ میں حکیم صاحب کو خراج تحسین وعقیدت پیش کیا، مدیر "کنز الایمان" کو چاہیے کہ اسے زیر نظر اشاعت خصوصی میں قارئین کی نذر کردیں۔

راقم الحروف نے اس کانفرنس میں جو گفتگو کی۔ اسے ٹرانسکرائب کر کے "کنز الایمان" کے اکتوبر ۱۹۹۲ کے شمارے میں چھاپ دیا گیا تھا۔ میں اسے وہیں سے نقل کرتا ہوں۔

"حضرات محترم! آپ میں سے بیشتر حضرات یہ جانتے ہیں کہ میں نے امام اہل سنت عظیم البرکت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر دسیوں مضامین لکھے ہیں اور درجن بھر مناقب لکھی ہوں گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کے اظہار میں مجھے کوئی باک نہیں ہے کہ اگر آج کی محفل کے صدر حکیم محمد موسیٰ امرتسری میری اسی طرح معاونت نہ کرتے جس طرح انھوں نے پاکستان اور باہر کے دوسرے پڑھے لکھے حضرات کی معاونت اور راہنمائی کی ہے تو میں بھی مولانا شاہ احمد رضا سے اتنا ہی واقف ہوتا، جتنا ان کے تعارف سے پہلے ہمارے علما بھی اس انداز میں اظہار کیا کرتے تھے گویا اعظم چشتی سے پہلے مولانا احمد رضا بھی ایک نعت

خواں تھے اور بس"۔

"محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے میری اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ آج اعلیٰ حضرت پر ایک اتھارٹی کی حیثیت سے لکھنے والے، مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی کے صاحبزادے ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد صاحب کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ جب پہلے پہل حکیم محمد موسیٰ صاحب نے انھیں اس طرف مائل کرنا چاہا تو انھوں نے اظہار معذرت کرلیا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب نے پاکستان میں، ہندوستان میں اور دوسرے تمام ممالک میں، اعلیٰ حضرت کو ایک ایک گوشے میں متعارف کروایا۔"

"۱۹۷۶ میں انجمن خدام احمد رضا کے زیر اہتمام جب پہلا "یوم اعلیٰ حضرت" منایا گیا تو اس کے لیے میں نے مولانا محفوظ الحق صاحب (بورے والا) سے گزارش کی کہ آپ اعلیٰ حضرت پر ایک تقریر فرمائیں۔ انھوں نے خط میں لکھا کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں تعارف نہیں ہے کچھ مواد مہیا کریں۔ حکیم صاحب نے مجھے وہ مواد دیا، میں نے ان تک پہنچایا اور انھوں نے بہت اچھی تقریر کی"۔

"یوم رضا کی ایک تحریک کی شکل دینے والے حکیم صاحب ہیں اور اعلیٰ حضرت پر مختلف زبانوں میں لٹریچر فراہم کرنا ان کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن اب جب ہم یوم رضا، یا یوم اعلیٰ حضرت یا حضرت امام احمد رضا کانفرنس منعقد کرتے ہیں تو سب سے بڑی اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہم صرف عقیدت کا اظہار ہی نہ کریں بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی پیروی کرنے کی کوشش کریں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ جب کوئی شعر کہنے والا، کوئی نعت گو شاعر، جو اعلیٰ حضرت کا نام لیوا بھی ہوتا ہے گھٹیا درجے کی شاعری کرتا ہے تو مجھے سخت دکھ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نعت خواں اعلیٰ حضرت کا نام لیوا بھی دکھائی دیتا ہے اور معیاری نعت نہیں پڑھتا تو میرا دل دکھتا ہے۔ اور ہمارے علماء جب بارہ تقریریں، حقانی تقریریں، ایمانی تقریریں اور پتا نہیں کیا کیا تقریریں رٹ کر تقریریں کرتے ہیں، اور تحقیق و تفحص سے کام نہیں لیتے تو میرا دل دکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ہمیں یہ تو سکھایا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے تو علم کی گہرائی میں جا کر غواصی کی ہے اور لولوئے لالا بر آمد کیے ہیں۔"

"یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت پر کام کرنے کا منصب حکیم محمد موسیٰ کا تھا اور انھوں نے اس منصب کو بڑی ذمہ داری سے نبھایا۔ لیکن ہم جو اعلیٰ حضرت کے نام لیوا ہیں، ہم اس کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔"

"جب نعیم طاہر رضوی نے مجھے کہا کہ حکیم صاحب اس کانفرنس کی صدارت کے لیے راضی نہیں ہوتے تو میں نے ان سے گزارش کی کہ آپ کل وہاں تشریف لائیں میں بھی حاضر ہوتا ہوں۔ حکیم صاحب سے گزارش کریں گے۔ میں پورے دعوے سے آیا، پورے زور سے گزارشیں کیں، اور بڑی مشکل سے انھیں راضی کیا کہ یہ یہاں صدارت فرمائیں۔ مجھے پتا ہے کہ یہ جو میں نے تھوڑی سی ان کی تعریف کی ہے اس سے بھی مجھ

کیا عتاب نازل ہوگا لیکن میں انھیں یاد دلاتا ہوں کہ حکیم صاحب! آپ ہر آدمی کے بارے میں سچی بات کہنے سے کبھی نہیں گھبراتے اور سچی بات کہہ دیا کرتے ہیں تو ہمیں اپنے بارے میں بھی ایک آدھ سچی بات کر لینے دیجیے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ڈر سے کہ یہ مجھ سے ناراض نہ ہوں، میں آج تقریر کے بجائے چند شعر پیش کرتا ہوں۔"

حکیم صاحب ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ایک نابغہ اور عبقری شخصیت کو دنیا بھر کے علمی حلقوں میں متعارف کروانا چاہیئے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر کام کیا اور واقعی حق ادا کر دیا لیکن جب مرکزی مجلس رضا کا پیسہ کھا لیا گیا۔ حکیم صاحب نے اس مجلس کے لیے اپنی زندگی کا بہترین حصہ، تمام انرجی، بیشتر کمائی، اپنا سارا وقت صرف کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ سلوک انہیں برداشت نہ ہوا۔ اجلاس بلایا تو عہدیداروں نے اجلاس کو اہمیت نہ دی۔ بددل ہو کر حکیم صاحب نے استعفیٰ دے دیا۔ کھانے والوں کی بن آئی۔ مولوی اس حلوے پر پل پڑے۔ اس کے بعد سے آج تک مرکزی مجلس رضا کا کیا ہوا، فکر رضا کے پرچارک کون بنے، ہواز ہو؟ (کون کیا ہے) اس کے بارے میں ظہور الدین خان کی طرح کوئی اور بھی قلم اٹھائے تو حقیقتیں بے نقاب ہوں اور اصلیتیں کھلیں۔

قطعہ تاریخ رحلت

امام خلق محقق عصر

1420ھ

زبدہ خلائق الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری

1999ء

نتیجہ فکر سید عارف محمود مجبور رضوی گجرات

مصائب سے مملو ہوئی زندگانی
بشر ہے سراپا گرفتار کلفت
سکون دل و جاں کہاں سے ملے گا
فروزاں بہر سو ہوئی شمع فرقت
اٹھا دہر سے ہے طبیب زمانہ
تدبر، تفکر کی ابتر ہے حالت
ہوا مضمحل ہر کوئی اہل ایماں
رہی نہ محافل میں پہلی سی ندرت
محبت کی خوشبو کہاں سے ملے گی
کہاں سے مٹے گی دلوں کی یہ وحشت
ملے گا کہاں سے خمیرہ وفا کا
کہ شفقت سراپا تو ہے زیر تربت
بچھائے گا راہوں میں اب کون آنکھیں
ملے گا کہاں سے ہمیں دست شفقت

نگہدار اہل قلم کون ہو گا
رہے گی کسے اب ہماری ضرورت
علمدار اہل سنن چل بسا ہے
بجا ہے جو روئیں سدا اہل سنت
حکیم مدقق، محقق کا یارو
"غم بحر معنیٰ" کہو سال رحلت 1420ھ
تو بارِ گر آہ مہجور رضوی
"غم ہادی عصر" کہہ سال رحلت 1420ھ

عارف مہجور رضوی گجرات

لکتبہ

سید محمد عبداللہ قادری

۲۷ جنوری ۲۰۰۰ء

نتیجہ فکر سردار عبدالقیوم خاں طارق سلطان پوری

مادہ ہائے تاریخ وصال حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

"سن عیسوی"

خود دار وضع دار بے بدل آدمی — ۱۹۹۹ء

"امین شان واجلال جہان رضویت — ۱۹۹۹ء"

"سایہ دار درخت علم ودانش وادب" — ۱۹۹۹ء

بازیب باب تعلیمات رضویہ" — ۱۹۹۹ء

"فغاں نہ تڑپ علاج نہ مداوا" — ۱۹۹۹ء

"آہ یگانہ چراغ چشت" — ۱۹۹۹ء

"شارع جاہ اعلیٰ حضرت" — ۱۹۹۹ء

"علم وادب کی معروف وجواد شخصیت" — ۱۹۹۹ء

"عکاس شان وجمال رضویت" — ۱۹۹۹ء

"بے مثل ادبی شخصیت" — ۱۹۹۹ء

"باب ادب گلستان رضویت" — ۱۹۹۹ء

"موقر نقیب دنیائے رضویت" — ۱۹۹۹ء

"شاد باغ خلد مجید" — ۱۹۹۹ء

"نمود نیر اوج مقالات یوم رضا" — ۱۹۹۹ء

خصائل وفضائل کا پیکر محمود" — ۱۹۹۹ء

سید محمد عبداللہ قادری

۲۷ جنوری ۲۰۰۰

مادہ ہائے تاریخ وصال حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ

طارق سلطان پوری

"سن ہجری"

"ماہ روشن تحریر" ۱۴۲۰ھ

"آفاق تحقیق و تدقیق" ۱۴۲۰ھ

"روحانی خدمات کی جلوہ گاہ" ۱۴۲۰ھ

"آہ پیکر خلوص و محبت" ۱۴۲۰ھ

"وقار و اعتبار مجلس فکر" ۱۴۲۰ھ

"عمدہ و محمود خصوصیات" ۱۴۲۰ھ

"زہے جہان ایثار و قناعت" ۱۴۲۰ھ

"بزم عشق کا فخر" ۱۴۲۰ھ

"عزم راسخ کا نشان زیبا" ۱۴۲۰ھ

"زیب بصیرت و بصارت" ۱۴۲۰ھ

"سرچشمۂ علم و دانش صدق وانس" ۱۴۲۰ھ

"عظیم سانحۂ علم و اصلاح" ۱۴۲۰ھ

عمر شریف بحساب سن ہجری۔ ۷۴ سال۔ بہ الفاظ

نوائے ادب	آواز بزم ہدا	سچائی	حب دین	طلب بہبودی احباب
۷۴	۷۴	۷۴	۷۴	۷۴

بحساب سن عیسوی:۔

مہک ادب	آگہی	اجالا	لوائے جدوجہد	محب حبیب	جگ کی زیب
۷۲ سال	۷۲	۷۲	۷۲	۷۲	۷۲

۱۹۹۹ء

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی مرکزی مجلس رضا لاہور

تاریخ وصال ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ ۔ ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء ۔

مادہ ہائے سال وصال

"خورشید فکر"	۱۴۲۰ھ
"فیض حق کا نشاں"	۱۴۲۰ھ
"شمیم ریاض "حجاز"	۱۴۲۰ھ
وہ عظیم عالم محقق،	۱۴۲۰ھ
"آفتاب تقویٰ و عرفان وادب"	۱۴۲۰ھ
"جلیل القدر حکیم بے بدل مفکر اہل سنت"	۱۴۲۰ھ
"چراغ راہ ہدا"	۱۴۲۰ھ
وہ خسرو دنیائے حکمت"	۱۴۲۰ھ
"بطل جہان فضیلت"	۱۴۲۰ھ
"وجیہ و عظیم ورفیع"	۱۴۲۰ھ
"افتخار اہل ایماں"	۱۴۲۰ھ
"نیر یمن جہان رضا"	۱۴۲۰ھ
"زیب شمس رضا"	۱۴۲۰ھ
"سبیل فیوض حنا"	۱۴۲۰ھ
"شان ایوان رضا"	۱۴۲۰ھ
"آہ راز دار رضا"	۱۴۲۰ھ
"زیب مرکز مجلس رضا"	۱۴۲۰ھ
"راہی مسلک احمد رضا"	۱۴۲۰ھ
"زیب مجلس وزین محفل اہل رضا"	۱۴۲۰ھ
"مجلس نظم و پیکر تحریک"	۱۹۹۹ء

''مرکزی فکری شخصیت بود'' ۱۹۹۹ء

''مجمع علم وفکر شخصیت'' ۱۹۹۹ء

''مرکز فیض وخیر طیبہ'' ۱۹۹۹ء

''امجد، مشہور شخصیت'' ۱۹۹۹ء

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حق مآب حکیم محمد موسیٰ ان الابرار لفی نعیم''

۹ ۹ ۹ ۱ ء

کل ۲۵ (۸+۱۷)

قطعات تاریخ (سال وصال) (۱)

فیصلہ جس کا ہے درست اکثر
خلق کی ہے زبان یا تاریخ
کرتی ہے دائم اچھے لفظوں میں
ذکر اہل کمال کا تاریخ
اہل دل کی ہے منفرد روداد
عشق والوں کی ہے جدا تاریخ
کارنامے کئے جنہوں نے عظیم
ان کی ہے منقبت سرا تاریخ
ان کا ہے مرتبہ شناس جہاں
ان کی ہے قدر آشنا تاریخ

☆

اس اولوالعزم کی مساعی کی
ہے بڑی حوصلہ فزا تاریخ
مسلک اہل حق کی خدمت کی
وہ مکرم بنا گیا تاریخ

حق پرستی کی کر گیا ہے رقم
خوب وہ بندہ خدا تاریخ
صدق و ایثار و استقامت کی
"خود بھی طارق وہ شخص تھا تاریخ
داستاں اس کی ہے لذیز و دراز
جس کو دہرائے گی سدا تاریخ
کہی اس کے وصال کی میں نے
"گلبن خیر و اتقا" تاریخ

۱۴۲۰ھ

(۲)

پسند اس کو تھی قادری طرز فقیر
وہ دلدادہ رنگ عرفان چشت
بزرگ زمانہ کا سال وصال
کہا" نور منہاج فیضان چشت"

۱۹۹۹ء

(۳)

ہوگیا چشم زمانہ سے نہاں واحسرتا
ایک رعنا پیکر عرفان و علم و آگہی
بندۂ حق حضرت موسیٰ کی تاریخ وصال
میں نے "حسن مرکز تبلیغ دین حق" کہی

۱۹۹۹ء

(۴)

بزم اہل حق ہے افسردہ کہ اس سے اٹھ گئی
اک یگانہ منفرد اوصاف والی شخصیت

یوں کہی میں نے "ادب" سے اس کی تاریخ وصال
واقعی فخر زمن تھی " وہ مثالی شخصیت"

۱۹۹۹+۱۹۹۲+۷

(۵)

کل ہمارے درمیاں موجود تھے
خلد میں ہیں آج حکیم امرتسری
یوں کہا طارق نے ان کا سال وصل
"فیض کا منہاج حکیم امرتسری"

۱۹۹۹ء

(۶)

تھا وجود اس پیکر احساس کا
نور افشاں شمع راہ غور و فکر
ان کو یوں موزوں ہوئی تاریخ وصل
"آب وتاب بزم گاہ غور و فکر"

۱۹۹۹ء

(۷)

علم و تحقیق و فقاہت میں نبی کے عشق میں
ہے یگانہ مرتبہ یکتا ہے معیار رضا

☆

بزم عالم میں مثال موجہء بادصبا
جابجا پہنچائی اس نے طیب گلزار رضا
مجلس احمد رضا کا سرپرست و منتظم
اس نے پھیلایا جہاں میں نور افکار رضا

حکمت و تدبیر و استدلال سے واضح کیا
وقت کے دانش وروں پر اس نے کردار رضا
تند طوفانوں کو دی اس نے عزیمت سے شکست
آندھیوں میں بھی رہا وہ شمع بردار رضا
آشکار اس نے کئے اہل نظر کے سامنے
کارہائے مخفی و مستور آثار رضا
بے نوا سنج اب فضائے گلشن فردوس میں
عندلیب نغمہ پرواز چمن زار رضا
مہرباں ہو کہ کہا مجھ سے سروش غیب نے
اسکا سال وصل ہے "آہنگ اذکار رضا"

۱۹۹۹ء طارق سلطان پوری

مادہ ہائے وقطعہ تاریخ (سالِ وصال) ۱۹۹۹ء۔ ۱۴۲۰ھ

مخدومِ اہلِ سنّت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (ثُم لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ

'مجاہد غلام رسول'	۱۴۲۰ھ	'زیب شمس رضا'	۱۴۲۰ھ
'بطل جہان فضیلت'	۱۴۲۰ھ	زیب مجلس وزین محفل اہل رضا'	۱۴۲۰ھ
'راہی مسلک احمد رضا'	۱۴۲۰ھ	'یگانہ مجلس اہل رضا'	۱۴۲۰ھ
سبیل فیوض رضا	'۱۹۹۹ء	'نیر یمن جہان رضا'	۱۴۲۰ھ
'مرکزی فکری شخصیت بود'	۱۹۹۹ء	'وہ عظیم' عالم محقق'	۱۴۲۰ھ
'بے بدل مشہور شخصیت	'۱۹۹۹ء	'آفتاب تقوی وعرفان وادب'	۱۴۲۰ھ
'مجلس نظام وپیکر تحریک	'۱۹۹۹ء	'فیض حق کا نشان	۱۴۲۰ھ
'مجمع علم وفکر شخصیت	'۱۹۹۹ء	وہ عظیم' عالم محقق'	۱۴۲۰ھ
		خورشید فکر	۱۴۲۰ھ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری انقلاب تحقیق '۱۹۹۹ھ (۱۷)

1999ء

قطعہ تاریخ

راہ حق کے مسافروں کے لئے
ایک خاموش رہنما تاریخ
کرتی ہے دائم اچھے لفظوں میں
ذکر اہل کمال کا تاریخ
کارنامے کئے جنہوں نے عظیم
ان کی ہے منقبت سرا تاریخ
مسلک اہل حق کی خدمت کی
وہ مکرم بنا گیا تاریخ

حق پرستی کی کر گیا ہے رقم
خوب وہ بندہ خدا تاریخ
اس اولوالعزم کی مساعی کی
ہے بڑی حوصلہ فزا تاریخ
اس کا ہے مرتبہ شناس 'جہاں
اس کی ہے قدر آشنا تاریخ
صدق و ایثار و استقامت کی
خود بھی طارق وہ شخص تھا تاریخ
کہی اس کے وصال کی طارق
گلبن خیرو اتقاء تاریخ

۱۴۲۰ھ طارق سلطانپوری

قطعہ تاریخ ترحیل

''ذی اعزاز حکیم اہلِ سنت' 1420ھ

امام زماں الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری' 1420ھ

علم کی تنویر محمد موسیٰ
حلم کی تصویر محمد موسیٰ

لوح تاریخ پہ جو ثبت ہوئی
وہ ہے تحریر محمد موسیٰ

مردہ دل کے لئے لاریب بنا
نسخہ اکسیر محمد موسیٰ

اہل سنت کا مقدر جاگا
مل گیا پیر محمد موسیٰ

زبدہ عصر موسیِ دوراں
مرد مومن فقیر محمد موسیٰ

سربسر صدق و صفا، مہرو وفا
فرد روشن ضمیر محمد موسیٰ

قلب باطل پہ جو پیوست ہوا!
تھا وہ اک تیر محمد موسیٰ

آپ اپنا جواب تھا وہ شخص
آپ اپنی نظیر محمد موسیٰ

خادم دین و محسن ملت
واہ مہر منیر محمد موسیٰ

بے سہارا ہیں آج اہل دل
چل بسا دستگیر محمد موسیٰ

سال ترحیل پر کہو مہجور
صاحب تاثیر محمد موسیٰ"
تاریخ میں نہیں ہرگز نظیر اُس کی
اک نعمت خدا تھا کہ موسیٰ کہیں جسے
اپنی مثال آپ تھا مہجور وہ جہاں میں
" ایسا کہاں سے لائیں کہ اُس سا کہیں جسے

1420ھ

عارف محمود مہجور رضوی گجرات

علم و عمل کا پیکر جمیل

پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف ہزاروری صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ شالیمار کالج لاہور

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

حکیم اہل سنت عالم باعمل نابغہ روزگار حضرت حکیم محمد موسی امرتسریؒ اس دار فانی سے رخصت فرمائے گئے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کی ذات بابرکت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کے وصول سے اہل سنت ای عظیم محقق مفکر اور محسن سے محروم ہوگئے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی دین متین کی ترویج واشاعت، فروغ علم، دینیہ اور مسلک اہل سنت کی خدمت سے عبارت ہے۔ آپ نہایت خلیق، ملنسار اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ بعد عاجزی وانکساری اور سادگی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھا۔ آپ کا لباس آپکی سادگی کی منہ بولتی تصویر تھا

آتی رہیں گی یاد ہمیشہ ہو صحبتیں
ڈھونڈا کریں گے ہم تمہیں فصل بہار میں

حضرت موسی امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کا اہل سنت پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ نے مجدد دین وملت امام اہل سنت انشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کی تعلیمات تصانیف اور پیغام کو عام کرنے کے لیے جوگراں قدر

خدمات سرانجام دیں ہیں اسکی نظیر نہیں ملتی جامع مسجد نوری ریلوے اسٹیشن لاہور کو مرکز بنا کر اس عظیم کام کو شروع کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے اعلفرت بریلوی رحمتہ اللہ کا پیغام ملک کے کونے کونے میں نہیں بلکہ عالم اسلام تک پہنچنا شروع ہو گیا انہیں ایام میں راقم لطرف ابتدا میں خط و کتابت کے ذریعہ آپ سے رابطہ ہوا پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اسلامیات میں داخلہ لیا تو اکثر آپ کے پاس حاضر ہوا کرتا تھا خاص طور پر جب سال دوم جد امجد حضرت شیخ القرآن محمد عبد الغفور ہزاری رحمتہ اللہ علیہ کی دینی و ملی خدمات پر تحقیقی تعالہ لکھنے کی یورنیورسٹی سے اجازت ملی تو اس مقالہ کی تکمیل میں آپ نے بہت رھنمائی فرمائی آپ کے زریعے متعدد شخصیات سے رابطہ ہوا۔ جب بھی آپ کے پاسحضر ہوتا آپ کمال شفقت فرماتے اور تحقیقی کام کو آگے بڑھانے کے لیے گراں قدر مشورے دیتے اور کئی کئی گھنٹے آپکی حکمت بھری باتیں سننے کا موقع ملتا تھا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب مکرم سرور دو عالم شفیع المومنین آینہ جمال کہ دیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل امام اہل سنت کے اس عاشق کے درجات کو بلند فرمائے آپ کے روحانی و جسمانی پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے اس فیض کو تا حیات جاری و ساری رکھے (آمین)

مثل　ایوان　سحر مرقعہ　ہو　تیرا
نور　سے　معمور　یہ　خاکی　شبستاں　ہو　تیرا

1995 میں پہلی حضرت شیخ القرآن کانفرنس کا انعقاد ہوا آپ بے حد خوش ہوئے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو شفقت فرماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا ایسے پروگراموں کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہمارے اسلاف کا پیغام عام ہو دیر تک حضرت شیخ القران کا ذکر کرتے رہے اور بتایا کہ میں نہ صرف لاہور کبعد دور دراز علاقوں میں بھی جا کر حضرت کے خطبات سنا کرتا تھا۔

آپ کی زندگی کا ایک قابل تقلید پہلو یہ بھی ہے کہ آپکو کتابوں سے بے حد پیار تھا اور آپ کے پاس کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا آپ نے ایسا لازوال کارنامہ سرانجام دیا ہے جو کسی کسی کے نصیب میں لکھا ہے۔ اپنی حیات کے اندر ہی زندگی کی متاع عزیز ہزاروں کتب پنجاب یورنیورسٹی کو عطا فرما دیں اور آپکا یہ عظیم فیض نیو کیمپس میں ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا آپ کے نام کے ساتھ ایک الگ سیکشن آپ کی کتب یورنیورسٹی کی عظیم لائبریری میں موجود ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ یونیورسٹی لائبریری میں کوئی کتاب مطلوب ہو نہ مل رہی تو حکیم محمد موسیٰ امرتسری سیکشن سے مل جاتی ہے۔ الغرض آپ کی زندگی قابل رشک ہے اللہ تعالیٰ ہر عالم دین کو اسی طرح دین اسلام اور مسلک حق اہل سنت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے

سالہا باید کہ تاریک　منگ　اصلی　ز　آفتاب
لعل　گردد　در　بدخشاں　یا　عقیق　اندر　یمن

آپکے وصال سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے مدتوں پر نہ ہو سکے گا ایسی جامع اوصاف اور نابعہ روزگار کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے

تحفۂ اِخلاص و مودّت

بحضرۃ حکیمِ اہلِ سُنّت الحاج حکیم محمّد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی قادری زیدمجدہٗ

ازقلمِ حقائق رقم: ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

نقیبِ دین و زعیمِ ملّت کلیدِ حکمت، مہِ فضیلت

رضائے احمد رضا کا بندہ ہے پاسدارِ کتاب و سُنّت

یہ ہے گلِ سرسبد کی زینت جُھکا ہے جس پہ سحابِ رحمت

ریاضِ دینِ متیں میں ہر سُو ہیں جس نے پھیلائے نور و نکہت

حکیمِ موسیٰ وہ عبقری ہے مثیل اس کا کہاں ہے کوئی

ادب نواز و ادب شناس و زِ اہلِ وجداں شعورِ فطرت

علومِ شرعِ مبیں کا عامل امینِ دینِ حنیف برحق

جنابِ ختمِ رسل کا بردہ خوشا بہ نازش زِ فخرِ نسبت

رسولِ اکرم کا یہ فدائی۔ فدائے سرکارِ اولیا ہے!

مطیعِ احکامِ ربِّ ایزد، ہے قاطعِ شرک و کفر و بدعت!

بحورِ فن کا یہ دُرجِ گوہر۔ خزینۂ دُرِّ شاہواراں!

محققوں ناقدوں کا رہبر۔ جہاں میں اس کا ہے دم غنیمت

غلامِ خواجہ و غوثِ اعظم۔ گدائے شاہنشہِ دو عالم

فدا یہ محبوبِ پاکبازاں، ہے خوبصورت فرشتہ سیرت

مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

ماضی، حال اور مستقبل

• تحریر: ظہور الدین خاں
سابق سیکرٹری مرکزی مجلسِ رضا

محقق عصر، حکیم ملت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہٗ کو اپنے طرز زندگی سے وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا تھا جس بناء پر دنیا بھر سے وہ لوگ جو مسلم انڈیا کے بارے میں کسی بھی موضوع پر ریسرچ کرنے میں مصروف ہوتے وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو جب بھی وہ پاکستان آتے تو ان کی مجبوری تھی کہ وہ حکیم محمد موسیٰ کے ہاں حاضری دیں۔ کیونکہ حکیم صاحب مرحوم سے انہیں تمام متعلقہ اور ضروری مواد میسر آ جاتا۔ چنانچہ ان میں یورپ کے اسکالر بھی ہوتے تھے اور بھارتی علماء بھی، ہندوستانی خاتون ڈاکٹر اوشا سانیال[1] بھی انہیں محققین میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے گراں بہا مقالہ

"Devotional Islam and Politics in British India Ahmad Riza Khan Barelwi and His Movement 1870-1920."

---

[1] ڈاکٹر اوشا سانیال یو کے سے راقم الحروف کے نام اپنے مراسلہ ۱۴۔ دسمبر ۱۹۹۶ء میں رقمطراز ہیں:

".....I am happy to enclose a copy for you with my compliments. If more copies are needed or if others wish to buy a copy please contact (or ask the others to contact) the Karachi office Oxford University Press.

If any reviews of the book are published, or any

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے وقیع موضوع پر تحقیق کر کے کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی (جو ۱۹۹۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی سے شائع ہوا اور ۳۶۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے)، اس مقالہ کی کتابیات Bibliography کے صفحہ ۳۵۷ پر انٹرویوز (Interviews) کے زیر عنوان جناب حکیم صاحب کے بارے میں انہوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے۔

"Amritsari Hakim Muhammad Musa, President, Markazi Majlis-e-Riza, Nuri Masjid, Lahore; An Authority On The Ahl-e-Sunnat in Current Day Pakistan. 19 November 1986, At Lahore."

حکیم محمد موسیٰ مرحوم تنظیم ساز کریکٹر کے مالک تھے، تنظیموں پر پیسہ بھی خرچ کرتے تھے اور ان کو پوری طرح سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایسا شخص حکومت کی نظروں میں نہ آئے یا اس کے روزمرہ پر

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

thing else connected with my book in Urdu or English, any where in Pakistan. I would be grateful if you could send me photo copies."

ڈاکٹر اوشا سانیال پروفیسر اسلامیات اور ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، ویسٹرن واشنگٹن یونیورسٹی نے اپنے محولہ بالا انگریزی مقالہ میں امام احمد رضا کے سیاسی افکار و نظریات پر بحث کی ہے...... راقم نے جب اس کتاب کا تذکرہ حکیم صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے ایک جلد خرید کر لی جائے، یہ کام صرف ہندوستان کی سرزمین پر ہی ہونا (آپ نے شاید یہ بات اس لئے فرمائی کہ پاکستان میں تو کسی حکومتی ادارے کی جانب سے نظریہ پاکستان کی مخالف جماعت جمعیت العلماء ہند پر ہی مقالہ لکھوا کر شائع ہو سکتا ہے دو قومی نظریہ کے حامیوں پر نہیں) تھا۔ حکیم صاحب کی بہر کیف صائب رائے اور فکر کس قدر درست ہے جس کا کچھ اندازہ ان تعارفی کلمات اور تبصرہ سے ہو جاتا ہے جو جامعہ اسلامیہ، نئی دہلی کے پروفیسر اور صدر شعبہ تاریخ و ثقافت ڈاکٹر جمال الدین سید نے "پیغام رضا" ممبئی کے اول شمارہ خصوصی امام احمد رضا نمبر (۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء) پر کیا ہے۔--- پاکستان میں جس سفر کا آغاز آج سے تیس سال قبل روشن اسٹریٹ نیامزنگ لاہو (مرکزی مجلس رضا کا پہلا دفتر اسی جگہ تھا) سے ہوا آج اس کی روشنی سے ایک عالم منور ہو رہا اور وہ مشن اب

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

حکومتی نظر نہ ہو۔ ایک طرف تو وہ کتاب کے ذریعے ذہنی انقلاب برپا کر رہے تھے اور دوسری طرف پاکستان کے علماء کی جمعیت ان سے فکری راہنمائی بھی حاصل کرتی تھی۔ امام احمد رضا کا پیغام کوئی معمولی پیغام نہ تھا، یہ پیغام اتحاد کی علامت تھا۔ محبت کی علامت تھا اور ہے اور سخت ترین ماحول میں اپنی شناخت برقرار رکھنے کا بہترین سامان بھی ـــــ جمعیت کے مذہبی و سیاسی قائدین کے لئے مجلس رضا کی صورت میں ایک ایسا پلیٹ فارم میسر آ گیا تھا جس کے ذریعے وہ مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" سے اپنا پیغام نشر کر سکتے تھے چونکہ مجلس کے سالانہ اجتماع میں پاکستان کے کونے کونے سے شرکت کے لئے لاہور میں آنے والے عاشقانِ تعلیماتِ حضور اکرم ﷺ اور وفا شعاروں کا جم غفیر ہوتا اور یہ اجتماع لاہور کے اہم اور مرکزی مقام مقابل ریلوے اسٹیشن، نوری مسجد میں منعقد ہوتا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ حکیم صاحب کی تحریک پر نہ صرف برعظیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، اس سفر کی ایک ادنیٰ جھلک ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ کر لیجئے، سید صاحب موصوف فرماتے ہیں:

"مولانا رحمت اللہ صدیقی نے صحیح لکھا ہے کہ پاکستان میں تحقیقات امام احمد رضا کے سلسلہ میں زیادہ منظم کاوشیں ہو رہی ہیں اور متعدد تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں، اس ضمن میں ہندوستان میں کم کام ہوا ہے۔

گزشتہ سال ہندو نژاد نیویارک میں سکونت پذیر خاتون اوشا سانیال کی تحقیقی کتاب بعنوان......

"Devotional Islam & Politics in British India Ahmed Riza Khan Barelwi and His Movement, 1870-1920"

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے اصحاب فکر معاف کریں گے کہ امام احمد رضا کی فکر کے حوالہ سے اس کتاب کے علاوہ جتنی بھی تصانیف میری نظر سے گزری ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کے افکار کا تاریخی پس منظر تقریباً مفقود ہے، اوشا سانیال نے نوآبادیاتی عہد کے ہندوستان کی مذہبی، اصلاحی، علمی، تعلیمی اور سیاسی و سماجی تحریکوں کے سیاق میں اعلیٰ حضرت کے افکار اور ان کی تحریک کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ...... اس جگہ جو نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ افکار اعلیٰ حضرت کا جائزہ لینے کے لئے اپنی فکر و نظر کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔"

(پیغام رضا، ممبئی (مفتی اعظم نمبر)، جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء، صفحہ ۳۵۲ اور ۳۵۳)

پاک اور بھارت بلکہ مصر یورپ اور دیگر ممالک میں بھی ایسی تقاریب کا اہتمام ہونے لگا اور اس کے ساتھ ساتھ لٹریچر کی اشاعت بھی اور آج دنیا کی بیشتر جامعات میں عاشق حضور پاک ﷺ امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات کے حوالہ سے جو تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ حکیم صاحب کا مرہون منت ہے، یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انہوں نے دورِ حاضر میں تنہا جو کام کر دیا آج ہم وسائل ہونے کے باوجود پوری جمعیت کے ساتھ نہیں کر پا رہے ہیں۔

اس امر کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا کے قیام سے پہلے بایں سلسلہ جو حالت دگرگوں تھی اس کا تذکرہ ایک الگ باب کا متقاضی ہے، یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خدا نے چاہا تو آئندہ کسی وقت اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا جائے گا۔ دراصل ہوا یوں کہ امام احمد رضا کی وفات سے پچاس سال بعد تک کوئی ایسی علمی تحریک پیدا نہ ہو سکی جو امام موصوف کے آثار علمی کے تحفظ و اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کو اپنا مقصد بناتی۔ مشہور نقاد ابوسلمان شاہ جہانپوری گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کے شمارہ بابت ۷۵-۱۹۷۴ء بعنوان "برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" جلد دوم کے باب شخصیاتی علمی ادارے میں صفحہ ۴۳۱ پر "مرکزی مجلس رضا۔ لاہور" کے تحت حکیم محمد موسیٰ صاحب کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

> "ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی سعادت بھی روز اول سے کسی خوش نصیب کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ مجلس رضا کے قیام کے لئے ۱۹۶۸ء کا سال مقدر تھا اور اس کام کی سعادت حکیم محمد موسیٰ صاحب کے ناصیہ زیبا میں لکھی تھی۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو قدرت نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے دل میں مجلس کے قیام و انتظام کا داعیہ پیدا کر دیا اور مجلس نے خدا کے بھروسہ پر علمی خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔"

حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کی بے بہا اور ناقابل فراموش خدمات اور ان کی دینی و تبلیغی مساعی اور علمی کاوشوں کے سلسلہ میں مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" کا ضمناً ذکر اوپر آ چکا ہے...... مرکزی مجلس رضا کے روح رواں اور بانی و صدر جناب حکیم محمد موسیٰ کو "یوم رضا" کی مقدس تقریب سے جو عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے اور ان کا یہ پاکیزہ اور کس قدر نفیس خیال تھا کہ مجلس کے "یوم رضا" (سالانہ عرس امام احمد رضا) کی تقریب کو وہ عین اس نہج پر لے جائیں گے جس طرح کہ حضرت امام اعظم کے سالانہ عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے اجلاس، قیام پاکستان سے قبل، انجمن تبلیغ الاحناف، امرتسر (قائم شدہ ۱۹۱۲ء) اور لاہور میں انجمن حزب الاحناف (قائم شدہ ۱۹۲۵ء) کے زیر اہتمام انعقاد پذیر ہوتے، امرتسر میں منعقدہ ایسے ہی عرس مبارک کی ایک روداد اس مرد درویش اور دین حنیف کے سچے خادم کی زبانی سنئے جسے آج دنیا

''حکیم اہل سنت'' کے نام سے جانتی ہے، وہ رقمطراز ہیں کہ:

''امرتسر کے احناف نے ''انجمن تبلیغ الاحناف'' قائم کر رکھی تھی ...... اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد ہال بازار میں نہایت تزک واحتشام سے منایا جاتا تھا۔ عرس مقدس کے سہ روزہ جلسوں میں مقامی علماء کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء وفضلاء اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ اِس عرس مبارک کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اِس میں شرکت فرمانے والے علماء میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

امیر ملت حضرت حافظ الحاج سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ العرفاء حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مبلغ یورپ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی، حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری، ابوالمحامد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، بلبل بستان رسالت حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاولپوری، مناظرِ اسلام مولانا حکیم قطب الدین جھنگوی، حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، حضرت مولانا عبدالمجید قادری والد ماجد مولانا عبدالحفیظ حقانی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اِس عرس میں ایک دفعہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رِضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رِضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شمولیت فرما کر مسلمانانِ امرتسر کو اپنی فاضلانہ تقریر سے مستفید فرمایا تھا۔ شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مولانا سردار احمد محدث لائلپوری (رحمہما اللہ تعالیٰ) بھی اس عرس میں شرکت فرماتے رہے مگر اس وقت یہ حضرات جوان علماء میں شمار ہوتے تھے۔

ایسا عظیم الشان تبلیغی جلسہ میں نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ ایک خاص قسم کی روحانی ونورانی محفل ہوتی تھی۔ اس عرس مبارک کے جلسوں میں امرتسر کے مسلمانوں کو دوقومی نظریہ کی صداقت بتا کر تحریکِ پاکستان کی تائید وحمایت کے لئے تیار کیا گیا۔ ۴۶-۱۹۴۵ء میں اس عرس شریف کے موقع پر صدر الافاضل محمد نعیم الدین مرادآبادی، حضرت امیر ملت علی پوری اور حضرت محدث کچھوچھوی (رحمہم اللہ) نے تحریک پاکستان کے حق میں جو مدلل اور پُر مغز تقریریں کی تھیں ان کے بعض حصے ابھی تک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں اور اچھی طرح یاد ہے کہ ان بزرگوں کی تقاریر نے

امرتسر کے کانگرسی اور احراری مولویوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا"۔ [۱]

مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" (عرس امام احمد رضا) کے تمام سالانہ اجلاس اس پر شاہد عادل ہیں کہ یہ محافل بھی مذکورہ بالا روحانی و نورانی محفل کا پرتو تھیں جس کا تذکرہ حکیم محمد موسیٰ صاحب نے فرمایا کیونکہ یہ سارا کام خلوص وللہیت کی بناء پر سرانجام دیا جارہا تھا اور اسی کا ثمرہ تھا کہ جو شخص "یوم رضا" کی مقدس تقریب میں ایک مرتبہ شمولیت کر جاتا تو وہ یقیناً آئندہ سال کے لئے انتظار کرتا رہتا اور امید ہو چلی تھی کہ مرکزی مجلس رضا کی تحریک ملک گیر صورت اختیار کر جائے گی' بڑے شہروں کے علاوہ پاکستان کے قصبات تک میں "مجلس رضا" کے نام سے دفاتر قائم ہونا شروع ہو گئے اور اراکین مجلس رضا نے حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی راہنمائی میں اپنے وسائل کے مطابق ان علاقہ جات میں لٹریچر کی اشاعت شروع کردی۔ حکیم صاحب کی جانب سے بحیثیت داعیِ یوم رضا منانے کی جو اپیل جولائی ۱۹۸۶ء تک دی جاتی رہی اور جس نے ایک روح پھونک دی تھی وہ آپ بھی پڑھ لیں:۔

"مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد ملت شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لئے کتب ورسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال (عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ یوم رضا کا انعقاد کرتی ہے۔ جس میں ملک کے نامور علماء' فضلاء اور دانشور حضرات چودھویں صدی کے مجدد کی عظیم علمی خدمات اور بے مثال تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے ملک کے گوشہ گوشہ میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی ہر سال اپیل کی جاتی ہے اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں لہٰذا علماء کرام اور اہلسنت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں"!

ع　دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ہم نئی زندگی کے مطرب ہیں
زمزمے ولولوں میں ڈھالیں گے

---

[۱] مولانا غلام محمد ترنمؔ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ انجمن تبلیغ الاحناف لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۲۵-۲۷

اپنے ساز طرب کی تانوں سے
تیرہ ماحول کو اجالیں گے
مردوں جسموں فسردہ نبضوں میں
روح پھونکیں گے جان ڈالیں گے
وہ سنو موت کے حصاروں سے
زیست آواز دے رہی ہے ہمیں

توڑ کر ہر طرح کی زنجیریں
ساتھیو آؤ مل کے آگے بڑھیں

مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام جس سفر کا آغاز برکت علی ہال، موچی دروازہ لاہور سے نوری مسجد کی جانب منتقل ہوا تھا اس میں پاکستان کے ہر گوشہ سے عاشقان تعلیماتِ رضا جوق در جوق شرکت کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک پورے ملک میں جناب حکیم صاحب قبلہ کی دعوتِ حکمت و موعظت، اخلاقِ کریمانہ اور ان کے مثالی فکر و کردار کی بدولت پھیل گئی اور ایسی امید کی کرن پیدا ہو چلی کہ یہ پاکیزہ سفر اسی منزل کی جانب رواں دواں تھا جس کا خواب حکیم صاحب نے دیکھا اور یہ خواب ان کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ یہ سفر کیونکر اور کس طرح شروع ہوا (جس سے ہندوستان کی سرزمین جہاں گزشتہ سالہا سال سے ایک جمود طاری تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی)، مذکورہ خواب کی ایک جھلک حکیم صاحب کے مکتوب جو انہوں نے ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ کو مورخہ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو یعنی مرکزی مجلس رضا کے قیام سے بھی دو سال قبل ارسال کیا، سے مل جاتی ہے۔ مذکورہ مراسلہ سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل کے لئے آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی" کی سوانح حیات لکھ دیجئے۔ اس سلسلہ میں جملہ مواد فراہم کر دیا جائے گا اور اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف حاضر خدمت کر دی جائیں گی۔ اگر آپ اظہارِ آمادگی فرمائیں تو میں مواد اکٹھا کرنا شروع کر دوں...... کتاب خوبصورت چھپوائی جائے گی...... اعلیٰ حضرت" پر جو کتابیں آ چکی ہیں وہ مناظرانہ رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ اس لئے عوام اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ اگر آپ دو چار سو صفحات کی کتاب لکھ دیں تو آپ کا دنیائے سنیت پر احسان عظیم ہوگا اور مسلک کی ٹھوس خدمت ہوگی۔ امید کہ آپ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔" [۱]

[۱] احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری از پروفیسر محمد صدیق، مطبوعہ داتا گنج بخش اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۷ء۔ ص ۴۴

کتاب کی افادیت واہمیت کے علاوہ حکیم صاحب بمصداق اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً کی اثر انگیزی پر کامل یقین رکھتے اور اسی بناء پر وہ ''یوم رضا'' کی سالانہ تقریب کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ راقم کے والد گرامی مرحوم (مولوی قمر الدین امرتسری المتوفی ۱۹۹۰ء) بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ (۱۸۸۳ء-۱۹۴۸ء) جب تقریر فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ قرآن شریف کا نزول ہو رہا ہے۔ حکیم صاحب نے ایسے ہی اکابر اہل سنت کو سنا اور قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ تاہم رب: الجلال نے حضرت حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہ) کی مذکورہ بالا دیرینہ آرزو کی تکمیل کر دی تھی اور سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بقول ''کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کی مفت تقسیم ان کا شعار تھا۔ کتاب اپنے سینے میں علم کے نور کو محفوظ رکھتی ہے۔ حکیم صاحب کتاب کی خوشبو کو عام کرتے رہے۔ اس طرح وہ علم کی روشنی پھیلاتے رہے تاکہ جہالت کا اندھیرا دور ہو جائے۔''[1] اور یہ سفر ابھی جاری ہی تھا کہ ''ساتھیوں (؟) نے مل کر آگے بڑھنے'' سے روک دیا اور یہ رواں دواں قافلہ راستہ میں لوٹ لیا گیا۔ قافلہ لٹنے اور لٹانے والے کون لوگ تھے؟۔۔۔ قافلہ لوٹنے والے تو اب بھی سرگرم عمل !۔۔۔ لیکن لٹانے والے مہر بہ لب ہیں ع۔۔۔۔ ہیں اصل میں کچھ نظر آتے ہیں کچھ، اور ایک لفظ لکھنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ ماہنامہ ''مہر و ماہ'' اور ''کنز الایمان'' کے صفحات ان کے لئے حاضر؟۔۔۔۔ وہ کس ''مشن'' کے تحت داخل ہوئے !!!۔۔۔۔ اب حکیم صاحب کے بعد از وصال ان کا کردار بتادے گا۔ قافلہ لوٹنے والوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی آخر امام ہی کے نام پر تعمیر مسجد رضا و مدرسہ ضیاء الاسلام (جسے ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں شمالی لاہور کے لوگوں کی سہولت کے لئے حکیم صاحب نے مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام تعمیر کروایا) میں جائے پناہ لینا پڑی !!!۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔۔؟ ایک شکاری شکار کرنے کے لئے اسی جانور کی بولی بولتا ہے اسی لئے قافلہ لوٹنے والوں نے اگرچہ امام احمد رضا کے نام پر اکیڈمیاں اور اشاعت کے لئے ادارے بھی قائم کر لئے، کتابوں کے انبار بھی لگا دیئے !!! لیکن تاریکی بڑھ گئی کیونکہ امام کا پیغام محبت اور روح مفقود ہے۔ ویسے بھی آج قلم کا دور ہے اور علم کا دور کم ! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اکیڈمی کا رخ اور منزل صرف کتاب براستہ بنک اکاؤنٹ اور بنک اکاؤنٹ محض برائے کتاب قرار پائی۔ اس لئے اس ''چمک'' نے بہتوں کی آنکھیں چکا چوند کر دیں ؎

رَاَیْتُ النَّاسَ مُذْ خُلِقُوْا وَ کَانُوْا
یُحِبُّوْنَ الْغَنِیَّ مِنَ الرِّجَالِ

(ترجمہ)۔۔۔۔ لوگوں کو میں نے دیکھا جب سے وہ پیدا ہوئے اہل دولت سے محبت کرتے آئے ہیں۔

[1] ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور (خصوصی نمبر یادگار موسیٰ)، جنوری-فروری ۲۰۰۰ء ص ۲۰۸ و ۲۰۹

جیسا کہ فاضلِ ہند رحمت اللہ صدیقی مدیرِ اعلیٰ "پیغامِ رضا" (ممبئی) نے لکھا ہے کہ

"اگر یہی روش زیادہ دنوں قائم رہی تو اہلسنت کا وجود کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ صاحبانِ حال و قال دولت کے پیچھے اسی طرح بھاگ رہے ہیں جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی سمت محوِ سفر ہوتا ہے۔" [1]

دوسری طرف ہم بزرگوں کی کمائی بے دریغ خرچ کر رہے ہیں ایک دن آئے گا کہ ہم تہی دست ہوں گے اور خرچ کرنے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا!!!۔۔۔۔ مسندِ ارشاد پر آج فائز اہل علم و فضل اپنے افکارِ عالیہ کو دل آرا، دل آویز، دل بستہ، دلپذیر، دلپسند، دلچسپ، دلدوز، دل ساز، دلفروز، دلفریب، دلکش، دلکشا، دلنواز اور دل نشیں بنانے کے بجائے اپنے کردار سے دلفگار، دل زدہ، دل شکستہ، دلگیر اور دل آزاری، دلبازی، دل تنگی، دلخراشی اور دلریشی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔۔۔ مرحوم ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۵ء) کے بقول "جن لوگوں کا کام درس و تدریس اور تعلیم و تحقیق ہے وہ جوڑ توڑ میں زیادہ لگے رہتے ہیں۔ یہ عالم نہیں علم کے بیوپاری بلکہ بنجارے ہیں۔" [2] مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ علی گڑھ یونیورسٹی کے تلمیذ رشید ڈاکٹر صدیقی صاحب موصوف کا محولہ بالا قول آج حق کے دعویداروں (؟) کو دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے محراب و منبر ان علماء دین اور اہل دین کی شخصیت و کردار اور افکار و خیالات سے محروم ہو چکے ہیں جن کی تابناک شخصیت اور علمی رئیسانہ شان ایک مرتبہ قاری اور پورے مجمع کو اپنے جانب متوجہ کر لیتی۔ [3] چونکہ حکیم صاحب مرحوم و مغفور ان علماء حق کے خوشہ چیں تھے کہ جنہوں نے اپنی حمیتِ دین، فضیلتِ علم، اصابتِ فکر اور ستودگیِ سیرت سے ایک درسگاہ کو سربلند رکھا اور سربلند رہے۔۔۔ اس سربلندی نے حکیم صاحب کو بھی سربلند کر دیا اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد بھی یہی ہے۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا
لَنَا عِلْمٌ وَّلِلْجُهَّالِ مَالٌ

(ترجمہ)...... ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم اور جاہلوں کو دولت دی۔

حکیم صاحب کسی ایسے شخص کی علمی رائے کو ظلم سمجھتے تھے جس کی وہ اہلیت نہ رکھتا ہو اسی لئے وہ ان علماء کو پسند نہیں کرتے تھے جو اپنی فضیلت و مرتبہ کے برعکس اپنی رائے کو فتویٰ کے مترادف سمجھتے ہوں۔ پیش نظر سطور رقم کرتے وقت پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے "ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری" میں ایک چہار ورقی فتویٰ بعنوان "جہادِ

---

[1] پیغامِ رضا (امام احمد رضا نمبر) مطبوعہ رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتا مڑھی، بہار (بھارت) ۱۹۹۷ء۔ ص ۲۳

[2] دیکھئے: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی آپ بیتی، رفت و بود (قسط نمبر ۱۸) مطبوعہ روزنامہ "جسارت" کراچی، ۲۷، جون ۱۹۸۰ء، ص ۶ بعنوان "مردِ مومن"

[3] نئے اور پرانے چراغ از آل احمد سرور، مطبوعہ ادارہ فروغ اردو، لکھنو ۱۹۶۳ء۔ اشاعت چہارم، ص ۳۹۵

افغانستان درنظر علماء اہلسنت پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری بانی رضا اکیڈمی (جس پر کچھ مولویوں اور بعض نیم مولویوں کے علاوہ سیاسی مفتیوں سمیت سنتالیس ۴۷ اسماء درج ہیں اس فتویٰ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ بعض مولویوں کے نام ۲ دو مرتبہ شمار کئے گئے۔ فتاویٰ کی تاریخ میں ایسی مثال نہ ملے گی) پر نظر پڑی، فتویٰ کے صفحہ پانچ پر حکیم صاحب کے زیر دستخطی درج ذیل نوٹ بھی رقم ہے جس سے ان کی دینی وسیاسی بصیرت کی تصدیق ہوتی ہے، ملاحظہ ہو۔

''شاہ احمد نورانی صاحب نے اس فتویٰ کی تائید کرنے سے انکار کردیا تھا... نیز تائید کنندگان (مفتیان کرام) میں سے بعض ان پڑھ ہیں۔ ایک ان پڑھ کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔''

(دستخط) محمد موسیٰ عفی عنہ

یکم دسمبر ۱۹۸۹ء

وہ شخص جو فتویٰ دینے کا مجاز ہو مفتی کہلاتا ہے۔ کسی مسئلہ پر کسی مجاز عالم دین کی باقاعدہ رائے ''فتویٰ'' کہلاتی ہے۔ فتویٰ شریعت کی تعلیمات پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے کسی ''ان پڑھ'' کا یہاں کیا گزر—!!! حکیم صاحب کے نوٹ پر کسی تبصرہ کی ضرورت تو نہ تھی، لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے اور کسی لطیفہ سے کم بھی نہیں کہ حضرت حکیم صاحب جس مفتی کو ''ان پڑھ'' قرار دے رہے ہیں وہ مفتیانِ کرام کی صف میں شامل ہو گئے۔ انا للہ....

چشم فلک نے یہ نظارہ اس سے پہلے نہ دیکھا!— ایک طرف یہ علمی بے مائیگی اور دوسری طرف بعض بنجارے ایسے ہی ان پڑھ مفتیان کے لئے محض اپنی مطلب برآری کے لئے سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''اندھیرے'' میں پھر اپنا بھی کام بن جاتا ہے— چور ہمیشہ نور کا دشمن رہا، علم کی روشنی میں تو ظاہر ہے کہ نقب زنی نہیں ہوسکتی؟...... ایک وقیع رائے ملاحظہ ہو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ علوم اسلامیہ کے سابق صدر پروفیسر محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۸ء۔ ۱۹۳۹ء) رقمطراز ہیں:۔

''ایسے مفتی جنہیں اپنے مذہب کے لطائف ونفائس کی خبر نہیں ان کے فتاویٰ سے احتراز چاہیئے۔''[۱]

محترمی ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل جب کوئی معاشرہ انحطاط پذیر ہوتا ہے تو اس معاشرہ کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں اسی لئے آج ہم اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ چند برس قبل لاہور کے ایک مرحوم مفتی شہیر کا روزنامہ ''نوائے وقت'' کے میگزین میں انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے جنرل ضیاء الحق کو ضیاء الحق والاسلام والدین بنادیا، ضیاء الحق کا دور تھا، حکیم صاحب راقم سے فرمانے لگے کہ اس انٹرویو کو محفوظ کرلو!

---

[۱] الحج، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۸ء، ص ۳

کسی وقت کام آئے گا (؟)

علمائے دین کے حوالہ سے یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد موسیٰ اہلِ حق کا بے حد احترام کرتے انہوں نے ماضی قریب میں ایسے علماء کو دیکھا تھا جنہوں نے کسی دنیادار یا حاکمِ وقت کی مدح سرائی یا کاسہ لیسی کی اور نہ ہی چند ٹکوں کی خاطر اپنی عالمانہ شان کو مجروح کیا۔ چنانچہ حکیم صاحب کی تصانیف "مولانا غلام محمد ترنم" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)، "ذکر مغفور" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء)، "مولانا نور احمد امرتسری" اور "تذکرہ مشاہیر امرتسر" (غیر مطبوعہ) اس پر شاہد عادل ہیں ــــ حکیم صاحب کی دیرینہ آرزو تھی کہ اہلِ حق کے سالاروں اور اکابر کے تذکرے ان کے شایانِ شان مرتب ہونے چاہئیں، وہ عمر بھر اس کے لئے کوشاں رہے۔ اِس میدان میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، لیکن بہت سی بھاری بھرکم شخصیات جن پر سرے ہی سے ابھی تک قلم نہ اٹھایا جاسکا اور بعض پر چند اوراق سامنے آئے ان پر مفصل سوانح مرتب ہونا تھیں وہ اب تک ناپید ہیں۔ اس کے لئے ہمہ وقت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے مرکزی مجلس رضا جیسا ادارہ ہونا چاہیئے، بچی کھچی مجلس یا مرحومہ[1] مجلس رضا اگرچہ "جہان رضا" کے نام سے آج کل ایک ماہوار رسالہ نکال رہی ہے، لیکن اس پرچہ میں کسی علمی یا تاریخی کتاب پر تبصرہ شائع نہیں ہوسکتا بقول اس کے مدیر، کہ ان کے پاس اس قدر وقت ہی نہیں ہوتا تاہم وہ اپنے ذاتی چلائے جانے والے مکتبہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔ یعنی اہلسنت و جماعت کا ماضی کا یہ عظیم ادارہ ایک ذاتی جاگیر بن کر رہ گیا ہے ــــ اس بات کا یہاں دھیان رہے کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے برادرِ اصغر مرحوم غلام مرتضیٰ (المتوفی ۱۹۹۷ء) نے راقم الحروف سے چند سال قبل ایک ملاقات میں فرمایا کہ مکتبہ نبویہ کے مالک اقبال احمد فاروقی دین کے نام پر آخر کیا کر رہے ہیں! ــــ ماہنامہ "القول السدید" لاہور کے مدیر مسئول محمد طفیل زید مجدہٗ نے غالباً انہی احوال کے پیش نظر تمبر ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۰۶ پر ایک عنوان قائم کیا ہے ــــ "اسے کیا کہیں؟ کتب فروشی یا دین فروشی!" ــــ محترم محمد عمر فاروق صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکیم صاحب نے فرمایا تھا، فاروقی صاحب کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا ــــ یہ موضوع الگ ہے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مدیر موصوف کا کبھی اس جانب دھیان گیا ہے کہ مرکزی مجلس رضا کسی زمانہ میں "یوم رضا" منانے کا اہتمام بھی کیا کرتی تھی؟[2] حکیم صاحب قبلہ کے وصال کے چند روز بعد ہی مدیر

---

[1] ع.... اس کی رگوں میں زندگی لاؤ تو بات ہے

[2] "جلسے صرف تماشا نہیں بلکہ قومیت کو مضبوط کرنے اور اگلی پچھلی قوم کی شخصیت کو ایک کرنے کے لئے ان کا ہونا بہت ضروری ہے۔" (نور محمد قادری، سید۔ "میلاد شریف اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء،

"جہان رضا" کا یہ ارشاد کہ ابھی حکیم صاحب کی یاد تازہ ہے کچھ روز تک احباب یاد رکھیں گے پھر بھول جائیں گے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جس سے فی الحقیقت ان کے ذہنی افلاس اور مولویانہ ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے اور یہ مدیر شہیر حکیم صاحب کے مقام ومرتبہ سے ہی بے خبر!۔۔۔ چنانچہ پنجابی زبان کے مشہور شاعر سید وارث شاہ چشتی مرحوم (م ۱۷۹۵ء) نے بجا طور پر کہا ہے کہ: ع

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گزشتہ)

اشاعت ششم۔ص ۱۵)

نوٹ: راقم الحروف نے جب ماہنامہ مہر وماہ لاہور کے خصوصی "یادگار موسیٰ" نمبر جنوری، فروری ۲۰۰۰ء میں پیش نظر مضمون "مرکزی مجلس رضا لاہور...... ماضی، حال اور مستقبل" پر روشنی ڈالتے ہوئے، بانی مجلس کی قائم کردہ عظیم یادگار اور تحریک "یوم رضا" کی (جو عرصہ چودہ سال سے مرکزی مجلس رضا کے موجودہ کارپردازان اور متولیان نے عمداً فراموش کی ہوئی ہے) جانب توجہ مبذول کروائی، تو بجائے اس کے کہ وہ آئندہ "یوم رضا" منعقد کرنے کا اعلان کر کے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی سے مجلس مرحومہ کے جسم وجاں میں روح پھونک کر ایک تازہ ولولہ دیتے...... لیکن ہُوا یہ کہ انہوں نے فی الفور "جہان رضا" کے شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۰ء میں صفحہ ۳۷ پر یہ خبر بطور اشتہار شائع کردی کہ

> "یوم رضا منانے والوں کے لئے مرکزی مجلس رضا ان اداروں کو مالی امداد دینے کا پروگرام مرتب کر رہی ہے۔ جو ادارے اس سال "یوم رضا" منانا چاہیں۔ رابطہ کے لئے پوسٹ بکس ۲۲۰۶، لاہور"

دراں حالیکہ جہان رضا کا ہر شمارہ بذات خود مالی تعاون کا خواستگار نظر آتا ہے اور یہ "خواستگاری" ہر شمارہ میں درج ہوتی ہے جیسا کہ اس شمارہ کے ٹائٹل کے آخری صفحہ پر بھی یہ اپیل سنہری حروف میں یوں درج ہے کہ:۔

> "آپ مجلس کو فوری طور پر اپنے مالی تعاون سے نوازیں تا کہ وہ ملک میں دینی راہنمائی اور اعتقادی نشوونما کے نیک مقاصد کو پورا کر سکے۔ ترسیل زر کے لئے پتہ نوٹ فرمالیں۔"

لم تقولون مالا تفعلون!

خیال رہے کہ اس وقت تحریک کو کسی معنوی فرزند کی پیدائش سے زندہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی خانہ پری کے لئے صور فاروقی سے مردہ روحوں میں جان ڈالی جاسکتی ہے جبکہ اس وقت ضرب کلیمی کی ضرورت ہے تا کہ خوابیدہ فکر وذہن میں توانائی آسکے۔

ع...... لا پھر اک بار وہی بادہ وجام اے ساقی!

وارث شاہ اوہ سدا ای رہن جیوندے

جہناں کیتیاں نیک کمایاں نیں

عشقِ رسول ﷺ کی شمع کو اپنے خون سے روشن کرنے والے (حکیم محمد موسیٰ صاحب) کی اس محنت سے بڑھ کر اور نیک کام کیا ہو سکتا ہے؟

بہر کیف احسان فراموشی بلکہ محسن کشی کی یہ ایک بدترین مثال ہے جب کہ ماہنامہ ''جہانِ رضا'' کا تازہ شمارہ بابت دسمبر ۱۹۹۹ء، (جو حکیم صاحب کے وصال کے بعد شائع ہوا) کے بیرونی سرورق پر بیادِ امام اہلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے زیر اب بھی ''بانیِ مجلس حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ'' کے الفاظ رقم ہیں [1] ایک بات اور توجہ طلب ہے کہ مدیر جہان رضا کی اسے خوش بختی سمجھئے یا بدنصیبی کہ انہیں مجلس رضا کے دورِ انحطاط کے دو مشیر اور عہدیدار ایسے میسر آ گئے کہ جو شخص ۵۵ ریلوے روڈ لاہور کا رُخ اگر کر لے بالخصوص اگر وہ بارش ہوا تو پھر وہاں کا منظر ایک عجیب سماں پیدا کر کے زاغوں کے تصرف کے قریب تر کر دیتا ہے اور جس کے قصے زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از فضل رب

(ترجمہ)...... اللہ تعالیٰ سے ہم اس کا فضل چاہتے ہیں اس لئے کہ بے ادب گستاخ، خدا تعالیٰ کی بخشش سے محروم ہو گیا۔

---

[1] جناب خواجہ رضی حیدر اپنے مکتوب بنام میاں زبیر احمد صاحب، مورخہ یکم جون ۲۰۰۰ء میں جہاں بانی مرکزی مجلس رضا، حکیم محمد موسیٰ صاحب کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے ہیں وہیں ایسے قبیلِ قلیل کا تذکرہ کرنا بھی ضروری گردانتے ہیں، مذکورہ مکتوب سے ذیل میں متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ سے یقیناً مجھ کو ایک قلبی تعلق رہا ہے اور ان کی خدمات عالیہ کا معترف و مداح بھی ہوں۔ یہاں اکثر تذکرہ کرتا رہتا ہوں اگرچہ بعض پیشانیوں پر بل آ جاتے ہیں مگر میں نے اپنی بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ وہ یقیناً مسلک اہلسنت کے علمی محسن تھے۔ ان کی حوصلہ افزائی نے ایک فوج ظفر موج لکھنے والوں کی تیار کر دی اور آج اسی فوج پر ناز بھی کیا جا رہا ہے، لیکن حکیم صاحب'' کے تذکرہ پر ناک بھوں سکیڑی جا رہی ہے...... یہ ہم سنیوں کا عجب مزاج ہے۔''

مرکزی مجلس رضا کے ''حال'' کے حوالہ سے یہ چند ضروری باتیں ضمناً آ گئیں، تو بات ہو رہی تھی اہلِ حق کے تذکار کی، حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سنیّوں نے ہر بڑے آدمی کو زندہ درگور کر دیا۔ گزشتہ دنوں اس امر کا تذکرہ جب اہلسنت و جماعت کے مشہور محقق و مورخ مولانا محمد جلال الدین صاحب قادری سے کیا گیا تو مولانا موصوف نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے درحقیقت کسی شخصیت کو درخورِ اعتناء سمجھا اور نہ اس پر کبھی کام کرنے کی زحمت کی، اپنے اکابر کو صرف زندہ درگور ہی نہ کیا بلکہ بعد از وفات ان کی قبر کا نشان بھی مٹا دیا......
مرحوم پروفیسر محمد اسلم (ف ۱۹۹۹ء)، سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی اپنی کتاب ''خفتگان کراچی'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء) میں ــــ مزار مقدس حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی'' کے زیرِ عنوان یوں رقمطراز ہیں:

''قبر کے سرہانے کوئی کتبہ نہیں لگایا گیا مزار کی حالت بھی مخدوش ہے۔ مقبرے کا صحن اور فرش گرد سے اَٹے پڑے ہیں۔ مزار کے اردگرد لوگوں نے ناجائز تجاوزات کر کے مکان تعمیر کر لئے ہیں۔ وہ رفع حاجت کے لئے مزار کی سیڑھیاں استعمال کرتے ہیں۔ انا للہ۔ . .''

یُوں تو بعض لوگوں نے ہمیں اگرچہ قبر پرست مشہور کر رکھا ہے اور سچی بات یہ کہ جن قبور سے ہمارا معاش وابستہ ہو ان کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں اور اپنے اپنے بزرگوں کی کرامات صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے اور بیان کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے، لیکن صفِ اول کے مشاہیر کے لئے ہمارے ہاتھ شل ہیں اور ان پر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ــــ'' پاکستان کی تاریخ میں علماءِ حق کے کردار کو جو ہاتھ اُجاگر کر سکتا تھا وہ شُن ہو گیا۔'' ــــ
خدا کا شکر ہے کہ قیامِ پاکستان سے باون ۵۲ سال بعد حکومتِ پاکستان نے ۱۴۔ اگست ۱۹۹۹ء کے موقع پر حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۷۰ء) کی تحریکِ قیام پاکستان میں خدمات کے اعتراف کے طور پر یادگاری ٹکٹ جاری کیا ہے۔ ہمسایہ ملک کے ایک حکیم مولانا محمد عبدالمتین صاحب نعمانی اپنے اور ہمارے مرض کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ......

''بدقسمتی سے ہمارے مذہبی حلقوں میں علمی تحقیقی کاموں پر پیسے صرف کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے باعث ثواب ہونے پر اس درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین فاتحہ کی دیگیں پکوانے اور اسٹیج سجانے پر ہے ــــ افسوس..... ان اہل علم حضرات پر''[1]

ان ہی حالات کے پیشِ نظر حکیم صاحب ان مظلوم علمائے حق جن کے نام تاریخ سے مٹائے جا رہے ہیں

---

[1] مضمون ''تصحیح کنزالایمان ـ وقت کی اہم ضرورت'' مشمولہ مجلہ پیغام رضا، بہار (امام احمد رضا نمبر) شمارہ ۵۔ مطبوعہ ۱۹۹۷ء، ص ۴۹۳

اور ذہنوں سے محو کئے جا رہے ہیں اور جن کے مٹانے میں ہم نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی' ان کے لئے مضطرب[1] رہتے، وہ سمجھتے تھے کہ ان اہل حق کے افکار و کردار سے نئی نسل کو روشناس کرانا چاہیئے کیونکہ پاکستان میں شائع ہونے والی کتابیں ایک طرف تو علماءِ حق کے احوال سے خالی ہیں اور دوسری طرف ہمارے جمود و سکوت بلکہ مجرمانہ غفلت نے اور گہرے سائے کر دیئے ہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ علماء حق جوملت کی آبرو تھے ــــ جوملت کی آبرو ہیں ــــ اور جوملت کی آبرو رہیں گے، کے تذکار سے آج بھی روح کو بالیدگی اور جِلاء ملتی ہے، یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جسے تحریکِ پاکستان کی ایک مشہور کارکن نور الصباح بیگم نے اپنی کتاب ''پاکستان کی مشہور شخصیتیں میری نظر میں'' مطبوعہ لاہور (جوان کے چشم دید واقعات پر مشتمل ہے) میں ایک نکاح کی منعقدہ تقریب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ جس میں مرحوم چودھری خلیق الزماں وغیرہ مسلم لیگی اکابر شریک تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ مصر کے ایک محمد رمضان نامی راہنما کراچی میں ایک اسلامی اجتماع (شعوب الاسلامیہ) میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے، ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اس لئے وہ اپنی ہونے والی بیوی فاطمہ کو ہمراہ لے آئے۔ آگے چل کر نور الصباح بیگم رقمطراز ہیں کہ.....

''پیر علی محمد راشدی نے ہوٹل میٹروپول میں اس شادی کا انتظام کیا اور معززینِ شہر اور ان کی بیگمات کو مدعو کیا۔ دلہن کو تیار کر کے لانا ہمارے سپرد تھا۔ وہ مصری دلہنوں کے سفید لباس میں جو بالکل یورپین دلہن جیسا تھا سر پر رومال لگا کر تیار ہوئی اور بہت پیاری لگ رہی تھی ہم نے لا کر اس کو محفل میں دولہا کے قریب صوفے پر بٹھا دیا۔ اتنے میں نکاح پڑھانے مولانا عبدالحامد بدایونی تشریف لائے۔ اور جیسے ہی ان کی نظر محفل میں بیٹھی بے شمار خواتین پر پڑی اور دلہن کو انہوں نے دیکھا جو کھلے منہ دولہا کے پاس بیٹھی تھی۔ لاحول پڑھتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بہتیرا ان کو راشدی صاحب نے سمجھایا کہ یہ تو مصری لڑکی ہے مگر انہوں نے کہا میں ایسا نکاح نہیں پڑھا سکتا جہاں تمام عورتیں اور دلہن بے پردہ ہو۔''

آج ذرا آپ اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑایئے اور پھر مذکورہ بالا ماحول میں جائزہ لیجئے!......مولانا خادم

---

[1] ''مجھے بخوبی یاد ہے کہ حکیم صاحب کی مجالس میں جب کبھی تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کی جدوجہد کا تذکرہ اس تناظر میں موضوع بحث بنتا، وہ اکثر مغموم ہو جایا کرتے اور انہیں اپنوں کی غفلت، بے بسی، تساہل پسندی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک ٹیس ان کے دل میں اٹھتی اور ایک ایسا درد ان کے چہرے سے عیاں ہوتا کہ جسے کوئی دوسرا نہیں، بلکہ وہ خود ہی محسوس کر سکتے تھے۔'' (ایم۔ ایس ناز، ڈاکٹر۔ ''تقریظ'': ''حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان'' از جلال الدین ڈیروی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۸)

حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ہم میں کتنے علماء ایسے ہوں گے جو نکاح پڑھائے بغیر اٹھ کر واپس آ جائیں!!!۔۔۔۔
ایسے سیکڑوں حق گو، حق پرست اور حق شناس علماء کی مثالیں حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ذہن میں نقش تھیں اور ان علماء کو بھی قریب سے دیکھا تھا اور سنا بھی اور سب سے بڑھ کر یہ وہ خود بھی اسی راہ پر گامزن تھے کہ آج کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں حکیم صاحب کی ذاتِ گرامی ایسا روشن چراغ تھی جس کی روشنی کبھی ماند نہ ہوگی بلکہ جوں جوں وقت گزرے گا یہ روشنی بڑھتی ہی جائے گی۔ اگرچہ دین کے راہزنوں نے حکیم صاحب کا قافلہ راہ میں لوٹ کر کوئی اچھی مثال قائم نہ کی۔ راقم الحروف سمجھتا ہے کہ مرکزی مجلسِ رضا پر بظاہر جو تباہی آئی وہ نہ صرف مجلس کا ذاتی زیاں ہے بلکہ وہ پوری اہلسنت و جماعت کا نقصان ہُوا۔۔۔ اور ملتِ اسلامیہ کا!!!۔۔۔۔

حکیم صاحب اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے کیونکہ امام احمد رضا مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع دیکھنا چاہتے تھے اور یہی پیغام مجلسِ رضا احسن طریقہ سے سرانجام دے رہی تھی۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک دیرینہ رفیق برادر محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب مجددی زید مجدہٗ نے احقر کی توجہ اس جانب مبذول کروائی ہے کہ حکیم صاحب سے دیرینہ رفاقت اور بالخصوص مجلسِ رضا سے وابستگی کی بناء پر راقم الحروف مجلس کی مذکورہ تباہی کے پس منظر میں ان عناصر کی نشاندہی کرے جو اہلسنت و جماعت کے ایک فقید المثال اور دوررس نتائج کے حامل ادارہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے زوال کا سبب بنے!!!...... (یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس ادارہ نے آناً فاناً حق و صداقت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور مردہ و بے حس قوم کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی)، یہ تاریخ کا بنیادی اُصول ہے۔ جس کی یہاں وضاحت ضروری ہے کہ جب کوئی قلمکار یا ایک تجزیہ نگار اگر کسی بادشاہت یا سلطنت یا پھر کسی عظیم تحریک کے زوال کے اسباب پر اظہارِ خیال کرتا ہے تو وہ تاریخ کے طالب علم کو ان تمام وجوہ سے بتدریج آگاہ کرتا چلا جاتا ہے تاکہ اس کے زوال کے فوری اسباب بیان کر کے بحث کو سمیٹ سکے۔ چنانچہ ذیل میں مجلسِ رضا کے قیام سے لے کر اس کے زوال تک کا زمانہ جو اب ہماری ملی و مذہبی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، پر ایک طائرانہ لیکن ناقدانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

جب ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا کا قیام عمل میں آیا تو اس سے چند سال پہلے[1] اس وقت کے اخبار چٹان

---

[1] ''ملک کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب شورش کاشمیری صاحب نے ہفتہ وار چٹان لاہور میں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کو بدنام کرنے کے لئے اکابر اہلسنت پر بہتان تراشیوں اور دروغ بافیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔'' ...... ''ان دنوں احقر (یعنی حکیم موسیٰ صاحب) نے بھی ایک مضمون لکھا تھا جو قلمی نام سے ''سواد اعظم'' میں طبع ہوا تھا۔'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم۔ بعنوان ''اظہار حقیقت'' مطبوعہ ماہنامہ کنزالایمان، لاہور، جنوری ۱۹۹۳ء ص ۱۷ وحاشیہ ص ۱۷)

کے بانی اور مدیر آغا عبدالکریم شورش کاشمیری (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۵ء)، جو فکر امام احمد رضا پر حملہ آور ہوئے تھے اس کے بارے میں حکیم صاحب بخوبی آگاہ تھے۔ اندریں حالات ایسے فتنوں اور شورشوں کی سرکوبی کے لئے مرکزی مجلس رضا جیسے موثر ادارہ کا قیام اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماءِ پاکستان نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے ایک لیڈر مولانا عبدالحمید خان بھاشانی (۱۸۷۹ء۔۱۹۷۶ء) کے غلط نظریات جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھے، کا جواب دینے کے لئے دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دوروزہ آل پاکستان سنی کانفرنس کا انعقاد کر دیا[1]۔ اسی کانفرنس کے اختتام پر جمعیت کی قیادت نے الیکشن میں براہ راست حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان کیا تھا کہ ملک بھر میں سنی کانفرنسوں کا جال بچھ گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد جمعیت نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی اور باید و شاید، پھر خوش قسمتی سے اس وقت کی قیادت نے اسمبلی کے اندر اور باہر ایسا شاندار رول ادا کیا جس کی گونج آج بھی اسمبلی کے ایوانوں میں سنی جا سکتی ہے۔ اس حق گوئی کی بناء پر اہلسنت کا سر فخر سے بلند تھا اور وہ ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو رہے تھے حتیٰ کہ اہل سنت کے شدید مخالف بھی حیران و ششدر رہ گئے کہ ایک خالص مذہبی جماعت نے اب سیاسی قوت بھی حاصل کر لی، جو کسی گروہ یا جماعت کی زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مسلم لیگی عناصر جو مولانا محمد عبدالستار خان صاحب نیازی کے بقول "مجرم لیگی" تھے اس صورت حال سے پریشان دکھائی دیتے تھے کیونکہ قائدِ اہلسنت کی حق گوئی و بے باکی سے ان کے مفادات پر زد پڑتی تھی چونکہ مذکورہ قائد اس زمانہ میں جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے حقیقت کے ترجمان شاعر کی عملی تفسیر اس طرح پیش کر رہے تھے کہ:

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

---

[1] "۱۹۷۰ء میں جب سرخ استعمار کی شہ پر کمیونسٹوں نے اودھم مچایا اور "ایشیا سرخ ہے" "ایشیا سرخ ہے" کے نعرے لگانے شروع کئے تو ۱۹۷۰ء میں دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے اندر ایک آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد کر کے اشتراکی فتنہ کی تہ بہ تہ سازشوں کو بے نقاب کر کے انہیں فنا کے گھاٹ اتارا۔ اس سال جمعیت علماء پاکستان کو وسیع پیمانہ پر منظم کیا گیا۔ شیخ الاسلام حافظ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اس کے صدر اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نائب صدر منتخب ہوئے اور مولانا سید محمود احمد رضوی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اسی سال عمومی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے حصہ لیا اور آٹھ سیٹیں حاصل کر لیں۔ جمعیت علماء پاکستان نے تھوڑے عرصہ میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں متحدہ جمہوری محاذ نے علامہ شاہ احمد نورانی کو اپنا متفقہ امیدوار نامزد کیا"۔ (علی اکبر منصور، پروفیسر۔ "پاکستان کی دینی سیاسی جماعتیں" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۶۶ اور ۶۷)

لیکن کچھ علماءِ سنبھل[1] اور بعض علماءِ ہزارہ ایسے سازشی عناصر اپنے تئیں مذکورہ بالا "جدید ماحول" میں مجرم لیگ سے بھی زیادہ پریشان، اپنے تاریک مستقبل کی بابت فکر مند دکھائی دیتے اور پھر مل کر بھی سنبھلنے نہ پارہے تھے کیونکہ علماء محروم اور مجرم لیگیوں (آج کل محروم لیگ) کے مابین ایک قدر مشترک تھی اور وہ ہے مال بنانا، دین فطرت سے محبت کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے اہالیانِ پاکستان کی بدقسمتی کہ مذکورہ عناصر بزعم خویش رازدارانِ دین بن گئے اور مفتیانِ پاکستان کا لبادہ اوڑھ کر، تحریکِ پاکستان کے ان مقاصد کو فراموش کردیا، جن کا احیاء مبلغ اعظم حضرت ابُوالمحامد سید محمد محدث چشتی، اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس[2] (۱۹۴۶ء) میں کیا تھا کہ

> "یہی حقیقت بھی ہے۔ مسلم لیگ کا پروگرام عارضی ہے جو صرف پاکستان پر ختم ہو جاتا ہے اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا پروگرام دوامی ہے، پاکستان کی تعمیر کا"..... [3]

پھر چلتے چلتے ۱۹۷۸ء کا دور آیا جب جنرل ضیاء الحق کے ابتدائی ایام تھے۔ اسی سال اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ملتان میں آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کانفرنس نے ضیاء الحق سمیت پورے پاکستان کی آنکھیں کھول دیں۔ حکیم صاحب بھی بنفسِ نفیس اس کانفرنس میں شریک تھے اور اسی پلیٹ فارم سے "پاکستان سنی رائٹرز گلڈ" کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے پیچھے بانیِ مرکزی مجلس رضا کی فکر کارفرما تھی۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے تحریک پاکستان کے بزرگ راہنما خطیب مولانا محمد بخش مسلم (۱۸۸۷ء-۱۹۸۷ء) سے یہ استفسار کیا کہ بابا جی! آپ نے تحریکِ پاکستان کے دوران بے شمار کانفرنسوں کو دیکھا اور ان سے خطاب بھی فرمایا، کئی کانفرنسوں کا انعقاد بھی کیا..... آیا آج تک برعظیم پاک و ہند میں مذکورہ ایسی کانفرنس منعقد ہوئی تو مرحوم مولانا مسلم صاحب کا جواب نفی میں تھا۔ پھر ازاں بعد رائے ونڈ میں "نظامِ مصطفیٰ ﷺ کانفرنس" کا انعقاد کل پاکستان سطح پر ہوا۔ بس پھر کیا تھا کہ اہل سنت کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لئے چہار سو سازشیں شروع ہوگئیں !!! ...... بدقسمتی سے ضیاء الحق نے

---

[1] ضلع مراد آباد، بھارت کے ایک مشہور قصبہ کا نام

[2] صوبجات متحدہ کا مشہور شہر، جو ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ متحدہ ہندوستان کے نقشہ پر بنارس اس کا سنٹر واقع ہُوا ہے۔ ہر طرف سے آنے والوں کے لئے برابر فاصلہ پڑتا ہے اسی لئے مذکورہ بالا کانفرنس کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا۔

[3] دیکھئے: خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء، اشاعت اول۔ ص ۲۳ اور ۲۴

بعض مولویوں اور پیروں کی خدمات حاصل کیں اور جب علماء سوکو...... "علمائے کرام اور مشائخ عظام کو قومی زندگی میں ان کے شایان شان عزت واحترام کا مقام دینے"[1] ...... کے نام پر اور اس مکروہ آڑ میں، استعمال کرنا شروع کیا تو صدر جنرل ضیاء الحق (۱۶- ستمبر ۱۹۷۸ء تا ۱۷- اگست ۱۹۸۸ء) کے کچھ سیاسی وزیر ومشیر جو کہ کچھ عرصہ پہلے طالب علم راہنما رہ چکے تھے، انہوں نے پہلا وار اہلسنت و جماعت کی سیاسی قوت منتشر کرنے کے لئے ایک اہم کردار ادا کیا کہ مذکورہ آلۂ کار جمعیت کے لئے فی الواقع آلۂ مہلک ثابت ہوئے جس پر آنے والا مورخ لکھے گا!

...... "بات میری نہیں، بات ہے زمانہ کی!" ...... کوئی قلمکار اگر اس پر کھل کر اظہار خیال کریں تو بات شاید بن جائے گی۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقمطراز ہیں کہ...... "انہیں سبز باغ دکھا کر راستہ سے ہٹایا گیا"[2] ــــ چنانچہ بعض شہروں اور قصبات تک میں یہ وزیر کہیں لائبریری کے نام پر سرکاری رقم بانٹنے اور کہیں پلاٹوں کی لالچ دینے لگے اور کسی چھوٹے کارکن کو گیس کی ایجنسی اور کسی سجادہ نشین کو پٹرول پمپ کی ایجنسی الاٹ کروا کر توڑا گیا اور یوں "جماعت" کا شیرازہ منتشر ہوتا ہی چلا گیا۔ بدقسمتی سے ان لوگوں نے مجلس کے ایک آدھ کارکن سے بمصداق[3] اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْسِ راہ ورسم بڑھانے شروع کر دیئے اور یوں مجلس میں دانستہ یا نادانستہ نقب زنی میں ایک حد تک کامیاب رہے۔ مجلس کے زیر اہتمام انعقاد پذیر آخری سالانہ جلسہ۔ عرس امام احمد رضا (یوم رضا) منعقدہ ۲۸- اکتوبر ۱۹۸۶ء میں خطاب کرنے والے ایک مقرر شہیر جو اس سے پہلے آٹھ سال تک مجلس کے سالانہ اجلاسوں برائے یوم رضا سے خطاب کر چکے تھے، ایک اَن پڑھ مفتی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا، نے ضیاء مشن پر مامور ایک وزیر کی اشیر باد حاصل کرنے کی خاطر امام احمد رضا کا نام لے کر خطیب آف اتراء[4] (۱۹۴۰ء-۱۹۹۲ء) کی ڈاڑھی ناپنا شروع کر دی، سامعین کے لئے یہ بات کسی لطیفہ سے کم نہ تھی کیونکہ مذکورہ خطیب شہیر سالہا سال اپنے اسی چہرہ کے ساتھ مجلس کے جلسوں سے خطاب فرما چکے تھے۔ اس طرح مجلس کے اٹھارہویں سالانہ اور آخری یوم رضا پر مرکزی مجلسِ رضا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یوں انتشار و افتراق کی طرح ڈالی گئی۔ دھیان رہے کہ مسلک کے نام پر ڈاڑھی کی پیمائش کرنے والے تنگ نظر کٹھ ملا المعروف

---

[1] ہفت روزہ "حرمت" اسلام آباد۔ ۱۷ تا ۲۳ اگست ۱۹۹۱ء۔ کالم ۳، ص ۶۳ بعنوان "شہید صدر ضیاء الحق" از ابن قادر مصطفیٰ

[2] مسعود احمد، پروفیسر محمد: تقدیم "بات میری نہیں! بات ہے زمانے کی" (از ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری)، مطبوعہ ۱۹۹۵ء۔ ص ۳، آئینہ رضویات (حصہ سوم) مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۷ء۔ ص ۲۸۵

[3] کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز

[4] ملک محمد اکبر خان ساقی مرحوم

حاجی صاحب جون/جولائی ۱۹۸۶ء میں مجلس رضا کے حساب میں خیانت کے مرتکب پائے گئے جو مجلس رضا کے رو بہ زوال ہونے کا فوری سبب بنا۔ مزید برآں ستم یہ کہ مجلس رضا کے اس وقت کے صدر محترم میاں زبیر احمد قادری ضیائی (اور ادھر حاجی صاحب بھی قادری ضیائی ہیں) جو مجلس رضا کے بنک اکاؤنٹ کے جائنٹ سگنیٹری (Joint Signatory) بھی تھے، نے خازن مذکور سے کوئی باز پرس نہ کی حالانکہ صدر، مجلس کے متفقہ دستور میں دیئے گئے اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے بدعنوانی کے مرتکب مجلس کے کسی بھی عہدیدار کو برطرف کرسکتا تھا۔ نیز مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے متعلقہ دستور (منظور شدہ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۴ء) کے مطابق صدر مجلس اپنے فرائض میں شامل دفعہ ۷ شق (ز) کے تحت ''خازن کے حسابات آمد و خرچ کی نگرانی کرے گا اور رجسٹر حسابات پر توثیقی دستخط کرے گا''۔ [1] اس معاملہ میں چونکہ صدر موصوف خود مجرمانہ غفلت کا شکار تھے، لہٰذا انہوں نے مکمل سکوت کی راہ اختیار کرلی کیونکہ صدر ممدوح جو حاجی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھے، نے مجلس کے حسابات کے رجسٹر چیک کرنے کی کبھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اس طرح مجلس کے خزانچی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے! اور وہ کامگار ٹھہرے!!...... اور یہ بنیادی خرابی اور صدر مجلس کی ازحد سادہ لوحی و سادہ دلی پوری مجلس کو لے ڈوبی کیونکہ صدرِ مجلس ایک تو ''دوستوں'' کے حساب کتاب سے عاری اور دوسرے مندرجہ ذیل فلسفہ اور حقیقت سے بے خبر و ناآشنا تھے ــــــ اور بقول معروف دانشور محترم راجا رشید محمود کہ......

> ''چندے لینے والے اداروں اور اشخاص کا محاسبہ ہوتا رہے تو بہتر ہے ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام کے اخلاص و ایثار سے جمع ہونے والی رقم کسی ایسے مقصد کے لئے استعمال ہو جاتی ہے جو قوم کے حق میں اچھا نہیں ہوتا یا کوئی ایک آدھ آدمی وہ رقم ہضم کر جاتا ہے''۔ [2]

بہرکیف مذکورہ ڈاڑھی ناپنے کا ہنگامہ جو مجلس رضا کے خازن مذکور نے مجلس کے سابق صدر کی عاقبت نااندیشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی مدد و تائید سے ترتیب دیا تھا اس وقت مجلس کے بدخواہ خوش ہو رہے تھے، تاہم اس دوران جلسہ میں پیدا شدہ بدمزگی کو ختم کرنے کے لئے کسی من چلے نے مذکورہ ہنگامہ یہ کہہ کر ختم کیا کہ اس وقت مجلس رضا کا صدر بھی تو آخر ڈاڑھی منڈا ہے۔ خیال رہے کہ مجلس رضا کا یہ آخری جلسہ یوم رضا تھا، مجلس کا قافلہ جب تک مختصر رہا یہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا، لیکن جونہی اس میں بعض مولویوں، مفتیوں، مفتریوں اور بعض خودساختہ سجادگان بقلم خود بمصداق:

---

[1] ملاحظہ ہو۔ ''دستور مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور'' مطبوعہ مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۸

[2] دیکھئے: ''تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء'' مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء۔ ص ۲۰۵

ع ...... بے علم نتواں خدارا شناخت

اور چند بالشتیوں کا عمل دخل بڑھا، مجلس اپنے عروج کی منزلیں طے کرتی رو بہ زوال ہوگئی۔ اس پر طرہ یہ کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد علماء کرام، حکیم صاحب جو فکر رضا کے امین اور علمبردار تھے، کا ساتھ چھوڑ کر حاجی صاحب کے کیمپ میں چلے گئے کیونکہ حکیم صاحب کی موجودگی میں ان مولویوں کو اپنا قد اور کاٹھ بونا نظر آتا تھا، لیکن اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی کیونکہ حکیم صاحب کے ممدوح علماء کو حاجی صاحب کے سنگِ آستاں پر وہ مرتبہ و مقام مل گیا جس کے کہ وہ خواہش مند تھے۔ حکیم صاحب خود بھی فرمایا کرتے کہ ہمارا آج کا مولوی بغیر کریڈٹ Credit کے کوئی کام سرانجام نہیں دیتا، ہماری مجلس کامیابی کی راہ پر اس لئے گامزن ہے کہ اس میں کسی مولوی کا عمل دخل نہیں ...... بدقسمتی سے مجلس کا المیہ بھی کچھ ایسے حالات پر منتج ہوا کہ حکیم صاحب نے بعض مولویوں پر اعتماد کرنا شروع کردیا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ اس وقت کے مجلس کے صدر نے اپنی دستوری ذمہ داریوں کو ہرگز پورا نہ کیا اور پھر مذکورہ ٹریجڈی (حادثہ مرکزی مجلس رضا جس نے تمام اہلسنت و جماعت کو سوگوار کردیا) میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا؟ چنانچہ ایک بعد میں آنے والے مرحوم صدر مرکزی مجلس رضا حکیم محمد عارف قادری (م ۱۹۹۹ء) جو ۱۹۸۶ء کے آخری ایام میں بطور صدرِ مجلس میں آئے وہ اپنے مکتوب مورخہ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۶ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنرل سیکرٹری محمد نواز بٹ کے نام لکھتے ہیں:۔

> ''میں تقریباً تین سال قبل مجلس رضا لاہور کو ایک دینی، اشاعتی، تبلیغی غیر سیاسی اور دستوری ادارہ سمجھ کر اس میں شامل ہوا۔ میں اس ادارہ کو ایک عظیم ادارہ سمجھتا تھا ...... آج سے چند یوم قبل جب اس عظیم ادارہ کو قریب سے دیکھا تو اسے سیاسی اور غیر دستوری پایا۔ مجلس کا ہر شعبہ گزشتہ دو سال سے غیر دستوری طور پر چل رہا ہے۔ اس عرصہ کی کارروائیوں کو تحریر کیا جائے تو ایک نئی کتاب ''اجالے سے اندھیرے تک'' شائع کی جاسکتی ہے ...... ان حالات میں میں (یعنی حکیم محمد عارف قادری) مرکزی مجلس رضا لاہور کی صدارت (صدر کے عہدہ) سے مستعفی ہوتا ہوں......''

مذکورہ بالا اقتباس میں بعد میں آنے والے مرکزی مجلس رضا کے پنجم اور آخری صدر مرحوم حکیم محمد عارف قادری جو ایک آدھ ماہ مجلس کے صدر رہے، نے مرکزی مجلس رضا کی چند سالہ سابقہ کارروائی کو مجلس کے دستور کے مطابق نہ چلائے جانے کی جانب جو اشارہ کیا اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں ...... بہر حال سابق چہارم صدر مجلس کے پراسرار کردار اور مرکزی مجلس رضا کے مفادات کے خلاف سیاسی وابستگی اور مجلس کے کاز کو نقصان پہنچانے کا تفصیلی جائزہ مرکزی مجلس رضا کے مارچ ۱۹۸۴ء کے متفقہ دستور (جس کی طرف حکیم عارف قادری نے اشارہ فرمایا) کی روشنی میں لینا چاہیے اور یہ بے لاگ جائزہ، حکیم صاحب کی حیات مبارکہ پر ترتیب دی جانے والی کتاب

''ارمغان عقیدت'' اور مستقبل میں حکیم اہلسنت مرحوم پر آنے والی دیگر کتب اور مرکزی مجلس رضا کی تاریخ میں محفوظ کیا جانا چاہیے تا کہ متعلقہ کوئی گوشہ وا ہونے سے رہ نہ جائے اور ایک عمیق نظر سے مطالعہ کرنے والا کوئی تشنگی محسوس نہ کرنے پائے۔ چونکہ مجلس رضا اور اس کے بانی اور سرپرست کو الگ الگ خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا...... اور اسی طرح حکیم صاحب کے معتمد حضرات گرامی کو نظر انداز کرنا بھی ایک غیر مورخانہ کوشش ہی کہلائے گی!......

''حکیم صاحب کی یاد میں امکانی حد تک ان کے شایان شان ارمغان عقیدت کتاب کی صورت میں پیش کرنے کے لئے پاکستان بھر میں لکھنے والوں کو جو دعوت شرکت دی گئی، اس چٹھی پر ۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور کا پتہ درج ہے۔'' ...... لیکن انقلابات ہیں زمانہ کے کہ حکیم صاحب جس ماہنامہ ''مہر و ماہ'' کے مدیر مسئول رہے۔ اب چٹھی جاری کرنے والوں نے ''مہر و ماہ'' سے نصف صدی پر محیط حکیم صاحب مرحوم و مغفور کا رشتہ اخلاص و مودت ان کے وصال کے بعد فوری ختم کر دیا ہے!!!.... انا للہ وانا الیہ راجعون ---- دوسرے حکیم صاحب مرحوم کے ''معتمد علماء'' کے حوالہ سے یہ بڑے دکھ کی بات ہے اور کچھ توجہ طلب بھی کہ چند علماء کرام مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف اور محمد منشا تابش قصوری ہنوز مجلسِ رضا کے پہلے اور آخری روکڑیا اور تحویل دار حاجی صاحب مدظلہٗ کے ساتھ نباہ کر کے ادھر حق نمک ادا کر رہے ہیں اور ادھر حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہ) بمصداق...... ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم

اب بھی راہنمائی فرما کر ''سوگوران'' سمیت جملہ عناصر سے خبردار کر کے ان کی نشاندہی فرما رہے ہیں...... واضح رہے کہ ''ارمغان عقیدت'' کے مضامین کی Collection (بمعنی جمع، فراہمی، بٹورہ، جوڑا، اگاہی، چندہ اور اگرائی، وصولی، ذخیرہ،، بھنڈار) کے لئے ''سوگوران برادران'' (بالفاظ دیگر ماتمی گروپ) کی جانب سے جاری کئے جانے والے دعوت نامہ میں گرچہ ''سوگوران'' کا لفظ ہی مستعمل ہوا ہے!۔۔۔ لیکن ''چراغ تلے اندھیرا'' کے مصداق ''ارمغان عقیدت'' کے ارادت مند مرتبین کے لئے ایسی ترکیب کوئی نہیں کیونکہ عقیدت مندی کے ''ایرے پھیرے'' میں کسی قسم کے الفاظ پر کوئی قدغن لگائی ہی نہیں جاسکتی البتہ خدشہ ہے کہ سوگواران (کتب لغت میں اس کے معنی سوگی، ماتمی، سوگدار یا سوگوار، ماتم دار، رنجور، غمزدہ اور ماتم کرنے والا کئے گئے تاہم شرع شریف میں تین روز سے زیادہ سوگ منانے کی ممانعت ہے، ایسی بدعات سیئہ کی جانب امام احمد رضا نے اپنے اکثر فتاویٰ میں اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے!) کی جانب سے کوئی عزادارانہ یا حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے مشن کے ہی خلاف استقبال میں کہیں تعزیہ داری کا کوئی مستقل سلسلہ نہ چل نکلے جس کے لئے تادم آخر حکیم صاحب جدوجہد کرتے رہے ۔۔۔ اور سوگواران، حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی فکر کو فروغ دینے کی بجائے کہیں مجاورانہ رخ اختیار نہ کرلیں جس کا غالب اندیشہ ہے۔۔۔؟؟؟۔۔۔ ''مرکزی مجلس رضا۔ ماضی، حال اور

مستقبل''۔۔۔۔ زیرِ نظر عنوان میں چونکہ ''استقبال'' کا بھی ذکر تھا سو ضمناً چند ضروری باتیں آگئیں تاکہ مستقبل میں ایسی خرابیوں سے بچا جا سکے جو ایک اچھے بھلے معاشرہ کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں اور اس طرح اصل منزل نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ منزل جس پر حکیم صاحب مرحوم گامزن رہے؟۔۔۔۔ اور جس کے حصول کے لئے انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔

بات ذرا دور نکل گئی ہے۔ بات ہو رہی تھی حکیم صاحب کے ممدوح و معتمد علماء کرام کے حوالہ سے جنہوں نے اپنا دست مبارک محسن ملت، محقق عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیا جس نے ''ممدوح علماء'' کے کردار کو نہ صرف مشکوک اور مجلس رضا کے زوال پذیر ہونے کے بارہ سال بعد ''پراسرار'' بنا دیا اور انہیں کوئی راہ نہیں بجھائی دے رہی۔۔۔۔ تاریخ کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے، اس کے آہنی ہاتھ اور آہنی شکنجے سے بھلا آج تک کون بچا ہے؟؟؟۔۔۔۔ بعض لوگوں نے مذکورہ زخم سے بچنے کے لئے اگر ''صداقت اللہ کے حوالہ'' کر کے اپنی سی سعی کی۔۔۔۔ تاریخ کے کسی منفی کردار کو بذریعہ تاویل یا دروغ گوئی یا پھر حقائق و شواہد اور آیہ کریمہ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سے دانستہ روگردانی کر کے اسے مثبت پہلو میں جگہ دینے۔۔۔۔ اور ''بزعم خویش'' جائز وجوہ پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ ناکام ہی رہے، محترمی جناب منور علی چودھری روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کی اشاعت مورخہ ۱۰۔ فروری ۱۹۸۰ء میں یوں رقمطراز ہیں:۔

''......مگر مورخ کا حقیقت پسند قلم جب تاریخ کے صفحات پر رواں ہوتا ہے تو ان کے لولے لنگڑے اور مفاد پرستانہ جوازات کو مسترد کر دیتا ہے اور تاریخ میں ان کی بے غیرتی اور غداری کی داستانیں ہی نمایاں طور پر رقم ہوتی ہیں۔ مورخ یہ کم ہی لکھتا ہے کہ اپنی غداری اور بغاوت میں کوئی فتنہ گر کتنا سچا تھا۔ وہ تو بس قوم فروشی اور بے ضمیری کا لیبل ہر غدار کے ماتھے پر چپکا دیتا ہے، جسے خوف جرم سے رعشہ زدہ عذر جویانہ ہاتھ کبھی نہیں اتار سکتے۔''

محترم محمد عبدالستار طاہر صاحب مسعودی ''محسن اہلسنت '' (احوال و آثار علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری) جسے رضا دارالاشاعت لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا، میں '' چند اہم ادارے '' کے باب میں مجلسِ رضا کی کاوشوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

''فکری اور نظری اعتبار سے مرکزی مجلس رضا، لاہور اہلسنت و جماعت کا ایک معتبر ومشنری ادارہ رہا۔۔۔۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور دسمبر ۱۹۸۶ء میں سقوط ہوا...... سقوط کے وقت مجلس رضا کی مقبولیت بام عروج پر تھی۔۔۔۔

مرکزی مجلس رضا، لاہور نے اہلسنت و جماعت کولٹریچر کی اہمیت کا شعور دیا۔ اس کی بھر پور کوششوں سے ملک بھر میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ گویا ایک فکری انقلاب آ گیا۔۔۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور اہلسنت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس کی تاریخ مرتب ہونی چاہیے۔۔۔ علامہ شرف صاحب کی مرکزی مجلس رضا سے دیرینہ وابستگی رہی۔۔۔ بلکہ یوں کہہ لیں ان کی شخصیت بھی اسی تاریخ کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔۔۔ آیئے ان کے حصہ کی باتیں ان ہی سے سنتے ہیں۔"

علامہ محمد عبدالحکیم شرف صاحب قادری، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور، مرکزی مجلس رضا میں اپنی علمی خدمات شمار کرانے کے بعد مجلس رضا کے سقوط (جس وقت مجلس اپنے نقطہ عروج پر تھی) میں مرکزی اور اہم کرداروں کا تذکرہ بڑے "پراسرار" طریقہ سے کرتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے ذیل میں "محسن اہلسنت" سے ایک اقتباس......

"تقریباً اٹھارہ سال مرکزی مجلس رضا، لاہور کی مخلصانہ خدمات کے بعد جب جناب حاجی محمد مقبول احمد ضیائی قادری، مولانا محمد منشا تابش قصوری اور راقم الحروف (یعنی مولانا شرف) کو ۱۹۸۷ء میں مجلس سے پراسرار وجوہ کی بنا پر الگ کیا گیا۔۔۔"

ع: اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

شاید کسی ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہو!!۔۔۔ اب ایک دوسرے "معتمد علیہ" جناب تابش قصوری جہد مسلسل کے قائل، کتابوں کی کانٹ چھانٹ کے ماہر، مجلس رضا کی کتابوں کے نام تبدیل کرنے اور حق تصنیف کسی دوسرے کے تفویض کے لئے ید طولیٰ رکھتے ہیں۔۔۔ ع مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔۔۔ دیکھیے مسطور بالا "پراسراری" جو مرکزی مجلس رضا، لاہور کے لئے روا رکھی گئی، سے مولانا محمد منشا قصوری ۱۹۹۸ء میں کس صفائی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ "محسن اہلسنت" کے حواشی صفحہ ۱۲۴ سے مندرجہ ذیل اقتباس بحوالہ "نشان منزل"۔

"مجلس رضا، لاہور کے پلیٹ فارم پر بہت ہی عمدہ اور تاریخی کام کا آغاز ہوا۔ پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کا قیام عمل میں آیا۔ مجلس رضا، لاہور یگانوں اور بیگانوں کی نظر کا شکار ہوئی۔"

یہ بھی ایک تاریخی المیہ ہے کہ جب کسی قوم پر کسی وجہ سے ادبار آتا ہے تو وہ اس کی تاویل کے لئے مختلف بیچ گھڑ لیتی ہے۔۔۔ لیکن

ع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے!!

مندرجہ بالا اقتباسات کی اصل حقیقت کیا ہے ـــــ؟؟ اسے جانچنے پرکھنے اور سمجھنے کے لئے حکیم صاحب مرحوم ومغفور کے اس خط کا مطالعہ ضروری ہے جوانہوں نے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے بانی مرحوم سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۱ء) کے نام ایک مراسلہ کے جواب میں مورخہ ۲۱۔اپریل ۱۹۸۷ء کو لاہور سے تحریر فرمایا لیکن اس سے پہلے "پاکستان ـــــ حصارِ اسلام" مصنفہ پروفیسر محمد منور مرزا کی کتاب مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:۔

"پراپیگنڈے میں بڑی طاقت ہے۔ انسانی ذہانت نے ابلیسی کمال کے ساتھ ساز باز کر کے بددیانتی اور بے امانتی کے جن فنون میں بے پناہ ترقی حاصل کی ہے ان میں سے ایک فن پراپیگنڈہ ہے۔ پراپیگنڈے کا اصل مفہوم کچھ بھی ہو، آج اس کلمے کا مروج، بمعنی جھوٹ کی اشاعت ہے۔ جب ہم کسی خبر کو رد کرنا چاہیں تو کہتے ہیں چھوڑیئے صاحب یہ محض پراپیگنڈہ ہے، لیکن وہی خبر جب مسلسل سنائی جاتی رہے تو آہستہ آہستہ اثر کرنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ خود سنانے والے کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس نے یہ خبر گھڑی تھی یا یہ کہ اس میں صداقت کی مقدار کے مقابل دروغ کا حصہ بہت زیادہ تھا...... رفتہ رفتہ جب وہی پراپیگنڈہ کتابوں میں داخل ہو کر "مصدقہ حوالہ" بن جائے تو پھر صداقت اللہ کے حوالے۔"

مذکورہ بالا خط کا مکمل متن قارئین کرام کی خدمت میں ذیل میں پیش کیا جارہا ہے جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے مرکزی مجلس رضا سے اپنے لاتعلقی کے ٹھیک آٹھ ماہ چوبیس روز بعد سید ریاست علی قادری مرحوم کے نام تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو:۔

۷۸۶

محترم المقام جناب سید صاحب قبلہ! زید مجدکم

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف؟

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ یاد فرمائی کے لئے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ آپ نے مجھ فقیر پر تقیصر سے متعلق جن خیالات وجذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ میں قطعاً ان کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ اگر واقعی فقیر سے کوئی خدمت انجام پذیر ہوئی ہوتی تو میرے معتمد علماء مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف اور مولانا محمد منشا تابش قصوری ایک خائن وبددیانت اور خود ساختہ مولوی حاجی مقبول کے معاون ومددگار نہ بنتے اور سید شاہد علی نورانی صاحب بھی اس کے دست راست ثابت نہ ہوتے۔

حاجی کی بے پناہ بددیانتیوں او مجرمانہ خیانت نے مجھے مجلس سے دل برداشتہ کر دیا اور

مذکورہ ''نیک نہادوں'' نے اس حریص و بددیانت کی معاونت و وکالت کر کے میرے اور اپنے مابین نفرت و حقارت کی ایک حد فاصل حائل کر دی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ میری فکر اور سوچ تو صرف اس بات پر منتج نظر آتی ہے کہ شاید میری شبانہ روز کی اس محنت شاقہ میں اخلاص شامل نہ تھا۔[1]

خیر! جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور قوم و ملت کی نجات کیلئے کوئی مصطفیٰ کمال جیسا ''بے دین'' اٹھے اور ان تمام ملنث اللہ فی الارض[2] کو تختہ دار پر لٹکا دے۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مصطفیٰ کمال نے جن ملاؤں کو نیست و نابود کیا تھا وہ سب ''نام نہادسی'' ہی تھے۔ لیکن صوفیہ کرام اور علمائے حق پر اس کا ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ اس کے عہد کے ایک صوفی شیخ محمد حسین آرداسی کا خلیفہ حسین حلمی ایشق آج بھی سینہ سپر ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابیاں اور کامرانیاں صرف اس لئے حاصل ہوئیں کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی کامل بھی تھے اور صوفی وہ ہوتا ہے، جسے حرام و حلال کی تمیز ہوتی ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ مستقبل میں امام اہلسنت کا ذکر بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا اور ہر دور میں سید ریاست علی پیدا ہوتے رہیں گے جو اس رجل عظیم کی خدمات جلیلہ سے دنیا کو متعارف کراتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

قطع نظر اس سے ایک یہ بھی حادثہ ہے کہ

---

[1] ''میں تین مولویوں کو علمائے حق سمجھ بیٹھا تھا اور ان تین کے علاوہ ایک مولوی کے رشتہ دار کو خادم دین جان لیا تھا۔ ان عباد الدینار والدراہم سے تعلق کی بنا پر میں نے بہت کچھ کھویا، مگر دور حاضر کے اکثر مولویوں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم۔ مقالہ خصوصی ''اظہار حقیقت'' مطبوعہ ماہنامہ کنزالایمان، لاہور جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۱۷)...... مذکورہ بات تلخ ہے مگر سو فیصد درست، افسوس کہ

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے

[2] 'ملنث اللہ فی الارض'...... ''اس اصطلاح کو حضرت بابا محمد اعظم نوشاہی میروالی (۱۸۶۱ء۔۱۹۵۶ء) نے اپنی بے مثل تالیف ''بے مثل بشر'' کے دیباچہ میں استعمال کیا ہے اور اعلیٰ حضرت نے ''ملو'' لکھا ہے۔'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلسنت۔ مضمون ''اظہار حقیقت'' بحوالہ ماہنامہ ''کنزالایمان'' لاہور جنوری ۱۹۹۳ء، مشمولہ حواشی، ص ۱۷)

موجود الوقت سجادہ نشینان بریلی شریف بڑی فراخدلی سے خلافتیں بانٹتے پھرتے ہیں۔
چنانچہ مولوی حاجی مقبول ایسے خائن و بددیانت کو بھی بریلی شریف سے خلافت مل چکی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ایک پریشان و پراگندہ خیالات پر مشتمل مکتوب اس لئے آپ کی خدمت میں تحریر کیا جارہا ہے کہ آپ بھی میری طرح "مولوی" نہ ہونے کے باوجود خدمت مسلک حقہ میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اپنے خلوص اور حلقہ احباب کو ہمیشہ جانچتے رہیں۔ رب العزت آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو "نظر مولویاں" سے محفوظ و مصؤن رکھے۔ آمین ثم آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

والسلام مع الاحترام
محمد موسیٰ عفی عنہ
حکیم محمد موسیٰ امرتسری　　لاہور
۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور۔ ۷　　۲۱۔ اپریل ۱۹۸۷ء

حکیم صاحب علیہ الرحمہ جہاں ان گنت خوبیوں سے مالا مال تھے وہاں ان کی یہ عادت کریمہ تھی کہ بفحوائے حدیث مبارکہ کہ "لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرو" پر عمل پیرا تھے۔ دوران گفتگو ایک روز فرمانے لگے دیکھو! ہمارے آقا و مولیٰ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب لوگوں کو جمع کر کے پہلی دعوت دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ تو تمام حاضرین[1] نے بیک زبان اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے آپ کو صادق پایا اور آپ کو امین بھی۔ پھر حکیم صاحب گفتگو جاری رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ ایک مبلغ اور عالم دین کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کہ وہ مذکورہ ہر دو صفتوں سے متصف ہو تو پھر لوگ یقیناً اس کی بات پر کان دھریں گے اور اس کی بات دل میں اتر جائے گی ــــ ورنہ بمصداق

ع ــــ گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

حکیم صاحب کو مذکورہ بالا علماء کرام سے کوئی ذاتی کد تو تھی نہیں (وہ تو اہل حق کے تذکرے مرتب کرواتے رہے) اس لئے ان کا اختلاف محض لوجہ اللہ تھا کہ انہوں نے حکیم صاحب کی نسبت ایسے شخص کو ترجیح دی جس کا کوئی جواز نہ تھا اور نہ ہی یہ بات علماء کے شایان شان تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ ایسا انسان کتب چھاپ کر دین

---

[1] کہا تیری ہر بات کا یہاں یقین ہے
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے

حنیف کی بڑی خدمت سرانجام دے رہا ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ دینی کتب تو ہندو اور دیگر غیر مسلم اب بھی طبع کرا کر مالی منفعت حاصل کر رہے ہیں!...... جس کی واضح مثال جے ایس سنت سنگھ تاجران کتب لاہور کی ہے، جو قرآن مجید کا سب سے بڑا ناشر اور طابع تھا۔

الغرض مرکزی مجلس رضا کی تباہی و بربادی (جس سے یقیناً سواد اعظم کو دھچکا لگا اور اس کے سقوط سے اہلسنت کی جمعیت کے مستقبل اور ان کی اجماع حیات پر جو مضرت رساں اثرات مرتب ہوئے ان سب عوامل سے آگاہی کی ضرورت ہے) میں جو کردار سامنے آئے ان کی ایک جھلک بتدریج آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے۔ مجلس رضا کی عمارت زمین بوس ہونے کے ردعمل کے طور پر ''آہ! مرکزی مجلس رضا لاہور" کے زیر عنوان جو پمفلٹ ان ہی ایام میں منظر عام پر آیا اور اسے مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور نے طبع کیا، اس پر آشوب باب کو محفوظ کرنے کے لئے اگلے صفحات میں ہم اسے من وعن نقل کریں گے تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو صحت بخش مواد کی فراہمی میں فوری استعمال کے لئے موجود حوالہ (Ready Reference) میسر آ سکے اور عوام الناس مذکورہ افسوسناک صورت حال سے آگاہ ہو سکیں —— پیش نظر سطور قلمبند کی جا رہی تھیں کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک معتمد ساتھی اور دیرینہ رفیق کار مکرم جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا زید مجدہ نے اپنی ایک مندرجہ ذیل تازہ نظم مرحمت فرمائی جو برمحل ہے اور آگے چلنے سے پہلے نذر قارئین ہے، ملاحظہ فرمائیے:

آہ مرکزی مجلس رضا لاہور

آہ کس بد اصل نے پھیلائی وحشت سربسر
مرکزی بزمِ رضا کو کھا گئی کس کی نظر؟

غاصب و جابر وہ حاجی بن گیا پیرِ مغاں
بندۂ بدکار ہے وہ بے حیا و بے خبر

دندناتا پھرتا ہے سفاک و ظالم رُوسیہ
جس کے دل میں نام کو بھی ہے نہیں خوف و خطر

حضرتِ مُوسیٰ کی رُوح پُرفتوح لائے کی رنگ
دیکھنا کس طور پھرتا ہے وُہ ظالم در بدر

رُوحِ عبدِ مصطفیٰ کا بھی ہے وہ معتوب اِک
نیست و نابود ہو گا اس کا اِک دن کروفر

ہے وُہ بد بختِ ازل مقبولِ شیطان بد چلن
راندۂ درگاہِ ایزد ہے وُہ فردِ بد گہُر
سرغنہ ہے رہزنوں کا، دیں فروشوں کا نقیب
ہو نہیں سکتا کسی کی بات کا اُس کو اثر
بیچ دے اپنا نہ کیوں وہ مذہبِ عزّ و شرف
حکمِ خالق سے ہے جو بیگانۂ سمع و بصر
ہو گیا رُسوائے عالم اے فِداؔ وہ بدقماش
کیوں پکار اٹھیں نہ ہمدم الامان و الحذر

اب مذکورہ بالا پمفلٹ ''آہ مرکزی مجلس رضا لاہور'' (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) جسے محمد رفیق جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس امام اعظم نے مرتب فرمایا تھا ذیل میں درج کیا جا رہا ہے ملاحظہ ہو۔

آہ مرکزی مجلس رضا لاہور

اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم تبلیغی و اشاعتی ادارہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے نام سے دین متین کی قابل ذکر خدمت[1] کر رہا تھا۔

۱۹۶۸ء سے آخری سانس تک اس ادارے نے اعلائے کلمۃ الحق کا ایسا نمایاں کام کیا کہ حق و صداقت سے محبت اور لگاؤ رکھنے والوں کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ ہر سنی مسلمان کی یہی تمنا تھی کہ اس کی زندگی میں اس ادارے پر بڑھاپا نہ آئے بلکہ یہ اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ رواں دواں رہے۔ آخر وہ دن بھی آیا جب اہلِ سنت و جماعت نے ۱۲ مارچ ۱۹۸۷ء کے روزنامہ جنگ میں یہ خبر پڑھی۔

---

[1] جناب پروفیسر محمد فیاض کاوش مرحوم (ف۔ ۱۹۹۹ء)، سابق استاد شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص سندھ نے مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمت سے متاثر ہو کر ۱۹۷۴ء میں اپنے جذبات کا اظہار درج ذیل نظم میں فرمایا تھا۔

اعلیٰ حضرت کی یادگار ہے یہ　　مرکزی مجلس رضا لاہور
عاشقانِ رسول کا مرکز　　مرکزی مجلس رضا لاہور

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

مرکزی مجلس رضا ختم کردی گئی

لاہور (پ ر) مرکزی مجلس رضا کی انتظامیہ اور مجلس عاملہ کے فیصلہ کے مطابق مرکزی مجلس رضا کو مکمل طور پر ختم کردیا گیا۔ اور مرکزی مجلس رضا کا تمام اثاثہ حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری کے حوالہ کردیا گیا اور عمارت مسجد رضا، مدرسہ ضیاء الاسلام اور رضا فری ڈسپنسری اہل محلّہ کے حوالے کردیئے گئے۔

اخبار میں یہ بیان شائع کروانے سے پہلے مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ العالی نے ۸ مارچ ۱۹۸۷ء کو مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنرل سیکرٹری جناب نواز بٹ صاحب کے نام ایک خط ارسال فرمایا جس سے مرحومہ مجلس رضا کے بارے میں کئی ایک باتوں کا انکشاف ہوجاتا ہے۔ مولانا شرف قادری صاحب سنیوں کے ایک معروف صاحب قلم جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک مدرس بلکہ روح رواں اور مکتبہ قادریہ کے کرتا دھرتا ہیں۔ مکتبہ

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

مصدرِ عشق، منبعِ الفت　　مرکزی مجلس رضا لاہور
زمزمہ خواں حدیث احمد کی　　مرکزی مجلس رضا لاہور
ہے منور یہ نورِ احمد سے　　مرکزی مجلس رضا لاہور
رہبرِ منزلِ حقیقت ہے　　مرکزی مجلس رضا لاہور
راہِ عرفان بتائے گی تم کو　　مرکزی مجلس رضا لاہور
ترجمان ہے نکاتِ پنہاں کی　　مرکزی مجلس رضا لاہور
محرم رازِ معرفت ہے یہ　　مرکزی مجلس رضا لاہور
ہے مبلغ یہ دینِ فطرت کی　　مرکزی مجلس رضا لاہور
نور پھیلائے گی یہ شریعت کا　　مرکزی مجلس رضا لاہور
عشق محبوبِ رب سکھائے گی　　مرکزی مجلس رضا لاہور
اور آدابِ دیں بتائے گی　　مرکزی مجلس رضا لاہور
مصطفےٰ کی رِضا میں راضی ہے　　مرکزی مجلس رضا لاہور
معرفت کی تری شعاعیں ہیں　　مرکزی مجلس رضا لاہور

میں نے دل میں بسائی ہے کاوش
مرکزی مجلس رضا لاہور

قادریہ لاہور کے لیٹر پیڈ پر لکھے ہوئے موصوف کے مذکورہ خط کی نقل ملاحظہ ہو:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم نواز بٹ صاحب، جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس رضا، لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کے علم میں ہے کہ راقم مجلس رضا' لاہور کا بنیادی رکن بھی نہیں ہے۔ البتہ اہل سنت و جماعت کا اہم اشاعتی ادارہ ہونے کی حیثیت سے اسکے ساتھ دیرینہ قلبی تعلق رکھتا ہے۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے احتجاجی استعفاء کے بعد میں نے یہی محسوس کیا کہ حکیم صاحب کسی صورت میں الاستعفاء واپس نہیں لیں گے اور یہ عظیم ادارہ ختم ہو جائیگا۔ اسی خیال کے تحت حاجی مقبول احمد صاحب سے کہا کہ آپ کام کرتے رہیں' دوسری طرف حکیم صاحب مدظلہ سے مسلسل رابطہ رکھا کہ وہ جس صورت میں پسند کریں مجلس رضا لاہور کو دوبارہ اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ آج بھی میری یہی آرزو ہے اور یہی دعا ہے۔

اب سننے میں آرہا ہے کہ بعض دوست یہ تاثر دے رہے ہیں۔ کہ میں نے حکیم صاحب مدظلہ کے مدمقابل کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ یہ تاثر نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ میرے لیے تکلیف دہ بھی ہے میری رائے یہ ہے کہ مجلس صحیح طور پر اسی وقت کام کرسکتی ہے جب اسے حکیم صاحب کی سرپرستی حاصل ہوگی لہٰذا میں آج سے مجلس رضا سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں اور آپ سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ مجلس کا کام جہاں ہے اسے وہیں بند کردیں تا وقتیکہ حکیم صاحب اپنی سرپرستی میں نہیں لے لیتے۔ [1]

والسلام

محمد عبدالحکیم شرف قادری

مرکزی مجلس رضا لاہور ایک ایسا عظیم الشان تبلیغی و اشاعتی ادارہ تھا جس نے اہل سنت و جماعت کی مردہ

---

[1] حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کے مرکزی مجلس رضا لاہور کو خیر باد کے اپنے حتمی فیصلہ (۲۷۔ جولائی ۱۹۸۶ء) کے سات ماہ گیارہ روز بعد، مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مجلسِ رضا سے ازخود نہ صرف لاتعلقی کا اظہار فرماتے ہیں بلکہ اپنے مذکورہ بالا خط میں اس کو ختم کرنے کا حکم صادر کرتے ہیں، لہٰذا اس کے بعد مولانا موصوف کا یہ ارشاد کہ ''۱۹۸۷ء میں انہیں مجلس سے پراسرار وجوہ کی بنا پر الگ کیا گیا'' کسی طرح درست نہیں!

چھپا رکھا تھا جس کو مدتوں سے دل میں اے انور
ہزار افسوس وہ شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

رگوں میں ایک مدت سے زندگی کی لہر دوڑا رکھی تھی اس کی تبلیغی مساعی کا دائرہ ملک کے اندر ہی محدود نہیں تھا بلکہ دنیا کے کتنے ہی ممالک میں اس کی پیش کردہ نگارشات پہنچ رہی تھیں اور لوگ فیضیاب ہو رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حق وصداقت سے لگاؤ رکھنے والے ہر ذی ہوش سنی کی یہی تمنا تھی کہ یہ ادارہ ہمیشہ قائم رہے اور اس کا تبلیغی دائرہ اور وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔ اسی کارکردگی کے باعث اہل حق کے دلوں میں مجلس رضا کے ہر کارکن کا احترام تھا اور خصوصاً حکیم اہلسنت، جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ تو حق پرستوں کے دلوں میں بس گئے تھے اور ہمیشہ دلوں میں بسے ہی رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

انہیں دیکھ کر خوشی سے ہوئیں خندہ زن بہاریں
وہیں پھول مسکرائے وہ گزر گئے جہاں سے

جب اہل سنت وجماعت کے باخبر افراد نے مرکزی مجلس رضا کے ختم ہونے کی خبر پڑھی یا سنی ہوگی تو ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی؟ کیا اہل علم ودانش خوان کے آنسو نہ روئے ہوں گے؟

ان مہربانوں اور کرمفرماؤں کو جرات وجسارت، دانائی ودوراندیشی اور تقویٰ وطہارت کی داد بھلا کون دے سکتا ہے جنہوں نے اپنے ہی ایسے عظیم الشان، قابل فخر اور مفید ترین تبلیغی ادارے کا خود اپنے ہاتھوں خون کر کے بدخواہوں کو اپنے گھروں میں چراغاں کرنے کا موقع فراہم کر دیا[1]۔ مجلس رضا سے قلبی لگاؤ رکھنے والا کوئی ان مہربانوں سے پوچھے تو سہی کہ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ اسے کس گناہ کے بدلے قتل کیا گیا؟ کیوں دن دہاڑے اور سربازار اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا؟ سینوں پر یہ قیامت ڈھانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟

واقعہ کچھ یوں ہوا کہ مجلس رضا ہی کے ایک ذمہ دار کارکن[2] نے بڑی حد تک اس کی جان نکال تھی۔ جب محترم حکیم صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو دل برداشتہ ہو گئے۔ جبکہ اس عہدیدار نے حسب منشاء کاغذات کا پیٹ[3] بھرا ہوا تھا۔ جناب حکیم صاحب نے احتجاجاً مجلس رضا سے استعفاء دے دیا

---

[1] کیونکہ مرکزی مجلس رضا کی مساعی سے مخالفین کافی پریشان تھے۔

[2] اشارہ بجانب حاجی مقبول احمد قادری ضیائی، سابق خازن اول مرکزی مجلس رضا لاہور

[3] خودساختہ اور بعض سادہ رسیدوں سے نہ صرف کاغذات میں خانہ پری کی گئی تھی بلکہ حساب میں بھی گڑبڑ تھی، کسی رسید پر بھی صدر مجلس کے دستخط ثبت نہ تھے جس سے مجلس کے خازن کو کھلی چھٹی مل گئی۔ اور دوسری طرف صدر مجلس نے ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مجلس کا کوئی اجلاس طلب کرنے کے بجائے "سکوت" ہی میں عافیت سمجھی اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اغماض سے کام لیا۔

کیونکہ وہ خائنوں[1] کا ساتھ نہیں دے سکتے

تھے۔ مجلس رضا کی جان نکالنے والے صاحب نے بعض علمی و روحانی[2] ہستیوں کی پناہ حاصل کرلی۔ اور شکریے میں مجلس رضا کی رہی سہی جان ان حضرات پر نچھاور کردی۔ اب مجلس رضا کو غسل و کفن دے کر اس پر جامعہ نظامیہ میں نماز جنازہ پڑھ دی گئی۔ اور مرحومہ کی لاش کو ایک ٹرک میں لدوا کر حکیم صاحب کی دکان پر بھیجا گیا کہ حضور والا! اپنی چہیتی مجلس کو اپنے مکان کے صحن میں دفن کرلینا تاکہ آپ کے چاہنے والوں اور اس کے سوگواروں کو فاتحہ خوانی میں آسانی رہے۔ حکیم صاحب نے یہ کہہ کر اس لاش کو واپس کردیا کہ جامعہ نظامیہ کا صحن اس کے مزار

---

[1] مجلس کے خائن خازن نے پھر یہ دعویٰ داغ دیا کہ وہ اپنی ذاتی رقوم (حالانکہ اس بات میں کوئی حقیقت نہ تھی)، مرکزی مجلس رضا کے حساب میں جمع کراتے رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہ تھا اور نہ ہی مجلس کے دستور میں ایسی کوئی شق۔ اور اس وقت کی مجلس کے صدر (میاں زبیر احمد قادری ضیائی) کے بقول، حالانکہ خازن مذکور کے دو مختلف ذاتی بنک اکاؤنٹس بھی تھے، لیکن صدر مرکزی مجلس رضا چونکہ اس وقت خازن موصوف کے ذاتی طور پر مقروض بھی تھے اس لئے انہوں نے مجلس کا اس وقت کوئی اجلاس طلب نہ کیا اور نہ ہی خازن مجلس سے کسی قسم کی باز پرس کی بلکہ صدر ممدوح نے سب کچھ جانتے بوجھتے طویل چپ سادھ لی تو اندریں حالات بانی مجلس حکیم محمد موسیٰ صاحب نے مرکزی مجلس رضا سے (اگرچہ بعض لوگ اب بھی حکیم صاحب قدس سرہ کا نام نام مرحومہ مرکزی مجلس رضا کے لئے بیدریغ استعمال کررہے ہیں) آئندہ ہمیشہ کے لئے بطور احتجاج، اپنا تعلق اور سرپرستی ختم کرلی۔ غرض آخری صدر مجلس محض اپنی ذاتی اغراض اور سونپے گئے طے شدہ پروگرام (جس سے ملک کے بعض دانشور باخبر ہیں) کی تکمیل کرتے ہوئے، ایک عظیم ادارے کا خون کرنے میں شریک ہوگئے۔ اب ان لوگوں کا ایک دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجئے، جس سے بات واضح ہوجائے گی کہ انہوں نے حکیم صاحب کے حلقہ احباب کو کم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور حکیم صاحب کی تقریب چہلم منعقدہ ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء کے موقع پر ایک ایسے مولانا کو اسٹیج پر خطاب کی دعوت دے دی جنہوں نے خائن خازن کا ہاتھ تھام لیا تھا چنانچہ مدیر "ماہنامہ نعت" لاہور (جون ۲۰۰۰ء) میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

> "۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء کو محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا چہلم بعد نماز جمعہ دربار داتا گنج بخش میں منایا گیا۔ منتظمین نے ایسے ظالموں سے بھی تقریریں کروائیں جنہوں نے مرکزی مجلسِ رضا کا خاتمہ کیا اور اس کا پیسہ کھا جانے والوں کے ساتھی تھے۔ نیز حضور رسولِ انس و جاں ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرنے والوں کو گفتگو کی دعوت دی گئی۔ اس لئے مدیر نعت اپنے ساتھیوں سمیت اجلاس سے چلے آئے۔"

[2] حاشیہ کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۷۵

کے لئے زیادہ موزوں ہے...... دریں حالات ۱۲ مارچ کے جنگ لاہور میں جو یہ خبر شائع کروائی گئی کہ۔

''مرکزی مجلس رضا کا تمام اثاثہ حکیم اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری کے حوالہ کر دیا گیا؟''

خدا شاہد ہے کہ اس خبر کا صداقت سے ایک فیصد بھی تعلق نہیں ہے۔

اب رہا مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب والا معاملہ۔ موصوف بڑے صاحب علم وفہم ہیں، لیکن ان کے مذکورہ خط سے تو چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں۔ بقول ان کے وہ مرکزی مجلس رضا کے بنیادی رکن بھی نہیں تھے بلکہ مجلس سے صرف دیرینہ قلبی تک تعلق تھا لیکن حکیم صاحب کے مستعفی ہو جانے کے بعد ان کے مقام پر بلکہ منزلوں آگے مولانا شرف صاحب ہی نظر آتے ہیں جیسا کہ مذکورہ خط میں انہوں نے خود بتایا کہ موصوف نے مجلس رضا

(حاشیہ صفحہ 245)

۲ان روحانی ہستیوں کا تعلق لاہور کی دینی درسگاہ ''جامعہ نظامیہ'' سے تھا۔ اب بجائے اس کے کہ مفتیان جامعہ اور حضرات اساتذہ کرام اسلام میں ''امانت میں خیانت'' کا کیا حکم ہے؟ واضح کرتے، انہوں نے خیانت کا راستہ بند کرنے کی بجائے الٹا اس بات کا مذکورہ "خازن" کو حکم دیا کہ یہ سلسلہ (خیانت کا کام) جاری رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ مولانا شرف قادری، استاذ جامعہ خود ہی فرماتے ہیں کہ......

''اس وقت میں نے محترم حاجی محمد مقبول احمد قادری ضیائی مدظلہ سے عرض کیا تھا کہ
''حاجی صاحب اشاعت کا کام ہر قیمت پر جاری رکھیں
اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے کہ انہوں نے میری درخواست کی لاج رکھ لی۔''
(دیکھئے۔ ''محسن اہل سنت'' مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، ص ۱۵۱)

کاش کہ یہ حضرات کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حق وصداقت کے علمبردار حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کا ساتھ دیتے، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ فیاللعجب!

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

۱ حقائق وقرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب ''آہ مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے خدشات صحیح تھے کیونکہ مرکزی مجلس رضا کی تعمیر کردہ مسجد رضا ومدرسہ ضیاء الاسلام (واقع چاہ میراں لاہور) میں مجلس کے متوازی جو تنظیم ''رضا اکیڈمی'' کے نام سے ۱۹۸۷ء میں قائم کی گئی اس کے بانی مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، سرپرست اعلیٰ مولانا مفتی عبدالقیوم مہتمم جامعہ نظامیہ اور جامعہ ہی کے ایک استاذ فارسی مولانا محمد منشا تابش قصوری سرپرست اور مشیر قرار

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

ے خزانچی کو کام جاری رکھنے کا حکم فرمایا تو انہوں نے سر جھکا کر تعمیل ارشاد کی اور یہ بالکل نہیں کہہ سکے کہ حضرت آپ تو مجلس رضا کے بنیادی رکن بھی نہیں' لہٰذا مجھے یہ حکم آپ کس حیثیت میں دے رہے ہیں؟ اسی طرح مجلس رضا کے آخری جنرل سیکرٹری جناب نواز بٹ صاحب کو حکم دیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

دیئے گئے۔ان ''محبان رضا'' نے مذکورہ مدرسہ اور مسجد رضا میں داخل ہوتے ہی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی جاری کردہ یوم رضا کی ملک گیر اور ہمہ گیر تحریک کو اس کے مرکز لاہور ہی میں دفن کر دیا اور سارا زور حاجی مقبول احمد قادری ضیائی کی دیانت وامانت کی گواہی دینے پر صرف کر دیا۔اور سچ ہے۔ ع

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

چنانچہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری رقمطراز ہیں کہ

''جناب محترم حاجی محمد مقبول احمد قادری ضیائی مدظلہ العالی اور ان کے رفقاء (؟) نے رضا اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ حاجی صاحب نے مجلس رضا کے پلیٹ فارم پر تیرہ سال کام کیا اور رضا اکیڈمی کے تحت انہیں کام کرتے ہوئے بارہ سال ہونے کو ہیں...... مومنانہ تب وتاب رکھتے ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ خلوص اور محبت کا پیکر ہیں......ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ رضا اکیڈمی کو مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی ایسا پیکر اخلاص اور عمل پیہم پر یقین رکھنے والا دست وبازو مل گیا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ وہ بجائے خود ایک اکیڈمی ہیں''۔

اب جامعہ کے استاذ فارسی کی بھی سنیئے' ان کے جاری کردہ ''سرٹیفکیٹ برائے امانت ودیانت'' کے الفاظ کے تیور، درج ذیل اقتباس میں ملاحظہ ہوں۔ مولانا منشا تابش قصوری ''وہندا دریا'' (یا پھر بہتی گنگا؟) مطبوعہ ۱۹۹۲ء میں یوں رقمطراز ہیں:-

''رضا اکیڈمی دے کرتا دھرتا حاجی مقبول احمد قادری ضیائی تے انہاندے (اوہناں دے) نال جنے وی ساتھی، سجن تے بیلی نے (نیں) انہاں (اوہناں) ساریاں نے حاجی صاحب تے بڑا اعتماد کیتا ہویا اے، حاجی صاحب وی پوری امانت تے دیانت نال کم کر کے اپنا تھاں تھاں تے ناں بنالیا اے، انہاندی (اوہناں دی) سچائی دی گواہی انہاندے (اوہناں دے) کم دے رہے نے (نیں)، وڈے وڈے عالماں تے لکھاریاں نے انہاں (اوہناں) دی کارکردگی نوں بڑا پسند کیتا اے، حاجی صاحب نے جدوں دا ایہہ کم سنبھالیا اے اودوں (اوہدوں) دے او بڑے ای رج گئے نے (نیں)......''

"مجلس رضا کا کام جہاں ہے اسے وہیں بند کردیں"۔

تو وہ بھی تعمیل ارشاد پر مجبور نظر آئے اور موصوف کے سامنے کان بھی نہیں ہلا سکے۔ یوں محترم شرف صاحب نے واضح کردیا کہ وہ حکیم صاحب کے مدمقابل نہیں بلکہ متبادل کی حیثیت میں کھڑے ہوئے اور مجلس رضا میں حکیم صاحب سے بھی بدرجہا اونچی اپنی حیثیت متعین کی جس سے وہ مجلس رضا کے کمانڈران چیف یا بے تاج بادشاہ بلکہ مطلق العنان ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کر گئے کہ نہ انہیں مجلس رضا کے اراکین سے مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور نہ مجلسِ عاملہ سے فیصلہ کروانے کی۔ یعنی اپنے چندروزہ دور میں موصوف ہی سب کچھ تھے اور باقی سب سے بے نیاز۔ ہائے افسوس!

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کاش! مرکزی مجلس رضا کی جان کھینچنے والے اور اسے ختم کرنے والے خوف خدا اور خطرہ روز جزا کو مدنظر رکھتے۔ میدان محشر کی ہولنا کیوں سامنے نہ رہی کہ سورج سوانیزے پر ہوگا' جس کی تپش سے زمین تپ کرتا بے کی طرح ہو جائے گی۔ اسی تپتی ہوئی زمین پر کھڑا کر کے داور محشر حساب لے گا جبکہ حضرات انبیاء کرام بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ لہٰذا مجلس رضا جیسے اہل حق کے عظیم الشان تبلیغی ادارے کی جان نکالنے والے اور اسے ختم کرنے والوں سے:۔

جب سرِ محشر وہ پوچھے گا بلا کے سامنے
کیا جوابِ جرم دیں گے یہ خدا کے سامنے

(محمد رفیق۔ "آہ مرکزی مجلس رضا لاہور" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۳۔۸)

مذکورہ بالا اسناد و شواہد دیکھنے کے بعد قارئین و ناظرین یقیناً ان عناصر کے ذکر سے کبیدہ خاطر ہوں گے جن کی حرص و طمع نے مرکزی مجلس رضا لاہور ایسی عظیم الشان تحریک کا خون کردیا...... وہ تحریک جسے حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا "کلمہ حق" مرتبہ مولانا عبدالحکیم خاں صاحب اختر مطبوعہ ۱۹۸۷ء کے ابتدائیہ میں "حکیم اہل سنت سے بیوفائی" کے زیرعنوان، ناظم ادارہ غوثیہ رضویہ لاہور قمطراز ہیں کہ......

"حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی، جنہیں شیخ العرب والعجم قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۹۸۱ء) نے "حکیم اہل سنت" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اہل سنت کو "انقلاب از کتاب" کا درس دیا اور ہر محاذ پر علمی، دینی اور ملی کام کرنے والوں کی راہنمائی کی۔ چنانچہ آج اشاعت کتب

کے سلسلہ میں جو انقلاب نظر آرہا ہے، یہ حکیم صاحب ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ موصوف کے شائع کردہ لٹریچر کے اثرات برصغیر[1] (برعظیم) پاک و ہند کے علاوہ تمام مغربی ممالک میں بھی پھیل گئے اور مخالفین اہل سنت تو کیا مستشرقین نے بھی آپ کی اس قابل قدر خدمت کا اعتراف کیا۔ مگر جولائی ۱۹۸۶ء کے آخر میں حکیم صاحب نے ''مجلس رضا'' سے لاتعلقی کا اعلان کر کے دردمندان اہل سنت کو یاس و نا امیدی میں مبتلا کر دیا...... اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر ہم ایسی کتاب[2] مرتب کرنا چاہتے ہیں، جس سے عوام الناس اس کے اسباب و وجوہ جان کر حق و باطل میں صحیح امتیاز کر سکیں......''

محترم مختار جاوید منہاس، مدیر ماہنامہ ''حسنِ عمل'' لاہور اپنے ایک مضمون ''چہ دلاور است دزدے'' میں مذکورہ بالا دلخراش صورت حال کے اسباب و علل پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''مال و دولت جمع کرنے کی حرص، جاہ طلبی، ناموری، عزت و مرتبہ اور لوگوں میں ممتاز ہونے کی خواہش، انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ماسواء اللہ کے نیک بندوں کے جو تقویٰ کی بلندی پر سرفراز ہونے کی بدولت اِن آلائشوں سے اپنا دامن بچالے جانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دولت اور شہرت کے حصول کے لئے جائز و ناجائز حق و ناحق کے درمیان حد فاصل کو روند ڈالنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اکثر ان مکروہات کے مرتکب اپنی نیکی اور پارسائی کا ڈھنڈورہ پیٹتے نظر آتے ہیں وہ لوگوں کو دیانت و امانت کی تلقین کرتے اور خود بددیانتی اور خیانت کی راہ پر چل کر اپنے مقاصد کی تکمیل کو مباح سمجھتے ہیں......

---

[1] ''لوگ Sub-Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس میں بنگلہ دیش بھی شامل ہے۔ ثانیاً جب ہم (Continent) کا ترجمہ براعظم کرتے ہیں تو پھر (Sub-Continent) کا ترجمہ برصغیر کیونکر صحیح ہے۔ اعظم کا اسم تصغیر عظیم ہے صغیر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرہ آفاق مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام ''برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' رکھا۔ اس وقت تک بنگلہ دیش کا وجود نہ تھا۔'' (محمد اسلم، پروفیسر۔ ''تحریک پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۱۲)

[2] زیر بحث موضوع پر بوجوہ تفصیل سے نہ لکھا جا سکا، اس کا سبب یہ تھا کہ الامور مرھونۃ باوقاتھا

ع...... اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے

حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ سے قائم ہونے والی مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے فیوض و برکات سے اہل وطن کو سیراب کرنے کا کارِ خیر بڑی عمدگی اور برق رفتاری کے ساتھ انجام دے رہی تھی کہ کچھ "کرمفرماؤں کی مہربانی" سے مجلس کی بساط لپیٹ دی گئی اور حکیم صاحب مرحوم و مغفور دل برداشتہ ہو کر لاتعلق ہو گئے۔

من　از بیگانگاں　ہرگز　نہ　نالم
کہ　با من　ہرچہ　کرد،　آں　آشنا　کرد

مالی خرابیوں کی شکایات متواتر مل رہی تھیں، جن کی موجودگی میں حکیم صاحب رحمہ اللہ مجلس کی سرپرستی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ بھی ان کی عظمت اور بے لوثی کا ثبوت ہے کہ وہ مجلس جو دراصل ان کے نام سے ہی جانی اور پہچانی جاتی تھی اس میں سے ناپسندیدہ عناصر کو نکال باہر کرنے کے بجائے خود الگ ہو گئے[1]۔"

مذکورہ بالا ایام کے بعد (یعنی اپریل ۱۹۸۷ء میں) فاضلِ شہیر درویش منش حضرت مولانا محمد عبدالحکیم خان اختر مجددی، مظہری، شاہجہانپوری علیہ الرحمہ (ف ۱۹۹۳ء)، بانیِ مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور کی مطبوعہ نظم جو مولانا موصوف کی تصنیف کلمۂ حق کے صفحہ ۲ پر "لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلِ سنت، حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ العالی کے نام" حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ میں شائع ہوئی تھی، ذیل میں درج کی جا رہی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے:

لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلِ سُنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہٗ کے نام

عشق کی ہے مدح خواں آج تک نہرِ فرات
عشق سے رنگین ہے یہ جہانِ شش جہات
عشق تری لَے میں ہے عشق تیری نَے میں ہے
عشق ہے تیری دلہن، عشق ہے تیری برات
عشق سے ہے زندگی، عشق سے تابندگی
عشق ہے کانِ مراد، عشق ہے جانِ حیات

---

[1] حاشیہ کے لئے دیکھئے صفحہ آئندہ

حاشیہ صفحہ گزشتہ

۱؎ چنانچہ مجلس کے سیکرٹری جنرل محمد نواز بٹ اور دیگر ارکان انتظامیہ و عاملہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے نام حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے جو مراسلہ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو ارسال فرمایا تھا، اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جارہا ہے جس سے حکیم صاحب قبلہ کے ان "بہی خواہوں" کی حقیقت مزید آشکارا ہو جائے گی جو مجلس رضا کے زوال پذیر ہونے کے گیارہ بارہ سال بعد، آج اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں (؟) اور اس پروپیگنڈہ میں سرگرداں بھی! کہ مرکزی مجلس رضا لاہور میں ان کی "سترہ سالہ سنہری خدمات" کے باوجود انہیں مجلس سے پراسرار وجوہ کی بناء پر خارج کر دیا گیا جبکہ اصلیت یوں تھی (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا) کہ حکیم صاحب کے "معتمد علما" نے مجلس کی جان نکالنے والے اس سرغنہ کا دامن پکڑ کر شہید علم و حکمت (جناب حکیم صاحب) کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ:

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اور ملاحظہ ہو اب مذکورہ مراسلہ بنام

"جناب محمد نواز بٹ صاحب جنرل سیکرٹیری مرکزی مجلس رضا و دیگر ارکان انتظامیہ و عاملہ

سلام مسنون!

میں آج مورخہ ۸۶۔۷۔۲۷ سے مجلس رضا سے میں مجلس رضا کی رکنیت سے لے کر سرپرستی تک کے تعلق کو ختم کرتا ہوں۔ لہذا آج کے بعد میرا مجلس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہے گا۔ حتیٰ کہ مشورہ بھی نہیں دوں گا۔

میرا یہ فیصلہ انشراح صدر اور مکمل یقین کے ساتھ ہے۔

نوٹ:۔ اس فیصلے پر ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

لہذا کوئی صاحب نظر ثانی کے لئے نہ کہیں اور نہ کوئی صاحب اس علیحدگی کے اسباب پوچھنے کی کوشش کرے۔

خدا حافظ
(دستخط) محمد موسیٰ عفی عنہ
۲۷۔ جولائی ۱۹۸۶ء

(مہر) حکیم محمد موسیٰ امرتسری
۵۵۔ ریلوے روڈ، لاہور

آ کہ سنواریں ذرا، زلف پریشان دیں
اس سے ہی قسمت بنے، ہے یہ متاعِ حیات
آج تو تنہا نہیں، ساتھ ہیں شاہِ رضا
سحر اب ہونے کو ہے، دیکھ کہ بھیگی ہے رات
سید ہجویر کی تجھ پہ ہے چشم کرم
ھند کے سلطان کی ہے مکہہ التفات
عظمتِ شاہ رضا جب کہ ہے پیشِ نظر
آپ سے راضی ہوئے تاجور[1] کائنات
کام سے قسمت بنے، کام سے عزت ملے
وہ بھی لگیں کام میں جو کہ بناتے ہیں بات
نام سے کچھ نہیں بھی، کام سے بنتا ہے کام
رہزنوں کی چال دیکھ، چھوڑ ان کی ذات پات
غیظ میں جلتے ہیں وہ، جھوٹ پہ پلتے ہیں وہ
پہنچے جو پیشِ حرم، دل میں لیے سومنات
عالمانِ دین بھی، اِک روپے کے تین بھی
ملتے ہیں اِس دَور میں جہل کے لات و منات
سو گئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم
ان کو جگانا بھی ہے چھیڑ کر سازِ حیات
عالمِ دیں ہے وہی، عاقبت پہ ہو نظر
ان سے جہاں کا ثبات، ہیں یہی قدسی صفات
راہروِ راہِ حرم، تیز تُرک گام زن
ٹوٹ نہ جائے کہیں، تارِ نفَس بے ثبات
رَن میں نبرد آزما ہوگیا اختر ترا
شاطرانِ دین کے کرتے جو مہرے ہیں مات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اقبال احمد فاروقی کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۹۹ء میں ارقم فرماتے ہیں:

"محسنِ ملت، نقیبِ انقلاب حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز...... نے

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تحریکِ فکرِ رضا کا آغاز فرمایا اور اس کو عالم گیر بنایا...... انہیں کی تحریک سے سوئے ہوئے جاگے اور جاگے ہوئے فکرِ رضا کی تحقیق میں لگ گئے...... رفتہ رفتہ مٹانے والے چھٹنے لگے اور بات بلند سے بلند ہوتی چلی گئی...... اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ ط ...... اور کیفیت یہ ہوگئی...... اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ o...... پھر جو ہونا تھا وہ ہُوا...... ظلمتیں چھانے لگیں...... سب کو آپ کا ممنون ہونا چاہیے کہ اندھیریوں سے روشنی میں لائے اور یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ کا کردار ادا کیا...... تن تنہا وہ کام کیا جو ایک انجمن بھی نہ کر سکتی تھی...... کشتی کو ڈوبنے نہ دیا،...... ناخدا ہی پر نہیں اہل سنت پر آپ نے احسان فرمایا...... آپ کی ہمت کو سلام!......"

جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہٗ) کے بارے مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں جس طرح خراج تحسین پیش کیا اور دنیائے سنیت پر حضرتِ مرحوم کے احسانات کا ذکر فرمایا، بلا ریب وہ اس کے مستحق تھے اور ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

سردار علی احمد خان رقمطراز ہیں کہ حکیم صاحب تمام تر مسلک اہل سنت و جماعت کی خدمت میں اور مشن کی تشہیر کے لئے تا زیست وقف رہے[1]۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ چونکہ اہل تصوف میں سے تھے، اس لئے انہوں نے صوفیانہ مشرب کو فروغ دیا۔ امراء اور ارباب جاہ کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ مذکورہ خصائل کی حامل، حکیم صاحب علیہ الرحمہ ایسی ہی شخصیت کے لئے ان کے بعد از وفات نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی المتخلص حسرتؔ مرحوم (۱۸۶۶ء۔۱۹۶۱ء) نے کیا خوب کہا تھا۔

رہ روان شوق تو ازما سالہا آرند یاد
نقشہا انگیخت در راہ محبت گام ما

ترجمہ: تمہارے شوق کی راہ پر چلنے والے مدت مدید سے گامزن ہیں، ہمارے قدم تمہاری محبت کے نقوش پر چل رہے ہیں۔

مذکورہ شعر کی جانب احقر کا دھیان یقیناً حکیم صاحب کے ان نقوشِ محبت کے طفیل مبذول ہُوا جو نقوش

[1] ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور، جنوری۔ فروری ۲۰۰۰ء، ص ۸۱، بعنوان "حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ اہل سنت کا ایک روشن ستارہ"

بمصداق ع ..... "رفید ولے نہ از دل ما" ..... حکیم صاحب مرحوم سے فیضیاب ہونے والے ان گنت افراد کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے پائندہ وتابندہ ہیں۔ خیال رہے کہ مندرجہ بالا شعر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں واقع "آدم جی پیر بھائی منزل" کے اندر اس یادگار پتھر پر آج بھی کندہ ہے جو نواب شروانی مرحوم نے فضائل پناہ حضرت سید سلیمان اشرف بہاری مرحوم ومغفور کی یاد میں ۱۹۳۹ء میں کہا تھا، کوئی پندرہ سال ہوئے کہ مذکورہ "بیادگار" پتھر کا فوٹو، علی گڑھ سے حکیم صاحب مرحوم ہی کے ایک معتقد جناب حکیم محمد خلیل احمد القادری الجائسی، ریڈر طبیہ کالج نے احقر کو بعض دوسرے نوادرات کے ساتھ ارسال فرمایا ..... مکرم حکیم خلیل احمد صاحب (علی گڑھ) راقم کے نام مراسلہ میں لکھتے ہیں:-

"جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب مدظلکم العالی اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا قدس سرہٗ) کی شخصیت کو بے نقاب کرنے والے اور جہان کو ان کی عظمت کی طرف چشم حیرت کے ساتھ موڑنے والے ہیں، دنیائے سنیت پر ان کا ایسا احسان ہے جس کی جزا دینے کے تصور سے ہم سب اپنی عاجزی اور مجبوری کے احسان پر شرمندہ ہیں۔ انہیں کی ذات ہے جس نے کمال تدبر، تفکر، حسن تدبیر وعمل اور مسلسل بیکراں جدوجہد اور والہانہ کارناموں، عزم واستقامت کی جو مثال قائم کی ہے وہی ان کی حیات مبارکہ کے دوام وثبات کی ضامن ہے"۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

سابق مدیر خدام الدین، لاہور اور ماہنامہ صوت الاسلام، فیصل آباد کے مدیر اعلیٰ جناب مجاہد الحسینی راقم الحروف کے نام اپنے تعزیتی خط میں حکیم صاحب علیہ الرحمہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ:

"..... حکیم صاحب بڑے محقق عالم اور خلیق انسان تھے۔ میں ان کے تحقیقی اور علمی خدمات سے بہت متاثر ہوا، حکیم صاحب کے ساتھ لاہور میں ملاقات رہتی تھی، انہوں نے علماءِ امرتسر پر ایک مطبوعہ مضمون بھی دیا تھا جسے میں نے شائع کردیا تھا، ..... ان کی وفات سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرکے جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ حضرات کو صبر اور استقامت کی توفیق دے، ان کے رفیقِ خاص مولانا محمد عالم مختار حق کی خدمت میں سلام اور تعزیت ....."

مندرجہ بالا آراء پڑھنے کے بعد اکا دکا وہ مایوس ذہن جو محسن اہل سنت حضرت حکیم صاحب کے بارہ کسی قسم کے شک میں مبتلا تھے تو شاید اب روشنی کی کرن محسوس کریں ..... یقیناً

ع ...... اس کی بلندیوں کی کوئی انتہا نہیں

بانیِ مرکزی مجلسِ رضا، حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ والمغفرہ کا ریلوے روڈ لاہور پر واقع ان کا مطب درحقیقت ایک مردِ درویش کی خانقاہ تھی جہاں اہلِ علم و قلم کا تانتا لگا رہتا تھا، یہاں ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے اور مرحوم کے حکمت کدہ سے بھی فیضیاب ہوئے جیسا کہ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''درویش'' لاہور نے اپنے مضمون ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' میں لکھا ہے کہ:

''بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کی ادارت میں نے حکیم صاحب کے کہنے پر قبول کی تھی۔ میں اس زمانہ میں ''سیارہ ڈائجسٹ'' کا مدیر معاون تھا۔ ایک روز حکیم صاحب نے مجھے فون کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے مطب میں آ جائیں، ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی وہاں بیٹھے ہیں۔ ان دنوں پیر صاحب نے ماہنامہ ضیائے حرم کا آغاز کیا تھا۔ غالباً چند شمارے بھی شائع کئے تھے...... حکیم صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ہمارے حلقہ سے بھی ایک معیاری رسالہ شائع ہوتا رہے۔ پیر صاحب نے بتایا کہ ہم نے بڑے شوق سے یہ رسالہ جاری کیا تھا، لیکن چونکہ اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھے، اس لیے کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہم پچیس سو کی تعداد میں رسالہ شائع کرتے ہیں، لیکن ناتجربہ کاری کے باعث سب گودام میں رکھا رہتا ہے...... میں نے ضیائے حرم کو کامیاب بنانے کے لئے پیر صاحب کو چند مشورے دیئے، جو انہوں نے فوراً نوٹ کر لئے۔ ---پیر صاحب نے فرمایا کہ مشوروں کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ میں نے اس کی حامی بھر لی، لیکن کئی روز کے بعد حکیم صاحب نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ سیارہ ڈائجسٹ کے بجائے ضیائے حرم کی ادارت سنبھال لیں، میری نظر میں دوسرا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو اہلِ سنت کے اس رسالہ کو قرینہ کے ساتھ ایڈٹ کر سکے۔ حکیم صاحب کے اس حکم پر میں نے لبیک کہا اور سولہ سال تک نہایت خلوص سے لوجہ اللہ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کی ادارتی ذمہ داری نبھائی۔'' [1]

اس طرح حکیم صاحب نے اہلِ سنت کے مذکورہ جریدہ کی ترویج و اشاعت میں بھی نمایاں حصہ لیا ——

گزشتہ صفحات میں یہ بات مذکور ہو چکی کہ ''حکیم صاحب اہل حق کے تذکرے مرتب کرواتے رہے''...... قارئین

---

[1] ماہنامہ ''مہر و ماہ'' لاہور، (یادگار موسیٰ نمبر)، جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء، ص ۸۵۔۸۶
ماہنامہ درویش، لاہور ستمبر ۲۰۰۰ء ۔ص ۵۴ اور ۵۵

کرام کے لئے یہ بات یقیناً باعث حیرت ہوگی کہ ۱۹۷۵ء (قیامِ پاکستان سے ۲۸ برس) تک سوادِ اعظم کی جانب سے کوئی تذکرہ سامنے نہ آیا تو ۱۹۷۶ء میں قائداعظم کے صد سالہ جشن کے موقع پر "اکابرِ تحریکِ پاکستان" از محمد صادق قصوری، حکیم صاحب علیہ الرحمہ نے راقم کے مکتبہ کی جانب سے شائع کروائی، جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب[1] تھی۔ پھر اہل حق سے بے اعتنائی برتنے والوں اور وہ ناخدا جو بمصداق ع...... "سو گئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم" کو خوابِ گراں سے جگانے کے لئے حکیم صاحب مرحوم نے ایک دوسرا تذکرہ۔ "تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان" مرتب کروایا۔ چنانچہ حکیم صاحب بایں سلسلہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ کے مرتب کے نام اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"معروض آنکہ مسودہ تذکرہ علمائے اہل سنت آپ کو مل چکا ہوگا۔ پیر کرم شاہ صاحب نے اسے پاس کر دیا ہے۔ اب آپ جلد از جلد اسے ترتیب دے کر میرے پاس بھیج دیں...... دیگر سب کام چھوڑ کر تذکرہ مکمل کر دیں۔ تاکہ ہماری طرف سے دیر نہ ہو۔ اگر کچھ مزید حالات مل جائیں گے تو بطور ضمیمہ شامل کر دیئے جائیں گے......"

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب مذکورہ تذکرہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آیا تو اس کے صفحہ ۲۰ تا ۲۴ "تقریب" کے زیر عنوان حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے محققانہ قلم سے ایک معلومات افزا تحریر ہے، چونکہ تذکرہ کے بعد کی اشاعتوں طبع مکتبہ قادریہ لاہور میں مذکورہ وقیع "تقریب" شامل نہیں، لہٰذا استفادہ عام کے لئے "تقریب" سے بعض اقتباسات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں جس میں حکیم صاحب علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں:۔

"برصغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا قیام اکابر اہل سنت کی مساعی سے ہوا، ظاہری فاتحین (سلاطین) اور باطنی فاتحین (صوفیہ کرام) سنی حنفی تھے، ان کے ساتھ جو علماء کرام تشریف لائے، ان میں بھی غالب اکثریت احناف کی تھی۔ حضرات صوفیہ اور فقہاء حنفیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے فیضان سے یہاں شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج پیدا ہو گیا تھا اور یہ مبارک فضا کئی سو سال تک قائم رہی، حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ نے اس نورانی فضا اور مبارک ماحول کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

---

[1] ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور ۱۹۷۶ء۔ ص ۱۲۵

خوشا ہندوستاں و رونق دیں
شریعت راکمال عزو تمکیں
ز علم باعمل دہلی بخارا
ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانِ نعمانی روشن خاص
زدل ہر چار آئیں راہ باخلاص
نہ کیں باشافعی نے مہر بازید
جماعت راوسنت رابجاں صید

اس دور رحمت کے درمیان ایسے مواقع بھی آئے کہ بادشاہوں نے احناف کے مسلک و مذہب کے خلاف اپنے پسندیدہ مذاہب جاری کرنے کی کوششیں کی مگروہ بری طرح ناکام رہے۔ سلطان محمد بن تغلق (م ۷۵۲ھ) (جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''نامرادانہ زیست'') کے عہد میں علامہ ابن تیمیہ کے ایک فاضل شاگرد عبدالعزیز اردبیلی ہندوستان آئے اور ان کی سلطان کے دربار میں بڑی پذیرائی ہوئی، ان کے ذریعہ سلطان، علامہ ابن تیمیہ کے نظریات سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے صوفیہ کرام کو ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، بالآخر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ہمایوں کو ایرانیوں کی امداد و اعانت سے دوبارہ تخت حکومت پر متمکن ہونے کا موقع ملا تو اس نے شیعہ علماء و فضلاء کی بڑی قدر و منزلت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں اہل اسلام کے مقابل ایک اور مستقل علیٰحدہ دین کی بنیاد پڑ گئی۔ پھر اکبری دور میں ابُوالفضل، فیضی اور ان کے والد ملا مبارک نے تقلید سے کنارہ کشی کر لی، ابُوالفضل نے اپنے والد کے بارے میں لکھا ہے:۔

''واز تقلید برکنارہ، بندگی دلیل کردے'' (آئین اکبری)

ان غیر مقلد علماء کے تعاون سے اکبر نے دینِ الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی مساعیِ جلیلہ عظیمہ نے ان علماءِ سوء اور لُصوصِ دین کے فتنوں کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔ دینی تاریخ کے ایسے متعدد حادثات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے علم میں تھے، لہٰذا انہوں نے ہند کے عوام کے لئے مذہب امام اعظم کی تقلید سے انحراف کو حرام قرار دیا۔ غرضیکہ متحدہ ہندوستان میں ابنِ

عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات پہنچنے تک یہاں صرف سنی اور شیعہ "دو مذہب" ہی نظر آتے ہیں جو فی الحقیقت دو مذہب نہیں، دو دین ہیں...... اور آج سے ایک سو سال قبل تک پورے ہندوستان میں انہیں سلفی حنفی علماء کا اثر تھا، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو حرام قرار دینے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی......"

"تقریب" کے آخر میں جناب حکیم صاحب تذکرہ کے مرتب کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

"فاضل محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری زید شرفہٗ نے اپنی گرانقدر تالیف تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت، میں ان علماءِ کرام اور صوفیہ عظام کے حالات زندگی اور کمالات علمی تحریر کیے ہیں جو تحقیق طور پر ان بزرگانِ دین کے صحیح جانشین یا نام لیوا ہیں، جن کی بدولت اس کفرستانِ ہند میں اسلام کی شمع روشن ہوئی......"

مندرجہ بالا اقتباسات کے بعد، کچھ تذکرہ حکیم صاحب کی تحریر کا ہو جائے، وہ اب شرف صاحب کی زبانی سنئے۔

"حکیم صاحب خود صاحب طرز ادیب، مایہ ناز محقق، بے مثال مورخ، باوقار نقاد اور معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہیں، کشف المحجوب، مکتوبات امام ربانی، الطاف القدس، تذکرہ اکابر اہل سنت وغیرہ کتب پر ان کے گراں قدر مقدمے تحقیق اور جستجو کے شاہکار ہیں جن پر اہل علم نے انہیں بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مجلسِ رضا کی طرف سے علمی، تحقیقی اور متین لٹریچر پیش کر کے انہوں نے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب بپا کر دیا ہے۔ آج ایک دنیا ان کی خدمات کو تحسین اور ستائش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔" [1]

لیکن بایں ہمہ افسوس اور صد حیف کہ تذکرہ اکابر اہل سنت مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری طبع دوم و سوم میں جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا، میں (اور اب تذکرہ کی اشاعت چہارم، فرید بکسٹال لاہور مطبوعہ ۱۹۹۹ء میں بھی) مذکورہ بالا تقریب شامل نہیں۔ اور اس بات نے لامحالہ اب ہر خاص و عام کو ایک مخمصہ میں ڈال دیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ دسمبر ۱۹۸۴ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے اپنے سلسلہ کی ۶۷ ویں کتاب "امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم" کے نام سے شائع کی تھی جو محمد جلال الدین صاحب قادری کی تالیف ہے، لیکن یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ اور شرمناک ہے کہ ۱۹۹۸ء میں

---

[1] مراسلہ بنام سید محمد عبداللہ قادری مورخہ ۲۳۔ ستمبر ۱۹۸۶ء از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری بحوالہ "حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ایک ادارہ ایک تحریک۔" مطبوعہ داتا گنج بخش اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۵۸۔۵۹

جب اس کا دوسرا ایڈیشن رضا دار الاشاعت لاہور ایک تجارتی ادارہ کی جانب سے اشاعت پذیر ہوا، اس ادارہ کو مرکزی مجلس رضا لاہور کے سابق خازن حاجی مقبول احمد قادری ضیائی چلا رہے ہیں، نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے ایک ''معتمد'' مولوی منشا تابش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ایماء پر اصل کتاب سے نو صفحات کی ''تقدیم'' وغیرہ محض اس لیے غائب کر دی[1] تا کہ اس بطلِ جلیل، مرکزی مجلس رضا اور اس کے بانی اور سرپرست حکیم اہلِ سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کو فراموش کیا جا سکے ——اِس ارادی دھاندلی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے[2]۔ یہ جسارت دانستہ اور شعوری ہے جس سے نہ صرف کتاب کے مولف کا امیج خراب کیا گیا ہے[3]۔ بلکہ حکیم صاحب کے ارادت مندوں کے جذبات کو بھی مجروح کیا گیا ہے ——لیکن ع ''اب ہم کس کی بات کریں اور کس کو یاد دلائیں'' کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مرکزی مجلسِ رضا کے پلیٹ فارم ہی سے نہیں بلکہ جہاں تک ممکن تھا، ہر فورم سے اہل سنت کی خدمت سرانجام دینے کی غرض سے اور اس کے وقار کو بلند کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کئے رکھا اور ان لوگوں کو بھلا کیا خبر کہ:

آں شہید ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگیٔ جاوداں مجھے

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں قارئین نے یہ بات ملاحظہ فرمائی کہ حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ نے اہل سنت کے ترجمان ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کی اشاعت و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا،

---

[1] یہ کوئی محض الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کی ''کاٹ چھانٹ کی مہارت'' کی گواہی دیتے ہوئے مولانا عبدالحکیم اشرف قادری ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

''مولانا محمد منشا تابش قصوری رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام طبع ہونے والے مقالات کو چیک کرتے ہیں، ان کی تراش خراش (؟) کرتے ہیں، کمپوز کرواتے ہیں۔ پھر پروف ریڈنگ کرتے ہیں، کاپیاں جوڑتے ہیں اور کتاب تیار کر کے حاجی صاحب کے سپرد کر دیتے ہیں۔''

(بحوالہ ''محسن اہلسنت'' ص ۱۵۲)

[2] اور وہ لوگ جنہوں نے حکیم صاحب علیہ الرحمہ سے بیوفائی کی اور مرکزی مجلس رضا کا ناحق خون کیا وہ اپنے انجام کو کب نہیں پہنچیں گے!...... جوں جوں لوگ ان حالات و واقعات سے آگاہ ہوتے چلے جائیں گے تو وہ ہر ''محسن کش'' کا چہرہ پڑھ لیں گے۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: مختار جاوید منہاس، مضمون ''چہ دلاور است دزدے'' مشمولہ ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور (یادگار موسیٰ نمبر) جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۱۔۱۳۵

حکیم اہل سنت کی متذکرہ کاوش یقیناً " قابل صد ستائش ہے، لیکن یہ بات کسی المیہ سے کم نہیں کہ مذکورہ رسالہ اور دیگرسنی رسائل مثلاً ماہنامہ سیدھا راستہ، ماہنامہ ندائے اہلسنت اور ماہنامہ عرفات لاہور، ماہنامہ نور اسلام شرقپور، ماہنامہ انوارالفرید ساہیوال، ماہنامہ الجامعہ جھنگ اور ماہنامہ اہل سنت انٹرنیشنل، گجرات نے بھی حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال پر کوئی تعزیتی شذرہ کیا قلمبند کرنا تھا ایک سطر تک نہ لکھی جسے مسطورہ بالا مدیرانِ جرائد کی بے حسی اور محسن کشی ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے ــــــ مگر مدیر جہانِ رضا کی بے خبری ملاحظہ ہو، وہ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے زیرعنوان "اے کلیم وادیٔ احمد رضا" یوں رقم فرماتے ہیں کہ گویا گمان ہوتا ہے کہ وہ ایسے ناشکرے اور احسان فراموش مدیران رسائل کی جانب سے "وکیل صفائی" کا کردار ادا کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو ذیل میں ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور شمارہ جنوری، فروری ۲۰۰۰ء سے ایک اقتباس:

"پچھلے دنوں مرکزی مجلس رضا کے بانی۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا...... اخبارات، رسالوں، ماہناموں نے اپنے اپنے کالموں میں اس درویش کی موت پر اداریے لکھے"۔

حدیث شریف میں ہے مَنْ لَمْ یَشْکُرُ النَّاس لَمْ یَشْکُرُ اللّٰہ "جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکر ادا نہ کیا"۔ اس لیے بندوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے ــــــ لیکن بقول شخصے ایسے ان حاسدین کی قسمت یا پھر کسی کم فہم وکم ظرف کے نصیب میں کہاں کہ وہ اس مرد درویش اور دانائے راز، فقر غیور اور عشق خود آگاہ کے حقیقی نقیب کے بارے ایک لفظ بھی لکھ سکیں اور بقول شاعر:

آج کل باغِ جہاں کی ہے ہوا بدلی ہوئی
رنگِ گل بدلا ہوا بوئے وفا بدلی ہوئی

یوں بعض مدیرانِ جرائد جو حق وصداقت کے علمبردار اور فقر غیور کے دعویدار بھی ہیں آج ان حکمرانوں کو یاد فرما رہے جن کے عہد میں کئی مساجد اور مزارات کو شہید کیا گیا، ان کے پہلے دور حکومت میں کویت عراق جنگ (فروری ۱۹۹۱ء) کے دوران، امریکی جنگی جہاز کراچی سے اڑ کر نجف اشرف اور بغداد شریف پر بمباری کرتے رہے، سندھی اور غیر سندھی ایسے لایعنی نعرے بلند ہوئے، گرفتار قیدی، پولیس مقابلہ کے نام پر عدالتوں سے ماورا پولیس کے ہاتھوں مارے گئے، گستاخ رسول کی سزا کا مقدمہ واپس لینے کی سعی کی گئی، وہشت گردوں اور مسلمانوں کا خون ناحق بہانے والی تنظیموں کی حوصلہ افزائی ہوئی، سود کی حرمت کے خلاف سپریم کورٹ میں نواز شریف حکومت نے اپیل دائر کی تاکہ سودی نظام برقرار رہے، ان گنت افراد فاقہ کشی کے باعث خودکشیوں اور خودسوزیوں کا شکار ہوئے، لیکن ان کے اپنے شب وروز ملکی دولت سمیٹنے کے لئے بسر ہوئے، کارگل میں کشمیر کے شہداء سے

بیوفائی کی ـــــــ

جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا کہ ماہنامہ "ضیائے حرم" نے حکیم صاحب کے وصال پر کوئی ادارتی نوٹ وغیرہ قلمبند نہ کیا البتہ مذکورہ بالا حکمرانوں کے لئے "سر دلبراں" کے صفحات میں ان کا اضطراب قابل ملاحظہ ہے۔ دیکھئے مذکورہ ماہنامہ کے شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء سے ایک اقتباس جس میں پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب مدیر اعلیٰ رقمطراز ہیں کہ:

"مقتدرہ قوت (یعنی آرمی چیف) کی طرف سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد پاکستان مسلم لیگ کی صفِ اول کی قیادت کو جس طرح جیلوں میں بند کیا گیا ہے۔ اور جس انداز میں انہیں جسمانی و ذہنی کرب میں مبتلا کر کے دل آزار و صبر آزما مقدمات سے دوچار کیا جا رہا ہے یقیناً یہ بہت بڑی زیادتی ہے، لیکن پھر بھی یہ شخصی سزائیں ہیں نامعلوم کتنی دیر رہیں گی۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ کون جانتا ہے۔ کل کلاں اس کا رخ کس سمت ہوگا، لیکن اس سے بھی بڑی زیادتی...... کہ ہمیں اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے محروم کر دیا گیا ہے۔" (؟)

پھر آگے چل کر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں کوئی احتمال ہی نہ ہو پائے، لیکن مدیر اعلیٰ موصوف کی "قربت شاہی" کی ایک ادنیٰ جھلک، قارئین ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ فرمائیں:

"قارئین! آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ضیائے حرم کا یہ کالم کبھی بھی خوشامد پرستی یا کاسہ لیسی کا روادار نہیں رہا...... ضیائے حرم کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے ہر دور میں جو حق سمجھا اسے کھل کر بیان کر دیا...... میں مسلم لیگ کی اس قیادت کو بہت نزدیک سے جانتا ہوں جو اس وقت ابتلاء و آزمائش سے گزر رہی ہے...... متذکرہ قیادت اپنے اس تازہ دورِ اقتدار میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے دلی طور پر مخلص تھی اور اس راہ میں حائل تکنیکی رکاوٹوں کو اس تناظر میں دور کرنے کے لئے مصروف عمل تھی...... اگر اسے مارچ (مارچ ۲۰۰۰ء) تک مہلت مل جاتی تو پاکستانی عوام یقیناً یہ مژدہ جانفزا سنتے کہ پاکستان کا مقدر صرف اور صرف اسلام ہے......"

آگے جانے سے پہلے اگر ہم حال ہی میں شائع ہونے والی ایک اہم کتاب "کوڑھ کی کاشت"[1] (مطبوعہ

[1] "کوڑھ کی کاشت" میں ڈاکٹر حقی حق نے بڑی تحقیق و عرق ریزی سے ایسے تمام حقائق مجتمع کئے ہیں جو وطن کے ان سپوتوں (جن میں علماء، سیاستدان، جاگیردار، بیوروکریٹس اور فوجی افسران بھی شامل ہیں) کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس کس طرح انہوں نے اس دھرتی کے خون کو چوسا اور کس کس طرح اس دھرتی کو کوڑھ زدہ کیا۔

شفیق پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۰ء) جس میں ۱۹۸۰ء کے بعد سے پاکستان کے لٹنے کی دردبھری داستان بیان کی گئی ہے
سے ذیل میں ایک اقتباس درج کرتے چلیں تو مذکورہ بالا اقتباس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے محض لگا
جانے والے دل خوش کن نعرہ کو اجاگر کرنے (یا پھر ع "جب رنج دیا بتوں نے تو خدا یاد آیا" کے مصداق) کی
جانے والی متذکرہ "صحافتی سعی" کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملے گی، کتاب کے مصنف ڈاکٹر حقی حق رقمطراز ہیں کہ

"ہمارے ہاں معاشرتی برائیوں کو پروان چڑھانے میں اگر صحافت نے سب سے بڑا کردار ادا نہیں کیا تو کم از کم بہت بڑا کردار ضرور ادا کیا ہے۔ صحافت سے قوم کی فکری رہنمائی کی جو عموی توقع ہر معاشرہ میں مروج ہے ہمارے ہاں اس کے بالکل الٹ ہے یعنی قوم کی فکری رہنمائی کو (ایسی) صحافت سے محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے...... جانبداری اور دھڑے بندی صحافت کی صریحاً موت ہے جو ہمارے ہاں یقیناً کبھی کی واقع ہو چکی ہے، لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے"۔ [1]

موجودہ دور میں متذکرہ بالا صحافت ہمارے ہاں کیوں اور کس طرح در کر آئی کہ وہ حکمران جو در حقیقت قومی
مجرم ہیں انہی سے اسلامی نظام کے نفاذ (؟) کی آخر ہم توقع کیوں کر رہے ہیں، اس سوال کا جواب محولہ بالا کتاب
میں مل جاتا ہے ـــــ ڈاکٹر صاحب موصوف رقمطراز ہیں کہ:۔

"لاعلمی، غیر پیشہ ورانہ اپروچ اور لالچ نے حق بات کہنے کا حوصلہ سلب کر رکھا ہے......
میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان میں کوئی اور وصف ہو یا نہ ہو مگر ان کی اس صلاحیت کا ایک عالم معترف ہے کہ میاں صاحب بکاؤ مال، بدعنوان اور نادہندہ کو طاقتور میگنٹ کی طرح اپنی طرف کھینچتے ہیں اور مرغی کی طرح اپنے پروں میں اپنے سایہ عافیت میں چھپا لیتے ہیں۔ میاں صاحب کو سکریپ میں چونکہ ہر طرح کا مال خریدنے کی عادت اور تجربہ ہے جو سیاست میں بھی ان کے بہت کام آیا جونہی وہ وزیر اعلیٰ پنجاب مقرر ہوئے انہوں نے ہر طرح کے سیاسی سکریپ میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔ ان کے صوابدیدی فنڈ سے مستفیض ہونے والے بکاؤ مال کا ہراول دستہ صحافتی ہی تھا گو کہ صحافت میں میاں صاحب کی سرمایہ کاری اربوں کی ہے مگر پردے داری اور آنکھ کی شرم بھی آخر کوئی چیز ہے۔

میاں صاحب کو اسلامی اقدار اور تجارتی اصولوں کا بڑا پکا پایا گیا ہے وہ اس طرح دیتے

[1] کوڑھ کی کاشت از ڈاکٹر حقی حق، مطبوعہ لاہور جنوری ۲۰۰۰ء، اشاعت اول، ص ۲۷۵

ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہونے دیتے کہ کس کو کیا دیا، کیا دیں گے، کس کو کتنے میں خریدا اور کیا کتنے میں بیچیں گے"۔ [1]

ماہنامہ ضیائے حرم کے مذکورہ بالا اقتباس کی بناء پر اگر حقیقت حال سے کوئی نابلد و ناآشنا قاری وہی رائے (جو اس کے مدیر اعلیٰ نے مسلط کرنے کی کوشش کی ہے) قائم کر کے راست روی کے بجائے کج روی کا شکار ہو سکتا ہے اس لئے اس کی وضاحت ضروری سمجھی گئی ــــ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نے آج سے تیس سال قبل جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک وقت اس راستہ پر چل نکلے گا جہاں خلوص اور صداقت مفقود، خود غرضی اور مصلحت کوشی ذاتی اور اجتماعی شعار ہوں، ایسی صورت حال میں حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہرگز اس کے ساتھ تعاون نہ فرماتے ــــ دھیان رہے کہ ماہنامہ ضیائے حرم میں اس تبدیلی کا آغاز قریب قریب انہی دنوں ہوا جب علماء کرام کو دینی مدارس کے نام پر ضیاء الحق [2] کے قائم کردہ بیت المال سرکاری زکوٰۃ فنڈ سے نوازا جانے لگا۔ حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے مذکورہ فنڈ کو "مولوی پالتو فنڈ" قرار دیا تھا، اس فنڈ نے کیا کیا گل کھلائے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ــــ میاں نواز شریف ۱۸۔ اپریل ۱۹۹۳ء کو وزارتِ عظمیٰ سے جب پہلی دفعہ معزول ہوئے، تو مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی جو اس وقت برسراقتدار جماعت مسلم لیگ کے اتحادی تھے (اور جو تادم آخر معزول وزیر اعظم کے ساتھ رہے) نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ میاں صاحب کو اگر مزید چند ماہ مل جاتے تو ملک عزیز میں یقیناً شریعت نافذ کر چکے ہوتے [3]۔ اور آج ضیائے حرم کے مدیر محترم بھی اپنے موقر جریدہ کی وساطت سے پاکستانی عوام کو بعینہ جاں فزا نوید سنانے کی سعیِ بلیغ انجام دے رہے ہیں، ظاہر ہے کہ مدیر

---

[1] کوڑھ کی کاشت، ص ۲۸۵

[2] "ضیاء صاحب نے اپنے لئے راہیں ہموار کرنے اور دینی حلقوں میں اپنی Constituency (رائے) بنانے کے لئے دینی مدارس کو بھاری بھر کر (بھر کم) زکوٰۃ دینی شروع کر دی تھی۔ چودہ چودہ لاکھ کے چیک جاری کئے جانے لگے اور جو رقوم وصول کر رہے تھے، وہ منبروں پر بیٹھ کر ضیاء صاحب کے خلاف کیسے منہ کھول سکتے تھے؟" (ریاض حسین شاہ، سید۔ انٹرویو بحوالہ اخبار اہلسنت، لاہور (خصوصی اشاعت انٹرنیشنل سنی کانفرنس منعقدہ ملتان کیم تا ۲۔ اپریل ۲۰۰۰ء) ص ۸ بعنوان "ہمارے سید صاحب" از تنویر قیصر شاہد)

[3] "اقتدار و اختیار کی چپقلش کے نتیجہ میں جب صدر اسحاق خان نے نواز شریف کو برطرف کیا تو یار لوگوں نے کہا کہ "نواز شریف کا جرم یہ تھا کہ اس نے پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم کی"۔ ع ...... تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو۔ پھر یہ کہا گیا کہ اگر اسمبلی مزید کچھ دیر نہ ٹوٹتی تو پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم ہو چکی ہوتی"۔ (محمد اشفاق چغتائی، پروفیسر۔ اقتباس از قلمی خط بعنوان "برائیوں کا انتخاب" ص ۲)

موصوف کے ہمراز وہم خیال پیرانِ عظام اور علماء کو تو یہ حسرت ہی رہے گی کہ میاں صاحب موصوف کے ہاتھوں نفاذ شریعت کا مقدس فریضہ انجام نہ دیا جاسکا اور وہ اوران کی جماعت ایسے "امیر المومنین" سے محروم ہوگئی جو عبرت کا نشان بن چکا، لیکن ایک ہم ہیں کہ عامۃ الناس کو اب یہ یقین دلانے کہ ــــ اقتدار سے محروم ہو جانے والی مذکورہ حکومت "اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے دلی طور پر مخلص تھی" کے جتن کر رہے ہیں! ــــ اوران حکمرانوں کے ساتھ گزاری ہوئی چند گھڑیاں ہمیں یاد آ رہیں اور ساتھ ان کی نوازشات بھی، یہاں تک کہ اٹل قانونِ خداوندی بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ــــ ارشاد باری تعالیٰ ہے[1] ـ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا[2])۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ[3] (اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں)۔

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلْحَقُّ مُرٌّ لَوْ کَانَ دُرٌّ (سچی بات کڑوی ہوتی ہے گرچہ موتیوں جیسی کیوں نہ ہو) ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے اوپر دیئے جانے والے حقائق وشواہد کسی پر ناگوار گزریں۔ خیال رہے کہ کسی کی دل شکنی یاں ہرگز مقصود نہیں، لیکن اتنا عرض کرنا ضرور ہے کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مسند ارشاد پر فائز اہل علم کو اس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے جس طرح کہ اہلِ حق کے ترجمان حضرت ابُوالمحامد سیّد محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۱ء) اپنے ایک مشہور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"دنیا کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طبقہ نے عالمگیر و جہانگیر کی تلواروں پر حکومت کی، عباسیوں کی جلالت پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا یعنی علماءِ حق، وہ نہ کسی مغرور کے دبائے دبتے ہیں نہ کسی شکی وہمی سے الجھتے ہیں نہ کسی بدزبان بے لگام کو پرکاہ برابر سمجھتے ہیں وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے ہیں حق گو ہیں حق پرست ہیں اور صرف حق کا اقتدار چاہتے ہیں"۔[4]

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ البقر، ۲۵۱

[2] "یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لئے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں کے مختلف گروہوں کو ایک حدِ خاص تک تو زمین میں غلبہ وطاقت حاصل کرنے دیتا ہے، مگر جب کوئی گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے، تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے وہ اس کا زور توڑ دیتا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ ایک قوم اور ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اسکی قہرمانی لازوال ہوتی، تو یقیناً ملک خدا میں فسادِ عظیم برپا ہو جاتا۔" (حاشیہ تفہیم القرآن)

[3] القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران، ۱۴۰

[4] خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۵

بالیقین یہ شان تو علماء ربانیین کی ہے، جو مذکورہ بالا اقتباس میں جھلک رہی ہے...... خود باری تعالیٰ بھی ان کے حق میں ارشاد فرما رہا ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[1] (اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)، لیکن ہمارے وطن عزیز میں علماء ربانیین کی جماعت کے نام لیوا اس کے برعکس جو کچھ کر رہے ہیں وہ بڑا شرمناک ہے، ماضی قریب ہی کے بعض واقعات کا جائزہ لئے بغیر بات نامکمل رہے گی۔

مثلاً "پاکستان کے سابق صدر جناب غلام اسحاق خان (۱۷۔ اگست ۱۹۸۸ء تا ۱۹۔ جولائی ۱۹۹۳ء) نے جب ۱۹۹۳ء میں قومی اسمبلی توڑی، سہاگ ہال، شملہ پہاڑی (موجودہ metromart۔ میٹرو مارٹ) لاہور میں الیکشن کمپین کے لئے میاں نواز شریف کا جلسہ تھا۔ تنظیم المدارس پاکستان کے علماءِ کرام جمع تھے۔ جلسہ کی غرض و غایت، ناظمینِ مدارس کی طرف سے نواز شریف کی حمایت تھی۔ ناظم شعبہ امتحانات تنظیم المدارس پاکستان، مولانا غلام محمد سیالوی نے کنونشن منعقد کیا (یاد رہے کہ مولانا سیالوی موصوف وہی صاحب ہیں جو بعد میں نواز شریف کے آخری دور (۱۷۔ فروری ۱۹۹۷ء تا ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء) میں پاکستان بیت المال کے چیئرمین بنائے گئے)، مذکورہ کنونشن میں علماء نے نواز شریف کے ہاتھ چوم کر اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ جب دیکھا دیکھی اسٹیج پر علماء کرام زیادہ اکٹھے ہوئے تو ڈاکٹر نور احمد شہتاز اور کراچی ہی کے پروفیسر منیب الرحمٰن ہزاروی نے خدا کے واسطے دے کر اسٹیج کے اردگرد جمع ہونے والے پاکستان کے دینی مدارس کی تنظیم کے علماء کو بٹھایا...... ایک سابق وزیر اعلیٰ پنجاب منظور احمد وٹو کی خواہش پر ۱۹۹۴ء میں لاہور کے آواری ہوٹل میں پاکستان مشائخ کنونشن کا انعقاد کیا گیا، صدر مجلس کانفرنس السید یوسف السید ہاشم الرفاعی تھے، محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی حمایت میں علماءِ کرام جمع ہوئے...... پاکستان بھر کے مشائخ کو اکٹھا کرنے کا اہتمام پیر سید منور حسین شاہ جماعتی کے سپرد تھا جن پر سرکاری خزانہ کا منہ کھول دیا گیا۔ کھانا تناول کرنے کے بعد مذکورہ اجلاس میں شمولیت کرنے والے علماء و مشائخ کی پانچ صد روپے فی کس کے حساب سے خدمت کی گئی۔

بڑھو، بندگانِ زمانہ بڑھو بندگان درہم
تمہیں زندگی سے کوئی ربط باقی نہیں
کہ یہ سادہ دل
نہ اہلِ صلوٰۃ اور نہ اہلِ شراب
نہ اہلِ ادب اور نہ اہلِ حساب
نہ اہلِ کتاب

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ فاطر، ۲۸۔

نہ اہلِ کتاب اور نہ اہلِ مشین

نہ اہلِ خلا اور نہ اہلِ زمین

فقط بے یقین

لگے ہاتھوں ایک اور واقعہ سنتے جایئے، جسے حکیم صاحب نے بیان کیا۔ جنوری ۱۹۹۸ء کی بات ہے کہ احقر راقم الحروف، حکیم صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، جمعیۃ العلماء کے حوالہ سے (جو اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مزید گروپوں میں تقسیم ہو چکی) باتیں ہونے لگیں، حکیم صاحب علیہ الرحمہ فرمانے لگے کہ ''میرے پاس تو اب کوئی خاص ملنے والا نہیں آتا، چند روز ہوئے فیصل آباد کے بعض احباب آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ وہاں کسی مزار شریف کا مسئلہ تھا جس کا فیصلہ آخر کار صوبائی محکمہ اوقاف نے کرنا تھا، یہ معاملہ جب وزیر اوقاف پنجاب جن کا تعلق بھی فیصل آباد ہی سے تھا، کے ہاں متعلقہ درگاہ کا معاملہ پیش ہوا تو اس وقت کے صوبائی وزیر اوقاف جو حاجی صاحب اور صاحبزادہ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، پاکستان میں رائج الوقت ''نظریہ مک مکا'' کے تحت مزار شریف کی آمدنی سے اپنے لئے Monthly ماہوار رقم مقرر کروالی''۔ اور غالباً یوں اس درگاہ کا محکمہ اوقاف کی تحویل وغیرہ کا خطرہ ٹل گیا ہوگا! (بتغییر یسیر بقدر حافظہ)

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری
کہ بخشیں گی جو دین کو استواری
کریں گی یہی قوم کی غمگساری
انہی پر امیدیں ہیں موقوف ساری
یہی شمع اسلام روشن کریں گی
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی

اب گزشتہ دنوں روزنامہ ''آواز'' لاہور کی اشاعت مورخہ ۵۔ دسمبر ۱۹۹۹ء صفحہ آخر' کالم اول میں ہمارے ممدوح سابق وزیر اوقاف کے بارے زیر عنوان ''مسجدوں کی آڑ میں سرکاری زمینوں پر پنجاب کے سابق وزیر اوقاف کے قبضے کا انکشاف'' جو خبر شائع ہوئی ذیل میں من وعن درج کی جارہی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''فیصل آباد (کے پی آئی) معزول وزیر اعظم نواز شریف کے دور حکومت میں پنجاب کے وزیر اوقاف صاحبزادہ فضل کریم قبضہ گروپوں کی سرپرستی کرتے رہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق صاحبزادہ فضل کریم نے سرسید ٹاؤن میں سپر مارکیٹ کے لئے وقف ۱۰۰ کینال (کنال) زمین پر راتوں رات قبضہ کر کے مسجد کی بنیاد ڈال کر وہاں متعدد دکانیں تعمیر کر ڈالیں اور ساتھ ہی

مسجد و مدرسہ کی تعمیر شروع کردی۔ محلہ مدنپورہ میں حکیم احسان اللہ خلیل کی ذاتی زمین پر تعمیر شدہ جامع مسجد اور ملحقہ آٹھ دکانوں کے تالے تڑوا کر ان پر زبردستی قبضہ کر لیا جبکہ جھنگ بازار میں ایک بیوہ کی زمین پر مبینہ طور پر قبضہ کرایا۔"[1]

پیرانِ حرم کرتے ہیں اصنام پرستی
ہر سیم کا بُت ہے انہیں ایمان سے پیارا
فریاد ہے فریاد ہے اے رسولِ عربی
تاراج ہُوا جاتا ہے گلستان ہمارا

محمد احمد بیان کرتے ہیں کہ ان ایام میں جب (پیر) سید ریاض حسین شاہ صاحب راولپنڈی کی خطابت کو خیر باد کہہ کر شریف فیملی کی تعمیر کردہ جامع مسجد ماڈل ٹاؤن میں خطبہ دینے کے لئے لاہور آنا چاہتے تھے میں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری (علیہ الرحمہ) کے مطب میں حاضر ہوا تا کہ اس سلسلہ میں ان کی رائے معلوم کی جا سکے، حکیم صاحب نے بڑی دل لگتی بات کہی، فرمانے لگے کہ کچھ لوگ بیٹر پال ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کتے پال ہوتے ہیں علیٰ ھذا القیاس نواز شریف خاندان[2] "مولوی پال" ہے۔۔۔!!!

کہا گیا ہے 'خیال' کی عظمت سے کسے انکار ہے؟ قوموں کی آبادی و بربادی اسی 'خیال' کی کج روی و راست روی پر منحصر ہے، اس لئے پھر کیا ہوا؟...... پاکستان کی مذہبی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جوں جوں یہ

[1] یقیناً ع...... "ارباب نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز" اور بقول زاہد مسعود...... "کافی سارے ایسے مولوی حضرات، مسلم لیگ کے علماء و مشائخ ونگوں میں بھی گھسے ہوئے نظر آرہے ہیں جن کے کارنامے بلکہ کرتوتیں آئے دن اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں"۔ (دیکھئے: روزنامہ دن، لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء کالم۔ کہا سنا معاف بعنوان "حالات حاضرہ و ناظرہ")

[2] "شریف خاندان کو سید صاحب نے بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ ان کا مشاہدہ بھی ماشاءاللہ گہرا ہے...... مگر وہ اپنے مشاہدات میں کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتے۔ اس ضمن میں سوال کرنے پر چپ سادھ لیتے ہیں۔ اصرار کرنے پر جناب سید ریاض حسین شاہ بتاتے ہیں: "وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کی مسجد میں آ کر مجھے اس حوالے سے نقصان ہوا ہے کہ میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو گیا ہے"۔ (تنویر قیصر شاہد، انٹرویو ریاض حسین شاہ زیر عنوان "ہمارے سید صاحب" بحوالہ اخبار اہل سنت لاہور۔ "خصوصی اشاعت" مطبوعہ مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۱۸ اور ۵۵) ـــــ کیا ہمارے سید صاحب موصوف کی۔ (جو مفسر قرآن، مفکر اسلام بھی ہیں) سیاست دین سے جدا ہے؟ ـــــ لیکن بمصداق ع کچھ شک نہیں کہ حضرتِ واعظ ہیں خُوب شخص، یہ حقیقت ہے کہ ایسا انسان کبھی مسلمانوں کا قائد نہیں ہو سکتا۔

مذہبی راہنما وقت کے حکمرانوں کے قریب ہوتے گئے توں توں یہ حضرات عوام کے دلوں سے دور ہٹتے چلے گئے جس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ماڈل ٹاؤن لاہور کی جامع مسجد میں قدم رنجہ فرمانے سے قبل شاہ صاحب موصوف نے جب ۱۶۔نومبر ۱۹۸۸ء کو پہلی بار راولپنڈی کی نشست قومی اسمبلی حلقہ نمبر ۳۹ سے (پاکستان عوامی اتحاد[1] کے ٹکٹ پر) الیکشن لڑا تو انہوں نے ۳۸۹۹۶ ووٹ حاصل کئے[2] اور جب شریف فیملی کی مسجد کی خطابت کے دوران میں مذکورہ سیٹ سے الیکشن (منعقدہ ۲۴۔اکتوبر ۱۹۹۰ء) میں حصہ لیا تو اس وقت صرف ۴ ہزار ووٹ حاصل کیے اور شاہ صاحب کی "قربتِ شاہی" نے ان کی اپنی مقبولیت کا گراف یوں ہی تیزی سے گرایا۔۔۔ بہر کیف حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بہت صائب[3] تھی کہ ہمارے مذہبی راہنماؤں کو حکمرانوں سے اپنے کو دور رکھنا ہی چاہیے اور اسی لئے اہل اللہ، عمر بھر اسی پر عمل پیرا رہے ہے۔۔۔ حکیم صاحب ایک صحیح الفکر راہنما تھے، اس لئے جہاں وہ دینی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے وہاں وہ وقتاً فوقتاً ملکی حالات پر بھی اظہارِ خیال فرماتے، وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی سیاست دین سے جدا نہیں ہے۔

ع　جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

محمد احمد موصوف بیان کرتے ہیں کہ جب ضیاء الحق کے دور میں غیر سیاسی بلدیاتی انتخابات ہوئے تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ اب مذہبی جماعتوں کا جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ حکومت کے کاسہ لیس مولویوں کے کردار سے بہت زیادہ بیزار تھے۔ حکیم صاحب کا ایمان تھا کہ پاکستان جن مقاصد کے لئے قائم ہوا تھا، ان مقاصد سے جان بوجھ کر غداری کی گئی ہے[4]، اس لئے وہ پاکستانی حکمرانوں کے کردار کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک ملاقات میں راقم سے فرمایا کہ میں لاہور کے ان قاتلوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جنہیں ہمارے ملک کے ایک منتخب وزیراعظم نے (ان قاتلوں کو) پولیس میں بھرتی کروایا۔۔۔ ایک طرف مذکورہ حکمرانوں کے لئے "بندگان سیم و زر" کی قصیدہ خوانی اور عقیدت کیشی کے مناظر دیکھیے!۔۔۔ اور دوسری جانب حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے خیالات کا جائزہ لیجیے۔۔۔۔۔۔!!!

ع۔۔۔۔۔۔　ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

---

[1] "۱۹۸۸ء کے انتخابات میں انہوں (مولانا شاہ احمد نورانی) نے ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں اور مسٹر محمد خاں جونیجو سے مل کر پاکستان عوامی اتحاد کے نام سے نیا انتخابی اتحاد قائم کیا مگر مسٹر جونیجو اس اتحاد سے نکل گئے۔"
(طارق اسماعیل۔ "الیکشن ۸۸ء" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۱)

[2] الیکشن ۸۸ء از طارق اسماعیل ساگر مطبوعہ مکتبہ نوائے وقت لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۴۴۰

[3] اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله (مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

[4] ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور، (یادگار موسیٰ نمبر)، جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء، ص ۷۶

یعنی: دیکھ رستوں کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

حضرت حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہٗ) چونکہ علماءِ ربانیین کے مخلص خادم تھے، اس لئے وہ اکثر اہل حق کا تذکرہ فرماتے رہتے، اپنے ایک مضمون "کچھ باتیں ...... کچھ یادیں" میں اہلِ حق کے قافلہ کے بعض علمائے متاخرین کا ذکر وہ بڑے ادب واحترام سے کرتے ہیں جن سے ان اکابر کی شخصیت بہت ہی تابناک معلوم ہوتی ہے، حکیم صاحب مذکورہ مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"دولتِ خداداد پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے وقت تک برصغیر پاک وہند کے قریہ قریہ میں جید علمائے حق موجود تھے اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہے مگر اہلِ سنت کی شومیِ قسمت کہ وہ علمائے حق یکے بعد دیگرے عازمِ خلد بریں ہوتے چلے گئے۔ ان میں سے بہت سے حضرات، بجاطور پر علم کے ہمالہ تھے، مگر شہرت ان پر فریفتہ نہیں تھی، لہٰذا ان کا تعارف صرف حلقہِ علماء تک محدود رہا۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، چشتی، اشرفی، امیر حزب الاحناف، لاہور (رحمۃ اللہ علیہ) اور غزالیِ زماں، رازیِ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی، چشتی، صابری، قادری بانیِ انوار العلوم، ملتان (رحمۃ اللہ علیہ) ان بزرگوں میں سے ہیں، جو علم و فضل کے بحرِ زخار اور دریائے معرفت کے شناور تھے، شہرت ان پر ایسی عاشق وشیدا تھی کہ ہر وقت ان کے دروازوں پر دربانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔ یہ دونوں بزرگ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے پورے برصغیر (پاک وہند) میں اپنی فضیلتِ علمی اور شرافتِ نفسی کا لوہا منوا چکے تھے ..... لہٰذا احقر اس زمانہ سے ان بزرگوں کے مداحین میں شامل تھا۔ پاکستان میں ہجرت کے بعد ان بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا بھی موقع میسر آیا...... ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ کو حضرت ابوالبرکات واصل بحق ہو گئے اور ان کے بعد لاہور میں مسندِ افتاء بے وقعت ہو کر رہ گئی۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۶ء کو حضرت غزالیِ دوراں مکین خلد بریں ہو گئے، تو عوام اہلِ سنت بالکل بے سہارا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ کی ذات گرامی فی الحقیقت مستغنی عن الخطاب ہے۔ جب ان کا نام نامی آ جائے تو خطابات والقابات ان کی قد آور شخصیت سے بہت چھوٹے نظر آنے لگتے ہیں۔ بلاشبہ وہ نابغہِ روزگار علماء میں سے تھے، جو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سال ہا باید کہ تا یک فردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

تحریکِ پاکستان کے مبلغ اعظم حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث چشتی، اشرفی، کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے خُطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (۱۹۴۶ء) کے آخر میں درج ہدایات وتجاویز کی روشنی میں اگر پاکستان کے اندر متفقہ طور پر مرکزی دار الافتاء قائم کیا ہوتا یا کم از کم اہل سنت کو درپیش نت نئے مسائل علمیہ کے حل کے لئے امارتِ شرعیہ قائم کی ہوتی تو یقیناً کاظمی شاہ صاحب اس کے متفقہ طور پر صدر الصدور قرار پاتے اور چھوٹے چھوٹے مولوی اور خود ساختہ مفتی، جو عجیب وغریب باتیں کرتے رہتے ہیں، انہیں اپنی پناہ گاہوں سے باہر جھانکنے کی بھی جرأت نہ ہوتی مگر وائے افسوس کہ یہاں الٹی گنگا بہنے لگی"۔ ؎۱

حکیم صاحب قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا اقتباس کے آخر میں جس افسوسناک صورت حال کی جانب اشارہ فرمایا ہے اور جس نازک دور سے ہم گزر رہے ہیں اور اس دور کے نام نہاد مولویوں اور خود ساختہ مفتیوں کے انجام سے آگاہ فرمانے کے بعد حکیم صاحب ایسوں ہی سے عوام اہلسنت کو بچنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں، وہ اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

"......ان سب کا انجام قوم ضرور دیکھے گی......اہل السنت والجماعت کو ان نام نہاد علماء کو جو فی الحقیقت بندگانِ سیم وزر ہیں، اپنے سے دور رکھنا چاہیے تا کہ ان کے منحوس اثرات سے ایمان محفوظ رہ سکے"۔ ؎۲

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلدِّینُ النُّصحِ لِکُلِّ مُسْلِم (مسلم کی خیر خواہی ہی دین ہے)، حکیم صاحب کی ذاتِ گرامی اس کی عملی تفسیر تھی، مذکورہ بالا مضمون کے آخری پیراگراف میں وہ ہمیں آگاہی بخش رہے ہیں کہ آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں اور بالخصوص جب کہ مسلمانوں کی جمعیت (جو اتحاد کی قوت سے وابستہ ہے) تباہ کر دی گئی ہو اور تباہی لانے والے بے حس اور مفاد پرست وہ مولوی حضرات ہی ہوں تو لامحالہ ہمیں پھر اسی پر عمل پیرا ہونا چاہئے...... یہ بات حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ آج سے تقریباً بارہ سال قبل فرمائی، لیکن آج کے حالات کے پیشِ نظر عوام اہل سنت کو ایسے تمام عناصر سے بچنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

۱-۲ محمد موسیٰ حکیم: کچھ باتیں، کچھ یادیں، ابتدائیہ "گستاخ رسول کی سزا قتل" (از حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۳-۶ اور اداریہ ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور جنوری ۱۹۹۱ء

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر
قضا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

محترم سید اویس علی سہروردی، مدیر مجلہ سہرورد، لاہور اپنے ایک مکتوب مورخہ ۳۰۔ جنوری ۲۰۰۰ء کو محمد صادق قصوری او برج کلاں کے نام رقمطراز ہیں کہ

"........ قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ کے تاثرات بڑے قابلِ صد ستائش ہیں مگر ہم بحیثیت ملت، لیڈرشپ کے فقدان سے عرصہ ہوا دوچار تو ہو ہی چکے تھے، آپ کی رحلت نے ہمیں مزید امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کیا اب یہ وقت وہی نہیں جب ہمیں قوم یونس علیہ السلام کی طرح توبہ کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا عذاب منافقت کا ہے جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ عالم یہ ہے کہ جنہیں ہم علماء کہتے ہیں وہ علم دوستی اور علم پروری سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، تحقیق و تجسس کا مادہ جن میں ہے انہیں عالم ہونے کی ڈگری ہم نہیں دیتے، تو اس کا خمیازہ ہمیں آخر ایک نہ ایک دن بھگتنا تو تھا ہی۔

مَیں مرکزی مجلس رضا کے بارے قبلہ حکیم صاحب کی وساطت سے تھوڑا بہت متعارف تھا مگر مہر و ماہ کے "یادگار موسیٰ" شمارۂ خاص کو پڑھنے کے بعد حکیم صاحب کے کردار کو بڑا باعظمت جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بڑے حوصلہ اور تدبر کے ساتھ وقت گزارہ ہے وگرنہ جتنا کام وہ مجلس سے علیحدہ ہو کر کر گئے ہیں وہ بھی نہ ہوتا[1] بلکہ مسلک کی بدنامی الگ ہوتی"۔

(باقی باقی)

لہ "...... بہر حال یہ طے شدہ بات ہے کہ "مولوی" ہماری پستی اور تنزلی کے ذمہ دار ہیں۔ جب تک ہم اپنے تفہیمی رویوں کو اپنے عہد سے ہم آہنگ نہیں کریں گے اور جب تک ہم روشن خیالی کو فروغ نہیں دیں گے ہم نہ صرف اپنی اکثریت کو کھوتے رہیں گے بلکہ ہمیشہ "جہلا" میں ہی شمار ہوتے رہیں گے۔۔۔ زمانہ قیامت کی چال چل گیا اور ہم اب بھی اسی پٹی ہوئی قدیم رہگور روش پر گامزن نہیں۔ یہ گفتگو میں نے ایک اضطراری کیفیت میں کی ہے جو مسلکِ اہلسنت کے دفاع کے حوالے سے مجھ پر غالب آجاتی ہے اس لیے مجھے معاف کر دیجئے گا۔"
(مراسلہ بنام میاں زبیر احمد مورخہ یکم جون ۲۰۰۰ء از خواجہ رضی حیدر، کراچی)

مرکزی مجلسِ رضا لاہور

ماضی، حال اور مُستقبل

کی پہلی قسط پر

ایک دانشور کی رائے

آپ کی تحریر پڑھ کر کسی دانشور کی یہ بات یاد آئی

کہ "مؤرخ کا قلم بڑا رازدار ہوتا ہے" ـــــ

بیشک بہت سے حقائق قلم میں گم جاتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

(مکتوب بنام ظہور الدین خاں مؤرخہ ۲۸۔ فروری ۲۰۰۰ء)

میرے حکیم صاحب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

عبدالحق ظفر چشتی مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور العرفان لاہور

نعمتاں دی ونڈ کرن والے دے وی وارے وارے جایئے ان گنت مخلوق نوں وکھریاں وکھریاں نعمتاں دے کے اونہاں او جو دا پنی تھاں تے اس طرح رکھ دتا۔ کہ اس ہیرے نوں کوئی اوتھوں چک کے دوسری تھاں تے رکھ نہیں سکدا۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب اللہ تعالیٰ انہاں دی محبت کا قدم میرے دل کے گھر چوں آخری ساہواں تک نہ کڈھے) نوں وی رب نے اپنیاں نعمتاں توں نوازیاں سی انج جاپدا اسی جیویں اونہاندی جھولی چوں باہر ڈھل ڈھل پیاں پیندیاں نے

میں سنیاں اے کہ کسے نے جبرائیل علیہ السلام کولوں پچھیا سوہنیاں رب دیا رسولا تے سدرہ تے رہن والیا جے تینوں رب دی زمیں تے رہنا پے جاندا تے توں کیڑی خاص قسم دیاں نعمتاں اپنے گلے دا ہار بنا کہ رکھتا۔ حضرت جبرائیل ہوراں نے جواب دتا اللہ والیو اس دنیا دی زمین تے رہن واسطے میں تناں چیزاں دا انتخاب کردا ۱) غریباں دی مدد کردا ۲) مخلوق دے عیب چھپاندا ۳) پیاسیاں نوں پانی پیاندا میرے حکیم صاحب نوں وی اللہ تعالیٰ نے سارے فرشتیاں دے سردار دی پسندیدہ چیزاں توں رج کے نوازیاں ہویا سی زمیں تے رہن والے بندے جہناں دی شان کیناں فرشتیاں نالوں وی اوچی ہوندی اے اوہ شائد ایسے واسطے ہوندی اے کہ اونہاں دے حصے چہ اون والیاں صفتاں اپنیاں عظیم ہوندیاں نے کہ رب دے فرشتیاں وچ وی نہیں ہوندیاں حضرت جبرائیل علیہ السلام دیاں پسندیدہ تن صفتاں میرے حکیم صاحب وچ رب نے کٹ کٹ کے بھرتیاں ہویاں سن۔ غریباں دی مدد کرنا سبحان اللہ حکیم صاحب دے کول بہن والے جاندے نے کہ حکیم صاحب دا ہتھ کناں کھلا سی غریباں مسکیناں دے کولوں دوا دارو دے پیسے کدے لئے ای نہیں، اساں کئی واری ویکھیا اے کہ غریباں نوں دوا دے نال نال نقد پیسے وی عطا فرماندے سن علماء کرام بزرگان دین فقرا و مشائخ یا قلمی جہاد وچہ مصروف رہن والیاں تے کرم تے سخاوت دی بارش دی پھوار انج ای برسدی رہندی سی۔

اسی لوک۔ (جہڑے کسے کھاتے وچہ ای نہیں آوندے)۔ جدوں اس کریم دی حکمت بھری دکان نے جاندے ساں۔ تے حکیم صاحب سب توں پہلاں خمیرہ گاؤزبان کھوا کے منہ میٹھا کراندے سن۔ کھانا کھان دا وقت ہووے۔ تے سارے کول بیٹھے ہویاں واسطے لنگر شروع ہو جاندا۔ چاء، پانی، شربت، کئی واری لسی۔ تے دوسریاں چیزاں نال تواضع ہوندی سی۔ ساڈے ورگے کھاؤ لوگ تے ہر ویلے آپ دے اگے پچھے کیڑیاں دے بھوں وانگوں بیٹھے رہندے سن۔ جیڑے علم دے موتیاں دے کشتیاں دے بھکے ہوندے۔ اونہاں واسطے اوہ

کھڑکی کھل جاندی۔ پتہ نہیں۔ ایناں حافظ حکیم صاحب نے کیہڑے نسخے کھا کھا کے تیز کیتا ہویا سی۔ سمندری لہراں وانگوں حکمت دیاں گلاں دیا لہراں مکن چہ نہیں آوندیاں سن۔

جے کوئی تاریخ دے کسے ورقے دی تلاش وچہ ہوندا۔ تے ہو نہیں سکدا کہ حکیم صاحب دے ذہن دی الماری چوں اوہ ورقہ نہ لبھے۔ متعلقہ شخصیت یا واقعہ دی جزیات تک انج زبانی یاد ہوندیاں سن۔ جیویں اوہ شخصیت پنجاہ سال پہلاں نہیں۔ اجے ہنے ای آپ دے کولوں اٹھ کے گئی اے۔ تے واقعہ دے متعلق محسوس ہوندا اجیویں حکیم محمد موسی صاحب اس واقعہ دے کوئی وڈے کردار خود آپ ہی سن۔

اس تو وی وڈی گل ایہ اونہاں وچہ ویکھی۔ کہ کسے علم دے پیاسے نوں انکار نہیں کردے سن۔ پیاس بجھونا تے بڑی وڈی نیکی اے۔ کوئی وہابی ہووے۔ یا دیوبندی مسلمان ہووے یا غیر مسلم، کالا ہووے یا گورا۔ بندہ ہووے یا بڈھی جیڑا آیا سخیاں دے بوہے توں خالی نہیں گیا۔

اللہ جنت نصیب کرے، میری بیوی، بڑی بیمار رہندی سی۔ شیخ زاہد ہسپتال چہ بارہ تیراں ٹیسٹ ہوئے۔ رپورٹ لین گئے تے ڈاکٹر صاحب آکھن لگے۔ جی۔ ایناں نوں کوئی بیماری نہیں۔ میں آکھیا۔ فیر ایہ مکر کردی اے ڈاکٹر تے ہس پیا۔ تے میں فکر چہ پے گیا۔ جے ایڈے وڈے ہسپتال والے وی ایہدی بیماری نہیں لبھ سکے۔ تو فیر ایدا علاج کتھوں کراواں گا۔ حکیم صاحب دے اک ملن والے۔ تسنیم الدین احمد صاحب نے مشورہ دتا۔ کہ حکیم محمد موسی صاحب دے نال مشورہ کیتا جائے۔ آپ دے نال رابطہ ہویا۔ تے آپ نے فرمایا۔ انہاں نوں جیڑی بیماری اے۔ اوہ کسی ٹیسٹ وچہ نہیں آسکدی۔ میں عرض کیتی۔ حضرت، ہن تے جدید مشینری دا دور اے۔ مشیناں دل دیاں دھڑکناں وی پڑھ لیندیاں نے۔ بیماری کیوں نہیں لبھ سکدیاں۔ فرمان لگے چشتی صاحب بارہ چودہ بیماریاں نے جیڑیاں کسے وی الٹرا ساؤنڈ۔ کسے ایکسرے وغیرہ وچہ نہیں آسکدیاں۔ اونہاں، اونہاں دے ناں دی دسے۔ پر میں بھل گیاں واں۔ دس باراں سال پرانی گل اے۔ کوئی کل دی گل تھوڑی اے۔

آپ نے فرمایا۔ دو مہینے علاج کراؤ۔ ٹھیک ہو جان گے۔ دوائی شروع کردتی۔ تے اللہ تعالی دے فضل وکرم نال ڈیڑھ دو مہینیاں وچہ ای نو برنو ہو گئیاں۔ اٹھ کے چلن پھرن لگ پئیاں۔

حکیم صاحب نال میری ایہ پہلی ملاقات سی۔ دوائی دے پیسے دتے۔ تے آپ نے واپس کردتے۔ میں بہتیرا آکھیا۔ منت وی کیتی۔ پر شنوائی نہ ہوئی مفت دے کھان والیاں چوں اک ہور بندے دا اضافہ ہو گیا۔

میں اونہاں دناں وچہ "جسمانی امراض کے روحانی شفاخانے" کتاب مکمل کر رہیاں ساں۔ اوہ کتاب آپ نوں میں خود حرف بہ حرف ساری سنائی۔ بڑے خوش ہوئے۔ اک ایکسیڈنٹ دی وجہ آپ بہت زخمی سن۔ پر فیر وی میری کتاب تے دیباچہ لکھ کے دتا۔ حالانکہ اس توں پہلاں وڈے وڈے لکھاریاں دیاں منتاں کر کر تھکیاں ہویاں ساں۔ پر اونہاں دی رب دیاں بندیاں نے اپنی کنجوسی توں رج کے فائدہ اٹھایا۔ تے اپنے اپنے سمندراں چوں

اک بوند پانی دی نہ دتی۔

پر حکیم صاحب نے فرمایا چشتی صاحب

جے چنج بھر لئے کوئی چڑی نمانی
کدوں گھٹ جاندا دریانواں دا پانی

ایہوں جیہاں بے شمار گلاں باتاں نے۔ جنہوں پتہ لگدا اے۔ کہ حکیم صاحب نوں سخاوت نال کناں پیار سی۔

میری ملاقات توں پہلاں۔ کرے اک حادثہ ہو چکیا سی۔ آپ نے مرکزی مجلس رضا دے حوالے نال اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی تے بڑا کم کیتا سی۔ بے شمار کتاباں، اشتہاراں، جلسے، پمفلٹ، مضامین نہ جانے کناں کو کم کیتا۔ پر ایس سفر وچ، علمانواں تے مولویاں نال کسے گل توں اختلاف شروع ہو گیا۔ سنیاں اے کہ اوہ اختلاف کش چوکھا ای ودھ گیا۔ کتھے کم کرن آلیاں چہ وتھاں پے گئیاں۔ محبتاں دے دانے وی مک گئے۔ پیاراں دے بوہے آپس وچہ بھڑ پئے۔ جیہاں نے آپ دی دانائی دا دودھ پیتا ہویا سی۔ تے خمیرا گاؤزبان وانگوں مٹھیاں میٹھیاں گلاں سنن دی عادت پئی ہوئی سی۔ اوہ دور ہو گئے۔ راستے جدا ہو گئے۔ سمندری پانی دی کڑواہٹ برتن تے ظرف دی وجہ نال نہیں ہوندی اوہدی وجہ کجھ ہور ہوندی اے۔ اوہ ہونی ہو گئی۔

پر دساں پندراں سالاں چہ ایس سورج نوں کسے چمگادڑ واسطے بددعا کردیاں نہیں دیکھیا۔ پر کول بہن والے۔ مفت خورے، تے کھوڑے ایس گل تے ادھار کھا کے بیٹھے سن۔ کوئی بیٹھک ایسی نہیں سی ہوندی۔ جہندے وچہ اوہ آپ دی محفل وچہ مولویاں دے خلاف زہر دی پڑی نہیں سن کھول دے۔ چینی تے نکتہ چینی وچہ ایہ ای تے فرق اے۔ کہ چینی مٹھاس بن کے پورے جسم نوں مٹھیاں کر دیندی اے۔ تے نکتہ چینی کوڑی گولی وانگوں حلق وچہ اٹکدی اے۔ تے سارے جسم وچہ کڑواہٹ بھر دیندی اے۔

ایسے طرح آپ دے کول اک دن حاضر ساں۔ تے ہر ویلے آپ دے کول بہن والیاں اوہ زہر دی پڑی کھول دتی۔ لئے ساڈے مولویاں نے ہن تک کی کیتا اے۔ دوجے فرقیاں دے مولویاں نے ایہہ کیتا اے۔ ایہ وی کیتا اے۔ تے انہاں لڑائیاں جھگڑے ہیرا پھیریاں تے فراڈ۔ تے زکاتاں کھان دے سوا کیتا کی اے۔ پہلاں تے میں سن دا رہیا۔ آخر چپ نہ رہ سکیا۔ تے آکھیا۔ میاں صاحب۔ ایہ تے ویسے ای بندے دی فطرت اے۔ کہ اپنا پتر تے دوجے دی بڈی بڑی چنگی لگدی اے۔ بس ایہ گل سن کے اونہاں دے ڈھڈ وچہ یناں کو وٹ پیا۔ کہ بول ای نہ سکے۔ تے حکیم صاحب دے ظرف دے صدقے جانو اونہاں تے اج ای سی ان سنی کر چھڈی۔

جے کالے منہ والا کولہ صدیاں توں کاناں چوں نکل دا اج تک ختم نہیں ہوایا۔ تے سونے دی

کان کدوں بند ہوگئی اے۔ حکیم صاحب ورگے سونے دی کان چوں نکلدے ای رہندے نے۔ اللہ کرے ایہ کان
داسونا کدے ختم نہ ہووے۔

سرتوں پیراں تک گلاباں دابوٹا۔ عاجزی تے انکساری دی زمین تے وچھی ہوئی ول۔ علماں تے
فضلاں دی کان۔ سخیاں تے سخاوتاں دا بودا مٹھیاں مٹھیا تے محبتاں دی مٹھاس بھرن والیاں گلاں داخمیرہ
گاوزبان، دہمی دہمی چال چلن والی بادصبا۔ عشق ومحبت رسول مقبول ﷺ دے وچہ کشتیاں داکشتہ جان۔ حجاز مقدس
توں آون والا ہر بھلاوی جنہوں چم کے جاوے۔ جدوں دنیادیاں بیماریاں دے خلاف جہاد کردا کردا تھک گیا۔ تہ
بہہ گیا۔ پھرلیٹ گیا۔ پھرسکوں گیا۔ تے ابدی نیند سوں گیا۔ اللہ تعالیٰ دے محبوب ﷺ دی رحمت دی چادر دا سایہ
تاقیامت اونہاں دی قبر تے رہوے۔ آمین یارب العلمین بجاہ سیدالانبیاء المرسلین ﷺ۔

عبدالحق ظفر چشتی مدیر اعلیٰ ماہنامہ نورالعرفان لاہور

میں بھی حاضر تھا وہاں

یوم حکیم محمد موسیٰؒ امرتسری کا آنکھوں دیکھا حال

تحریر: محمد صادق قصوری

حکیم ملت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) کی ذات گرامی نابغہ روزگار تھی۔
موصوف نے علم وادب اور مذہب وروحانیت کے میدان میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے زمانہ اس کی
نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے نہ "ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ" کے مصداق سواد اعظم
اہلسنت کی بے لوث خدمت کی، خفتہ سنیوں کو بیدار کیا اور بیداروں کو ہشیار۔ ملک بھر میں اہل قلم کی کھیپ
تیار کی، "مرکزی مجلس رضا" کی بناء رکھ کر "فکر رضا" کو ہر دل کی دھڑکن بنا دیا۔ سالانہ "یوم رضا" کی
تقریب کا آغاز کر کے بھولے بھالے سنیوں کو اپنے عقائد سے آگاہ کیا۔ تحریری میدان میں خود کام کیا اور
شاگردوں سے اتنا کام کروایا کہ عالم اسلام میں دھوم مچ گئی اور مذاہب باطلہ دم توڑنے لگے۔

نومبر کا مہینہ تھا اور تسبیح عیسیٰ کا ۱۹۹۹ واں دانہ شمار میں، یا یوں کہئے کہ سن ہجری کی ۱۴۲۰ ویں کڑی
لڑی میں پروئی جارہی تھی جب حضرت حکیم صاحب نے لاہور میں رحلت فرمائی۔ ان کی وفات پر نہ صرف
پاکستان بلکہ پوری دنیا میں کہرام مچ گیا۔ تعزیتی جلسے ہوئے جن میں بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا۔

اخبارات نے شہ سرخیوں سے اور رسائل وجرائد نے خصوصی نمبر نکال کر حق عقیدت ادا کیا۔

حضرت حکیم صاحب قدس سرہ کے شاگردوں، عقیدت مندوں اور مجلس نشینوں نے اپنے اپنے رنگ اور انداز میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ مگر سید اویس علی سہروردی (مدیر مجلہ "سہرورد" لاہور)، ظہور الدین خان (سابق سیکرٹری مرکزی مجلس رضا)، مختار جاوید منہاس (مدیر ماہنامہ "حسن عمل" لاہور)، غلام مصطفیٰ مصطفوی (رکن مرکزی مجلس رضا مرحوم) اور راجا رشید محمود (مدیر ماہنامہ "نعت" لاہور) نے "مجلس حکیم محمد موسیٰ" امرتسری" کی بناء رکھ کر ایسا کارنامہ سرانجام دیا کہ دنیائے اہل سنت عش عش کر اٹھی اور سید صاحب موصوف اور ان کے ساتھیوں کے لئے ہر دل سے دعائیں نکلیں۔ چنانچہ اسی مجلس کے زیر اہتمام مورخہ ۱۹۔ نومبر ۲۰۰۰ء بروز اتوار صبح دس بجے بختیار لیبر ہال، نسبت روڈ لاہور میں "یوم حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ" منایا گیا، جس کی صدارت کے فرائض حضرت استاذی حکیم صاحب قدس سرہ کے جگری رفیق بزرگ محترم جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ ماہنامہ "مہر وماہ" لاہور نے ادا کئے۔ اسٹیج پر ان کے ساتھ حکیم سید امین الدین احمد اور حکیم محمد حامد نور (بورے والا) تشریف فرما تھے۔

یہ ادنیٰ کفش بردار ٹھیک دس بجے ہال کے دروازے پر پہنچ گیا۔ محترم دوست راجا رشید محمود صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور مجلس کے ساتھیوں کے ساتھ دروازے پر کھڑے آنے والوں کا استقبال کر رہے تھے اور دوسرے ساتھیوں سے تعارف کروا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جناب مختار جاوید منہاس اسٹیج سیکرٹری، اسلم کاشمیری، معروف نعت خواں ثناء اللہ بٹ ودیگر حضرات سے میرا بھی تعارف کرایا۔ اس کے بعد شمع موسوی کے پروانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حکیم سید امین الدین احمد، خلیل احمد رانا (جہانیاں)، متین کاشمیری، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، محمد عثمان خان، میاں زبیر احمد، محمد عالم مختار حق، ظہور الدین خان، محمد ریاض ہمایوں سعیدی، معروف نعت گو شاعر سعید بدر، محمد سلیم اسلم نوشاہی (مرید کے)، مولانا محمد مظفر اقبال رضوی، ڈاکٹر امجد حسین چشتی، سید عبداللہ قادری (واہ کینٹ)، شیخ نیک محمد (شرقپور)، حکیم حافظ محمد اسلم، محمد نعیم طاہر رضوی، حکیم عبدالماجد، محمد عمر فاروق، حکیم سدید الدین (پاکپتن)، چوہدری محمد عبداللہ (فیروزوالا)، مولانا محمد یوسف نقشبندی چوراہی (نوشہرہ ورکاں)، شیخ دوست محمد، محمد طارق جمیل قادری، مولوی محمد شفیع رضوی، صاحبزادہ سید سعید الظفر نوشاہی ابن سید شریف احمد شرافت نوشاہی، ڈاکٹر ظہور احمد نوشاہی، سید شفیق الرحمن نوشاہی (ساہن پال شریف) جیسے بیسیوں حضرات تشریف لا چکے ہیں اور جب دس بج کر ۳۷ منٹ پر اجلاس کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی تو ہال نصف سے زیادہ بھر چکا تھا۔ دس بج کر ۳۹ منٹ پر حافظ سید محمد نوید قمر نے تلاوت قرآن پاک کی سعادت حاصل کی۔

پورا ہال جھوم جھوم اٹھا۔ ۱۰ ج کر ۵۲ منٹ پر اسٹیج سیکرٹری مختار جاوید منہاس نے پاکستان کے معروف اور بزرگ نعت خواں ثناء اللہ بٹ کو نعت شریف پڑھنے کی دعوت دی۔ بٹ صاحب کو برسہا برس تک حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسوں میں بیٹھنے اور فیوض و برکات حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ اور پھر مرکزی مجلس رضا کے تحت سالانہ جلسہ "یوم رضا" میں بھی ہر سال اعلیٰ حضرت بریلوی کا کلام پڑھ کر اپنی آواز کا جادو جگاتے رہے ہیں۔

بٹ صاحب اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنی پرسوز اور پر درد آواز میں کلام رضا سے سماں باندھ دیا۔ حاضرین ہمہ تن گوش نعت شریف سن رہے ہیں۔ نجانے میری آنکھوں میں نمی کہاں سے آگئی، یکدم استاذی حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آگئی اور لگی تڑپانے اور رلانے۔ میری آنکھوں کے سامنے "یوم رضا" کا منظر آگیا جہاں بٹ صاحب اور صوفی اللہ دتہ مرحوم کلام رضا سے حاضرین کو عشق و محبت کی دولت بخشا کرتے تھے اور حکیم صاحبؒ جھوم جھوم جایا کرتے تھے۔ آج منظر اور سماں تو ویسا ہی تھا مگر حضرت حکیم صاحب موجود نہ تھے۔

بٹ صاحب نے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کی جس نعت سے حاضرین کے قلب و جگر کو گرمایا وہ درج ذیل ہے:

تاب مرآت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب
پاک ہیں لوث خزاں سے گل و ریحان عرب

جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے
چھیڑ دے رگ کو اگر خار بیابان عرب

تشنہ نہر جناں ہر عربی و عجمی
لب ہر نہر جناں تشنہ نیستان عرب

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرہ سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر ایک گوشہ کنعان عرب

بزم قدسی میں ہے یاد لب جاں بخش حضور
عالم نور میں ہے چشمہ حیوان عرب

پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسرو خیل ملک خادم سلطان عرب

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

۱۱ بجکر ۵ منٹ پر جناب محمد حنیف نازش قادری آف کاموکے سٹیج پر آئے اور انہوں نے حضرت حکیم صاحبؒ کی شان میں منقبت پیش کی۔ لاوڈ سپیکر کی خرابی کی وجہ سے پوری منقبت نوٹ نہ کر سکا، چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

وہ حکیم اہلسنت پیکر والا صفات
خدمت دیں میں بسر ہوتی رہی جن کی حیات

ان کا سر جھکتا تھا بس اپنے خدا کے سامنے
سرنگوں تھے ان کے آگے وقت کے لاکھوں منات

دیکھتے تھے گو مریضوں کو کلائی تھام کر
در حقیقت ہاتھ میں رکھتے تھے وہ نبض حیات

لیجئے! اب گیارہ بج کر بارہ منٹ ہو چکے ہیں۔ سٹیج سیکرٹری نے جناب محمد شہزاد مجددی کو دعوت خطاب دی۔ مجددی صاحب اکثر و بیشتر حضرت حکیم صاحب کی صحبتوں سے مستفیض و مستفید ہوتے رہے ہیں۔ وہ گویا ہوئے کہ حکیم صاحب سلاسل اربعہ کی نسبتوں سے فیضیاب تھے۔ فکری لحاظ سے محمدی تھے۔ اگرچہ مجھے

ان کی خدمت میں بارہا بیٹھنے اور سیکھنے کا موقعہ ملا مگر ابھی تک ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھ سکا۔ مشکل کام ہے، بہت ہی مشکل کام ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

حکیم صاحب ہمہ صفت موصوف بزرگ تھے، ہمہ جہت شخصیت تھے۔ حق گوئی ان کا بہت بڑا وصف تھا، ہر اچھے شخص کے کمزور پہلوؤں کی اصلاح فرماتے تھے۔ انہیں بہت سے صدمے اٹھانا پڑے۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود علمی ادبی کاموں میں مصروف رہتے تھے، نایاب باتوں اور نایاب حوالوں کا انکشاف فرماتے تھے۔ جس علمی پہلو پر استفسار کیا جاتا، جامع جواب دیتے۔ مریض کی نبض پکڑے ہوئے ہیں اور علمی باتیں بھی کر رہے ہیں۔ بڑے بڑے اہل علم نے استفادہ کیا۔ ہر طبقہ علم کے ساتھ تعلق، تعاون اور اصلاحی جذبہ تھا۔ کشف المحجوب اور مکتوب امام ربانی کے مقدمے لکھے۔ غوث و مجدد سے یکساں وابستگی تھی۔

گیارہ بجکر ۲۶ منٹ پر سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور سٹیج پر آئے اور تحریری مقالہ پڑھا۔ جس کا آغاز و اختتام یہ تھا کہ حکیم صاحب "نسیم سحر" تھے۔ اس کے بعد گیارہ بج کر ۴۲ منٹ پر محمد عالم مختار حق کو دعوت اظہار خیال دی گئی۔ موصوف حکیم صاحب کے بہت پرانے ساتھی اور رفیق کار ہیں۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ "صحبت حکیم" کے نام سے کتاب لکھ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے امرتسر کے حوالہ سے واقعات سنائے جو انہوں نے حکیم صاحبؒ کی زبانی سنے تھے۔ ان کے بعد سید محمد نوید قمر نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشہور عالم نعت پڑھ کر سماں باندھ دیا۔ جس کا مطلع اور مقطع کچھ یوں ہے:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا!
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

گیارہ بج کے ساٹھ منٹ پر منتظم "مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری"، جناب سید اویس علی سہروردی صاحب مائیک پر آئے اور حکیم صاحبؒ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ انہوں نے حکیم صاحبؒ کے ساتھ اپنے تعلقات و نیاز مندی کا کھل کر اظہار کیا اور اہلسنت کی بے حسی پر خون کے آنسو روئے۔ کہنے لگے

کہ حکیم صاحب پر کام کرنے کی ضرورت ہے انہیں لمبے چوڑے خطابات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگ کام تو کرتے نہیں باتیں بہت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم پستی کی طرف جارہے ہیں۔

سید صاحب کے بعد ۲۸۔۱۲ پر معروف صحافی اور تجزیہ نگار سید سبط الحسن ضیغم پنجاب کی شان پگڑی پہنے ہوئے سٹیج پر آئے اور حکیم صاحب ؒ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی بقا کے لئے "فکر حکیم" کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

گھڑی کی سوئیاں ۲ اج کر پچاس منٹ پر پہنچیں تو ڈائریکٹر عجائب گھر لاہور ڈاکٹر انجم رحمانی کو دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے بڑے احسن انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ حکیم صاحب انسانی قدروں کے قدردان تھے، روحانی قدروں کے پاسبان تھے، انسان دوست اور دکھیوں کے ساتھی تھے۔ انہوں نے پوری زندگی غریبوں، حاجتمندوں اور محتاجوں کی مدد و دستگیری کی۔

ڈاکٹر صاحب کے پر اثر بیان کے بعد جناب محمد حسین تسبیحی آف ادارہ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی / اسلام آباد کی فارسی منقبت' پروفیسر غضنفر وڑائچ شعبہ فارسی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور نے سنائی۔ تسبیحی صاحب، حکیم صاحب کے بہت پرانے نیاز مند ہیں۔ مگر بوجوہ تشریف نہ لا سکے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حکیم عشق و عرفان از جہان رفت
امیر ملک ایمان ناگہان رفت

محمد بود موسیٰ بود و دانا
محقق آن طبیب عاشقان رفت

ہمیشہ کار او تعلیم ایمان
جہان عارفان روح البیان رفت

سخنور بود و دانای طبیبان
نوا سنج ہم زندہ دلان رفت

بعد ازاں نبیرہ فخر الاطباؒ حکیم محمد حامد نور نے اپنے مقالے میں حکیم صاحب کی طبابت کے حوالے سے

بات کی۔ انہوں نے کہا کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب ؒ کی تشخیص منفرد تھی۔ وہ طب یونانی میں جدید تحقیق کے زبردست حامی تھے۔

ایک بجے پروفیسر محمد صدیق اکبر مائیک پر آئے اور کہنے لگے کہ حکیم صاحب ؒ تحریک سے یہ سامنے آیا کہ پاکستان بنانے والے یہ کون لوگ تھے۔ انہوں نے صحیح عقائد سے روشناس کرایا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

۱۰-۱ پر ڈاکٹر وحید عشرت ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور نے اپنی تقریر میں بڑی عقیدت و محبت اور نیاز مندی کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ ان کی حکیم صاحب سے کوئی ملاقات نہیں ہو سکی۔ میرا ان سے روحانی، قلبی اور جگری رشتہ ہے۔ ان کی ذات ستودہ صفات ہمہ صفت موصوف تھی۔ ان کے خاندان میں علم و ادب، طب و حکمت عرصہ سے چلی آرہی ہے، وہ عالم دین تھے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے روشناس کرانا اور "مرکزی مجلس رضا" بنانا ان کی بے بہا خدمات ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی خدمات سب پر حاوی ہیں۔ کفر ہمیں غلام بنانے پر تلا ہوا ہے۔ مذہبی لحاظ سے اور معاشی لحاظ سے ناطقہ بند کیا جارہا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک کی ضرورت ہے، حضرت مجدد نے دین الٰہی کا قلع قمع کیا۔ سنی کانفرنس بنارس بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال سنی تھے۔ بریلوی لوگوں نے پاکستان بنایا۔ اب اسکی حفاظت بھی انہی لوگوں نے ہی کرنا ہے۔ اور وہ اس طرح ہو گی کہ حکیم صاحب کے مشن پر کام کریں، ان کے افکار و نظریات پھیلائیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو پھیلائیں اور فلاح پائیں۔

ڈاکٹر وحید عشرت کی پر مغز، فکر انگیز تقریر کے بعد ایک بج کر ۲۲ منٹ پر نعت خواں محمد اکرام قادری نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی یہ نعت پڑھ کر حاضرین کے عشق رسول ﷺ کو جلا بخشی۔ مطلع ملاحظہ ہو:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

پھر ایک بج کر ۳۳ منٹ پر پروفیسر محمد اقبال مجددی نے تحریری مقالہ پڑھا۔ ان کے بعد پونے دو بجے ملک کے معروف نعت گو شاعر ادیب اور خطیب راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور نے اختتامی تقریر کی اور حضرت حکیم صاحب ؒ کے حضور عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے۔ راجا صاحب نے کہا کہ اگر میں کسی کا مرید ہوتا تو صرف اور صرف حکیم صاحب کا ہوتا مگر وہ مرید نہیں کرتے تھے۔ (راجا صاحب نے یہ بات حضرت حکیم صاحب کے چہلم کے روز شام کو نوری کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور میں بھی مجھ سے

کہی تھی)۔ حکیم صاحب لوگوں کی مالی، طبی اور علمی مدد فرماتے تھے۔ بقول سید سبط الحسن ضیغم، حکیم صاحب ایسی شخصیات مر نہیں سکتیں، لیکن اگر ہم نے انہیں یاد نہ رکھا تو خود ہم مر جائیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکیم صاحب کے افکار و نظریات کا پرچار کیا جائے، ان کے کام ان کے فکر کو آگے بڑھایا جائے۔ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہم بھی اختیار کریں۔ انہوں نے کہا کے حکیم صاحب کے قل اور چہلم میں مرکزی مجلس رضا کے قاتلوں اور "گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کو بلایا گیا۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم ان پر عملی کام کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

راجا صاحب کی پر سوز اور باطل سوز تقریر کے بعد سلام پڑھا گیا اور دو بجے حکیم سید امین الدین احمد کی دعا پر یہ روحانی، ایمانی اور ایقانی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو ہال کے باہر کھڑی آرام دہ ویگنیں شرکاء کے انتظار میں کھڑی تھیں ان پر سوار ہو کر حکیم اہل سنت" کے مزار واقع قبرستان حضرت میاں میر" پہنچے وہاں ثناء اللہ بٹ نے نعت پڑھی جس کا مقطع ...... ع رضا ہر کام کا اک وقت ہے ...... پڑھی، بعد ازاں حکیم اہل سنت کے دیرینہ ساتھی حکیم سید امین الدین احمد نے فاتحہ و دعا پڑھی اور سرفراز سید زیدی نے حاضرین میں پھل تقسیم کیا۔

سرودہ: دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)
۱۳۷۹/۸/۱۵ ھ ش = ۲۰۰۰/۱۱/۵ء

مُراد و مُرشد فارسی زبان رفت

بہ مناسبت تشکیل مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری بہ سرپرستی آقای سید اویس علی سُہروردی

حکیم عشق و عرفان از جہان رفت　　امیر مُلکِ ایمان ناگہان رفت
محمّد بود و موسیٰ بود و دانا　　محقّق آن طبیب عاشقان رفت
ہمیشہ کار او تعلیم ایمان　　جہان عارفان روح البیان رفت
سخنور بود و دانای طبیبان　　نواسنج ہمہ زندہ دلان رفت
کتاب و دفتر و اوراق دانش　　نمایشگاہ علم عارفان رفت
جوانان از وجودش گل بہ دامان　　مُحبّ جملہ یارانِ جوان رفت
مَطَبِّ او مکانِ مہربانان　　عِلاج رُوح و جانِ مردمان رفت
سخی بود و فقیران را مددگار　　گُلستانِ گلِ بخشندگان رفت
دمادم گفت و گویش حرفِ حق بود　　حقیقت گوی قرآن گل فشان رفت
رفیق و یار من در علم عرفان　　ہمان سرو سخنگوی زمان رفت
تمام عمر او خدمت بہ مردم　　مُراد و مُرشد فارسی زبان رفت
نوشت افکار گنج بخش حقایق　　مُورّخ بود و گنج شایگان رفت
سراسر کوشش او خدمتِ خلق　　ہمان مخدوم شہر جاودان رفت
بہ باغ علم و عرفان گل فشان بُود　　بہ سوی جنّت حق نغمہ خوان رفت
رفیقان جملہ گریانند و نالان　　حکیم و عارف روشن بیان رفت
غمین و دل شکستہ جملہ یاران　　امیر و رہنمای کاروان رفت
شُدہ این مجلس او شمع روشن　　ہمہ پروانگان را ہمرہان رفت
اویس سُہروردی کردہ برپا　　یکی مجلس کہ موسیٰ از میان رفت
غریق رحمت و غفران حق باد　　"رہا" صادق القول عیان رفت

طریقہ دعوت و تبلیغ

محمد سراج دین شریفی رضوی

نوٹ: حکیم صاحب ساری زندگی جس مقصد کے حصول کیلئے
کوشاں رہے یہ مضمون اسی کی مناسبت سے شامل اشاعت ہے ادارہ

تبلیغ و اشاعت دین کا فریضہ ہر دور میں صالح افراد و عناصر کے ذریعے انجام دیا جاتا رہا ہے۔ رفتار زمانہ کے پیش نظر اور وقت و حالات کی تبدیلی کے ساتھ طریقہ تبلیغ و اشاعت بھی تبدیلیوں کے عمل سے گزرتا ہے لیکن آج کے تقاضوں کے مطابق ہم نے اپنے تبلیغی عمل کو مذکورہ تبدیلیوں سے گزارا؟ اس سلسلے میں معتبر اصحاب و فقر و نظر کے خیالات کی روشنی میں ایک حقیقت پسندانہ جائزہ قارئین کی نذر ہے۔

محمد زبیر احمد قادری لکھتے ہیں:۔ عوام اہل سنت سادہ لوح، کم علم اور کم فہم ہیں۔ وہ باطل کے سنہری جالوں میں پھنستے چلے آرہے ہیں۔ ان حالات کے تحت ہمیں بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم بھی عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے منہ نہ موڑیں۔ آج بھی ہماری جماعت کے اکابرین چند فروعی مسائل کی بنیاد پر رفتار زمانہ سے کٹے ہوئے ہیں۔ جس وجہ سے ہمیں مسلسل نقصانات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ عوام الناس میں سنیوں کی اکثریت کے باوجود ہم ہر معاملے میں کم تر دکھائی دیتے ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی ساری زندگی اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور تحفظ و بقاء کے لئے تقریر و تدریس کے علاوہ تحریری خدمات انجام دی ہیں جو ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی۔ تقریر سے زیادہ تحریر دیرپا اور مفید اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ یہ بات ضروری ہے کہ پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد سننے والوں سے کم رہتی ہے۔ مگر پڑھے لکھے دانشور حضرات ہی معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں اور باطل کی دیسہ کاریوں کا جواب دے سکتے ہیں۔ نیز صحت مند لٹریچر ہی کسی بھی جماعت کا عکاس اور ذریعہ ابلاغ ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی تمام تر توجہ لٹریچر کی اشاعت کی جانب مبذول کرنی ہوں گی۔ با حوالہ اداریہ افکار رضا ممبئی، جون ۱۹۹۹ء۔

اور مبلغ اسلام علامہ بدر القادری کے مطابق آج کے بدلے ہوئے ماحول میں تحریکی بنیادوں پر جرائد و رسائل کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ افسوس کے ہم میں کا مقدمتہ الجیش طبقہ اس لازمی ضرورت کو مدتوں سے نظر انداز کرتا آرہا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں محض پروپگنڈے کی بنیاد پر دنیا بھر سے رابطہ قائم کر کے

عالم اسلام سے اپنے مفادات حاصل کر رہی ہیں۔ باہر کی دنیا انہی کو مسلمانوں کا نمائندہ اور صف اول کا محرک سمجھ رہی ہیں۔ باحوالہ الکوثر، سہسرام جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء۔

اس ضمن میں علامہ یسین اختر مصباحی کا نظریہ بہت واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں قلم کی قوت وطاقت اور اس کی اہمیت وافادیت ہر دور میں ہر عہد میں مسلّم رہی ہے۔ اس کے ذریعے بڑے بڑے معرکے کئے گئے ہیں۔ اس کا سرمایہ افتخار یہ ہے کہ خود خالق کائنات بھی تحریر کی قسم کھا رہا ہے۔ بحوالہ الکوثر سہسرام۔

مذکورہ حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جماعت حقہ اہلسنت وجماعت تبلیغی واشاعتی میدان میں غیروں سے بہت پیچھے ہے۔ اس سلسلے میں ناچیز کا نظریہ یہ ہے کہ اس تنزلی وابتری کے ذمہ دار اصل میں موجودہ اور ماضی قریب کے کچھ وقت ناشناس، خودغرض، مفاد پرست قائدین ہیں۔ جنہوں نے عوام اہل سنت کو رفتار زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اس رنگ میں ڈھال دیا ہے جس سے ان نام نہاد قائدین کا اپنا دنیاوی مفاد حاصل ہو سکے۔

ہندستان میں ہمارے قائدین اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے ہو کر بھی روایتی طریقہ پر صرف تقریر کو ہی ذریعہ تبلیغ بنائے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ حضرات میزائل کے زمانے میں تلوار سے کام لے رہے ہیں۔ اور قوم کو تباہی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ اس بنا پر جماعت اہل سنت کا تبلیغی واشاعتی کام نہیں کے برابر ہو رہا ہے (البتہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جو اپنی قلمی خدمات کے ذریعہ مردہ جسم میں روح پھونکنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں مگر ایسے لوگ انگلی پر گنے جا سکتے ہیں) اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ نظام بقاء حق کے تحت ہو رہا ہے نہ کہ ان کے جو دین کے نام پر دنیا حاصل کر رہے ہیں۔ بلاشبہ دنیا حاصل کرنا غلط نہیں ہے مگر دین کے نام پر ضرور غلط ہے۔

مبلغ اسلام علامہ فروغ القادری لکھتے ہیں۔

برطانیہ میں عربی لسانیت وادب کے تمام شعبوں میں فرنگی حاوی ہیں اور یہ سفید پوش بلا تکلف اہل زبان کی طرح عربی لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغربی دنیا اندلس اور یونان کے علمی ذخائر کی تجدید کاری میں مصروف ہے اور دوسری طرف عالم اسلام میں ان دنوں علمی وفکری تحریکات عملاً مسدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ بحوالہ الکوثر، جنوری، مارچ ۱۹۹۹ء۔

اس ضمن میں ہمارے قائدین ومصنفین کس قدر بے حس اور ضرورت زمانہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگائیں کہ بزرگان متقدمین کی کتابیں جو عربی وفارسی میں ہیں اور عوام الناس میں بہت مقبول ہیں جیسے سعدی کی گلستان، بوستاں، مثنوی، مولائے روم دیوان حافظ، کشف المحجوب اور مکتوبات

مجدد الف ثانی وغیرہ کا ہندوستان میں ایک بھی سنی اردو ایڈیشن نہیں ہے۔آج عوام اہل سنت ان سینکڑوں کتابوں کا وہابی اردو ایڈیشن پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔

مذکورہ پس منظر میں ہمیں اپنے اور اپنے مخالفین کے طریقہ تبلیغ واشاعت کا جائزہ لینا ہے اور دیکھنا ہے کہ کس کا طریقہ کار دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے اور کس کا روایتی ہے۔کون کامیابی کی اونچائی کو چھو رہا ہے اور کون پستی کی گہرائی میں جا رہا ہے۔مگر اس سے پہلے قارئین کرام پروفیسر مسعود صاحب کا نتیجہ فکر ملاحظہ فرمائیں۔وہ لکھتے ہیں کہ علم ودانش اور مطالعہ ومشاہدہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے دائرہ فکر اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے ایک ہی پھول میں ہر آنکھ مختلف بہاریں دیکھتی ہے اور ایک ذرے میں مختلف جمال۔بحوالہ تبصرہ برشرح سلام رضا۔

پروفیسر صاحب جہاں مطالعہ ومشاہدہ کی اہمیت وضرورت پر زور دے رہے ہیں تو وہ دوسری طرف ہمارف قائدین ومقررین حضرات صرف تقریریں سننے اور سنانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔کیا یہ روش قوم واسلام سے بے اعتنائی نہیں۔چاہئے تو یہ تھا وہ ہر ممکن طریقہ پر عوام اہل سنت کو اسلامیات کا مطالعہ کرنے اور کرانے کی ترغیب دیتے۔موجودہ زمانہ میں تحریر تقریر پر اولیت رکھتا ہے۔تقریر کہ اثرات عارضی ہیں جب کے تحریر کے دیرپا مولانا فروغ القادری صاحب اپنے مضمون میں امریکی صدر بل کلنٹن کے ضمن میں لکھتے ہیں دوسری جانب اس کی بیٹی جامعہ الازہر مصر کی توسط سے اسلامیات کا مطالعہ کر رہی ہے یہ متضاد کیفیات بھی منجانب اللہ غلبہ دین کی حکمت سے عبارت ہے۔بحوالہ الکوثر۔

مذکورہ اقوال شواہد روشنی میں ہم کہ سکتے ہیں کہ ہماری اپنی پستی کی ایک وجہ ناقص تربیت ہے۔ہم اپنے مدرسوں میں تقریریں کرنے اور نعت پڑھنے کی تربیت تو خوب دیتے ہیں مگر اپنے طلبہ کو دنیا کہ احوال سے جماعتی سرگرمیوں سے وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش بالکل نہیں کرتے۔جب کہ بہت اشد ضرورت ہے کہ ہم ان کو مذکورہ احوال وامور کے علاوہ اپنے مخالفین کے طریقہ کار سے بھی واقف کرائیں تاکہ وہ دین واسلام کی خاطر خواہ خدمت کر سکیں اور اکسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ اور اس کے تربیت یافتہ افراد ہم سب کے لئے روشنی ورہنمائی کے لئے کافی ہیں۔اہلسنت وجماعت کا یہ مرکزی ادارہ آج ملک میں مثالی کردار ادا کر رہا ہے اس مثالی ادارہ کے مثالی افراد عالمی پیمانے پر جو خدمات انجام دے رہے ہیں بالخصوص تصنیف وتحقیق کے میدان میں وہ بھی مثالی ہے اور قابل تقلید بھی ہمارے مخالفین اپنے ارکان کو مثبت طریقہ پر تبلیغی واشاعتی کام کی تربیت دیتے ہیں اور اس طرح وہ

REGISTERED C.P.L.NO.330 MONTHLY

KANZ-UL-IMAN

CHIEF EDITOR ENGLISH/URDU

MUHAMMAD NAEEM TAHIR RIZVI
POSTAL ADDRESS1422/6 DELHI
ROAD SADDAR BAZAR LAHORE
PAKISTAN POST CODE
NO.54810 Ph# 6681927-6685454

SUBSCRIPTION
MONTHLY RS. 10.00
YEARLY RS. 110.00

پوری دنیا میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو رہے ہیں جب کہ ہم اپنی غلط روش اور کوتاہیوں کے نتیجے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر تنزلی سے دوچار ہیں۔ مخالف ہر ممکن طریقے پر اپنی تحریر کو پھیلانے کی تدبیر کرتا ہے جب کہ سنی صرف تقریر سننے اور سنانے کی تدبیر کرتا ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ اپنے طریقہ کار میں بنیادی تبدیلی لائیں اور اس میں تقریر پر تحریر کو اولیت دیں اس سلسلے میں ہم غیروں سے بھی بہت کچھ سیکھ رہے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ باطل فرقے عموماً اپنی باتیں اور نظریات مثبت طریقے پر پیش کرتے ہیں وہ پیچھے مڑ کر کم ہی دیکھتے ہیں کہ کون کیا کہہ رہا ہے جب کہ ہمارا منفی رویہ ہمیں ان کے پیچھے ڈالے ہوئے ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں ان کے خلاف کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنے موافق اور اپنی ضروریات کے تحت کچھ کرنے کی سمجھ ہے نہ فرصت ہے اور نہ فکر ہے۔ اس غیر دانش مندی کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک ہی جماعت یا ایک ہی مسئلہ پر سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھ لکھ کر اپنی قلمی وفکری توانائی کو ضائع کر رہے ہیں اور دوسرے ضروری موضوعات پر مسلسل صرفِ نظر کئے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

بشکریہ ماہنامہ کنزالایمان دہلی (انڈیا) مارچ ۲۰۰۰ء ص ۴۳، ۴۴

Monthly
KANZ-UL-IMAN
English / Urdu
Lahore-Pakistan
Regd. C.P.L.330
Ph: 6685454